حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
کا
طریقۂ اصلاح
مؤلف
ڈاکٹر سید ابرار علی صاحب
بیت العلوم

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

کا

طریقۂ اصلاح

انتساب

والد محترم
سید حافظ مشتاق علی رحمۃ اللہ علیہ کے نام

جن کی شفقتِ خاص کی بناء پر میں اس قابل ہوا کہ مذکورہ مقالہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے آمین۔

besturdubooks.wordpress.com

بسم الله الرحمن الرحيم
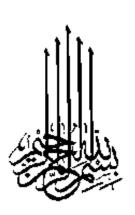
فہرست موضوعات

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریقہ اصلاح

باب اول: حیات اشرف

باب دوم: معاشرتی اصلاح کے بنیادی اصول

باب سوم: خصوصی انداز تعلیم و تربیت

باب چہارم: آداب معاشرت

باب پنجم: فیضانِ تصانیف

باب ششم: مولانا تھانویؒ اور نفسیات

❀❀❀

حرفِ آغاز

اللہ رب العزت کے حضور لامتناہی سپاس و تشکر جس نے اس احقر کو یہ توفیق بخشی کہ وہ ایک تحقیقی مقالہ ایسی ہستی کے بارے میں ترتیب دے جو اپنے وقت کے مجموعہ کمالات اور جامع انواع فضائل تھے۔ عالم، حافظ، قاری، مدرس، مفسر، محدث، فقیہ، واعظ، عارف باللہ، محقق، معالج امراض نفسانی، مجدد عصر اور عظیم المرتبت روحانی پیشوا حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو خانقاہ نشین شیخ اور سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔

بحمد اللہ یہ تحقیقی مقالہ شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ جامعہ سندھ جامشورو کے اصول و ضوابط کے تمام مراحل سے گزرنے کے بعد (پی ایچ ڈی) کے لیے منظور کیا گیا اور احقر کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا گیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور مشیت کے بغیر کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ڈگری ملنے کے بعد کچھ احباب، اصحاب علم اور اساتذہ کرام کا اصرار ہوا کہ اس مقالہ کو افادۂ عام اور عام قارئین کے لیے زیور طباعت سے مزین کیا جائے۔ اس تجویز پر غور کرنے کے بعد راقم ناچیز نے مقالہ پر نظر ثانی شروع کی اور بعض اہم مضامین اور کچھ عنوانات کو از سر نو ترتیب دیا تا کہ عام قارئین بھی مستفید ہو سکیں۔

پیش نظر مقالہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف النوع اور ہمہ جہت تجدیدی کارناموں میں سے صرف ان کے طریقہ اصلاح کے تحقیقی جائزہ پر مشتمل ہے، جو بالخصوص ان کی تصانیف کی تحریروں سے مستفاد ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و فکری اور تجدیدی کارناموں پر آپ کے خلفاء کبار ڈاکٹر عبد الحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ جیسے بہت سے اہل علم و اہل قلم نے قابل قدر تصانیف کا ذخیرہ مرتب فرمایا ہے مگر مولانا تھانوی کی تصانیف اور تحریروں پر خصوصی طور پر طریقہ اصلاح کے مباحث پر علیحدہ سے تحقیقی کام نہیں ہوا تھا اس مقالہ میں اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے نیز اس مقالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مولانا تھانوی ہر طبقہ کے افراد کے مزاج اور نفسیات سے کس قدر باخبر تھے اور ان کا علاج کس حکمت اور مہارت کے ساتھ کرتے تھے جس کی وجہ سے نفسیات کے ماہرین نے مولانا کی ان

کی خدمات کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اپنے تحقیقی کام پر جدید جامعات سے Ph.D کی ڈگریاں حاصل کیں۔

بمصداق من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوسکتا) میں ان تمام اصحاب علم و دانش کا شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے یہ مقالہ تکمیل کے مراحل طے کر سکا اس سلسلہ میں استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر احمد القبانی قاسمی صاحب (صدر شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ) اور پروفیسر اللہ وسایو ماجد صاحب (ڈین سوشل سائنسز فیکلٹی وصدر شعبہ معاشیات جامعہ سندھ) کا خاص طور پر شکر گزار ہوں جن کی رہنمائی اور شفقت مجھے قدم قدم پر حاصل رہی۔ اس موقع پر میں اپنے استاذ محترم ڈاکٹر ابو الفتح محمد صغیر الدین صاحب مرحوم (سابق پروفیسر وصدر شعبہ تقابل ادیان وثقافت اسلامیہ) کا ذکر خیر کرتا ہوں جن کی تشویق و ترغیب سے میں اس تحقیقی کام کے لیے راغب ہوا۔ نیز حضرت مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی صاحب مدظلہم صاحبزادہ مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب (استاذ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور) نے میرے اس مقالہ میں عنوان وعظ کے ترجمہ میں میری بڑی مدد فرمائی۔ کاشف اقبال (محمد عبدالرحیم ناشر دار الکتب لاہور) کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے کہ انہوں نے اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ بالخصوص محترم المقام حضرت مولانا محمد ناظم اشرف صاحب دامت فیوضہم (مالک بیت العلوم لاہور) کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس مقالہ کو زیور طبع سے آراستہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

مقالہ میں اگر کوئی خوبی اور وجہِ تحسین ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے اور وہ درحقیقت تعریف و تحسین کے مستحق ہیں۔ خامی و کوتاہی کا تعلق اس ناکارہ سے ہے جو بہرحال محتاجِ ذرہ و اصلاح ہے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو حسنِ قبولیت عطا فرمائے اور اس کے نفع کو عام و تام فرمائے۔ آمین۔

سید ابرار علی

جمعۃ المبارک ۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

حیدرآباد سندھ

ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی

DR. M. NIZAMUDDIN SHAMZAI

JAMIAT UL ULOOM IL ISLAMIA

Ref ________ تاریخ

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے
خاص فضیلت عطا فرمائی تھی آپ نے تبلیغ و اصلاح کا جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا اور جس
اہم موضوعات پر تحقیقی تصانیف، مواعظ ملفوظات اور مکتوبات کا جو نادر الوجود ذخیرہ آپ
نے چھوڑا ہے اس کا یہاں تذکرہ کیا ہے۔ آپ کے سامنے کیا مسائل تھے آپ نے ان کا کیا
حل پیش فرمایا۔

آپ کے عہد میں جو علمی، فکری، تہذیبی اور سیاسی تحریکیں اٹھیں جو انقلابات آئے آپ
کے معاصرین نے ان کا کس طرح مقابلہ کیا۔ آپ کا ان کے بارے میں کیا ردعمل رہا۔
آپ کی تجدیدی مساعی اور طریقے کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے ان امور کا ایک مختصر جائزہ
پیش کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کی فکر مولانا تھانوی کا اہم ترین مشغلہ تھا یہ حسن
اتفاق ہے کہ ٹھیک چودھویں صدی ہجری کے آغاز یعنی ۱۳۰۱ھ سے آپ کا اصلاحی دور
شروع ہوتا ہے آپ کو دارالعلوم دیوبند سے وقت کے مقدس ترین اساتذہ کرام و مشائخ
مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا رشید احمد گنگوہی، صدر المدرسین اول
دارالعلوم مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور صدر المدرسین ثانی مولانا سید احمد دہلوی و شیخ
الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے علاوہ محدث ملا محمود اور مولانا عبد العلی رحمہ اللہ
کے ہاتھوں سے دستار فضیلت ملی ہے۔ آپ کو اپنے شیوخ کے سیاسی تحریکات کا گہرا
شعور تھا تحریک مجاہدین اور حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادوں کی فکری و سیاسی
کوششوں سے بہت متاثر تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ کے شیوخ نے عملاً
قیادت کی تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا فیض الحسن
سہارنپوری، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی سب شریک تھے۔

شاملی تھانہ بھون بھی ایک اہم مرکز تھا یہ مرکز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے رفقاء نے قائم کیا تھا۔ حاجی صاحب امام عبدالعزیز کی اصلاحی و انقلابی تحریک کے آخری امام تھے ۱؎

اس جنگ میں ابتداءً مجاہدین کو بڑی کامیابی ہوئی اور انہوں نے اسلامی حکومت کا اعلان کر دیا اس معرکہ میں حافظ محمد ضامنؒ جو حاجی صاحب کے خاص معتمد تھے شہید ہو گئے۔ سقوط دہلی کے بعد شاملی تھانہ بھون پر بھی انگریز قابض ہو گئے جماعت مجاہدین انتشار کا شکار ہو گئی۔ امیر المجاہدین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مجبوراً ہجرت کر کے ۱۸۵۹ء میں مکہ معظمہ چلے گئے ۲؎

مسلمانوں کا نئی راہیں تلاش کرنا

اس وقت ہندوستان کے مسلمان عام مایوسی اور پستی سے دوچار تھے۔ کسی سیاسی تنظیم کا قیام و عمل ممکنات میں سے نہ تھا پھر بھی علماء خاموش نہ بیٹھے حضرت شاہ عبدالعزیز کے جانشین اور نواسے شاہ محمد اسحاق کے شاگردوں نے اصلاح حال کی فکر کی جن میں شاہ عبدالغنی مجددی، مفتی عنایت احمد اور مولانا احمد علی سہارنپوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی مذہبی علمی تہذیبی اور معاشرتی اصلاح کا ایک جامع منصوبہ بنایا تاکہ علم کی روشنی سے جہالت کو دور کیا جا سکے اور پس ماندگی کو شعور اور بیداری میں تبدیل کیا جا سکے چنانچہ شاہ عبدالغنی کے شاگردوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی اور ان کے رفقاء دارالعلوم دیوبند کی تعمیر میں مشغول ہو گئے ۳؎

۱؎ شبلی خان [illegible] پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد ۱۹۸۵ء بحوالہ [illegible] ص ۳)

۲؎ ابو رشید [illegible] ص ۱۵ مکتبہ رشیدیہ [illegible] لاہور

۳؎ سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم ص ۴۲ [illegible] دیوبند یوپی

مقاصد قیام دیوبند

اس درسگاہ کا مقصد ایک طرف علم حدیث کی اشاعت اور مسلمانوں کو دینی اقدار پر قائم رکھنا تھا دوسرے جس قدر علماء تیار ہوں وہ مساجد اور مدارس کے نظام کو وسعت دیں چنانچہ بہت جلد اس کی شاخیں سہارنپور اور مرادآباد میں قائم ہو گئیں۔ اس ادارے کا نمایاں کارنامہ علمی تحریک کی توسیع اور مرکزی فکر کا تحفظ تھا۔ دوسری طرف عیسائی مبلغین اور ہندوؤں سے مناظروں اور مقابلوں کا دلائل و براہین کے ساتھ جواب دینا تھا۔[1]

شاہ عبدالغنی نے دہلی میں درس و تدریس اور نشر و اشاعت کا کام شروع کیا۔ ان کے شاگرد مفتی عنایت احمد کاکوروی نے کانپور میں مدرسہ فیض عام قائم کیا۔ ان کا ایک بہت ہی اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو زبان کو مذہبی اور اصلاح و تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور ان کے رفیق مولانا احمد علی سہارنپوری نے دہلی میں مطبع احمدی قائم کیا تاکہ مذہبی اور اصلاحی ادب کی عام نشر و اشاعت ہو سکے۔[2]

مصلحین کی تحریکیں

مفتی عنایت احمد کاکوروی اور ان کے رفقا نواب قطب الدین، احمد علی سہارنپوری کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی ایک تنظیم سیاسی اور اصلاحی انجمن کی داغ بیل ڈالی جس کا مقصد مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور ان میں بیداری پیدا کرنا تھا۔ یہ انجمن مسلمانان ہند کی سب سے پہلی باقاعدہ تنظیم تھی جس نے اجتماعی طور پر تنظیم و اصلاح کا کام شروع کیا۔[3]

---

۱ ڈاکٹر معین الدین عقیل: مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ص ۱۰۸-۱۰۹، مطبوعہ مکتبہ اسلوب کراچی
ادارہ مطبوعات ۱۹۸۷ء

۲ ایضاً مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ص ۱۷

۳ ایضاً (بعنوان علماء کی تعلیمی و سیاسی تحریکوں کا پس منظر) ص ۲

اسی عہد میں مسلمانوں میں علمی اور عملی اصلاح اور شعور پیدا کرنے کے لئے متعدد تحریکیں اٹھیں۔

① بنگال میں نواب عبداللطیف نے ۱۸۶۳ء میں محمڈن لٹریری سوسائٹی قائم کی اس کا مقصد اونچے اور متوسط طبقے کے مسلمانوں کو مغربی علوم اور انگریزی زبان کے مطالعہ پر آمادہ کرنا تھا تاکہ وہ خود اعتمادی کے ساتھ نئے ماحول میں زندہ رہ سکیں حکومت نے ملازمتوں کے لئے انگریزی تعلیم ضروری قرار دے دی تھی۔[1]

② کلکتہ ہی میں سید امیر علی نے بھی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک تنظیم سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی تھی یہ انجمن مسلمانوں کے سیاسی ومعاشی حقوق کے تحفظ کے لئے سرگرم رہی۔[2]

③ سرسید احمد خان نے ۱۸۸۶ء میں ایک تعلیمی اصلاحی و تعمیری انجمن مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے قائم کی تھی جس نے مسلمانوں میں اتحاد و تنظیم کے ایک موثر مرکزی ادارے کی حیثیت اختیار کر لی اس سے پہلے ۱۸۷۵ء میں سرسید نے جدید تعلیم کے لئے ایک درس گاہ قائم کی تھی جو بہت جلد کالج کے درجے تک پہنچ گئی تھی۔ سرسید مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کے خلاف مغربی تعلیم کے ہتھیاروں سے مسلح کرنے کے لئے کوشاں رہے وہ پہلے مسلم مفکر تھے جنہوں نے ہندوؤں کے عزائم کو سمجھا اور اپنی تحریروں سے دو قومی نظریے کی آبیاری کی اور کانگریس پر کھل کر تنقید کی۔[3]

سرسید کی تعلیمی سرگرمیاں اصلاحی بنیادی تھیں خود سرسید کی تعلیم و تربیت مدرسہ شاہ عبدالعزیز سے ہوئی جو حضرت مظہر جان جاناںؒ سے مستفیض تھے وہ مسلمانوں کو جدید

---

۱ ڈاکٹر معین الدین عقیل ۔ مسلمانوں کی جدوجہد آزادی (بعنوان مسلمان مصلحین کی تحریکیں ۱۸۵۷ء کے بعد) ص ۵۳

۲ ایضاً مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ص ۵۵

۳ ایچ بی خان برصغیر کی سیاست میں علماء کا کردار ص ۵۱

علوم میں بھی آگے دیکھنے پہ جب تھے۔ مگر مغربی طرزِ فکر سے سمجھوتہ کرنے میں متوارث اسلام سے دوری لازمی تھی اس طرح تہذیبی انتشار کے نتیجے میں مسلمانوں میں دو طبقے پیدا ہو گئے تھے۔ قدیم و جدید رجحانات نے ایک کو دوسرے سے دور کر دیا تھا بالغ نظر قائدین دونوں رجحانات کے فاصلے کم کرنے کی کوشش میں رہے۔

مولانا تھانویؒ کی عملی کوششوں کا آغاز

مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۳۰۱ھ میں دیوبند سے فراغت کے بعد مشائخ کے منصوبے اور ہدایت کے تحت کانپور آ گئے تھے اور اولوالعزم مجاہد جنگ آزادی مفتی عنایت احمد کاکوروی کے قائم کردہ مدرسہ فیض عام میں صدر مدرس کی حیثیت سے مشغول ہو گئے تھے۔[1]

۱۸۹۳ء مطابق ۱۳۱۰ھ میں مدرسہ فیض عام کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر علماء کی مجلس مشاورت نے علماء کی ایک مستقل انجمن قائم کرنے کا فیصلہ کیا مفتی عنایت احمد کا وجود سامی اس تحریک کا بانی تھا۔[2]

اس انجمن کا نام "ندوۃ العلماء" تجویز ہوا اور مولانا محمد علی مونگیریؒ کو اس کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا اس جلسہ میں حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ، مولانا شبلیؒ اور دوسرے ممتاز اہل علم شریک تھے۔ مقصد یہی تھا کہ علوم قدیم و جدید کی تعلیم بیک وقت مہیا کی جائے اور دینی اقدار کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔[3]

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے جو

۱۔ ایچ بی خان: برصغیر کی سیاست میں علماء کا کردار ص ۴۵

۲۔ ڈاکٹر [illegible] مترجم [illegible] پاکستان [illegible] کراچی ص ۴۸

۳۔ مولانا سید احمد اکبر آبادی: ندوۃ العلماء کی [illegible] مرتب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری: مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان ص ۳۵

۴۔ برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار ص ۴۹

خاکہ پیش کیا تھا۔ اس کا مسودہ بڑی تعداد میں ملک کے اہم اہل علم کو بھیجا گیا۔ مولانا تھانویؒ نے مفصل طور پر اپنی رائے دی اور لکھا کہ:

"مسودہ تعلیم کی تجاویز کامل تر اور مناسب ہیں ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر دار العلوم کا وجود ذہنی سے وجود خارجی میں آنا موجد الموجودات کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی مستبعد امر نہیں۔"

مولانا تھانویؒ نے اس بیان میں مسلمانوں کو اس کی تائید اور اعانت کی طرف توجہ بھی دلائی۔[1]

انگریزوں کی سرپرستی سے عیسائیت اور ہندی ثقافت کا فروغ

دہلی کا ایک کوتوال گنگا دھرم نہرو جو موتی لال نہرو کا والد تھا اس نے ۱۸۷۰ء میں دہلی میں اینگلو سنسکرت کالج قائم کیا جس کا ذریعہ تعلیم ہندی تھا اس کے بعد سے ہی اردو ہندی بحث چل پڑی اس سے پہلے مدارس میں ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ اس تحریک میں انگریزوں کا خفیہ ہاتھ تھا۔ اس سے دونوں طبقات میں بداعتمادی پھیلی اور یہی انگریزوں کی پالیسی تھی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ ۱۸۸۵ء میں بمبئی میں لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کے ایماء سے انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا کانگریس نے سیکولرازم، متحدہ قومیت اور حب الوطنی پر زور دیا۔ سرسید مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دیتے تھے اور انتخابات میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ نیابت کے حامی تھے اس طرح متحدہ قومیت کے کانگریسی نظریہ کے مخالف تھے اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کو نافع قرار نہیں دیتے تھے تاہم علماء کی ایک بڑی جماعت کانگریس کی تائید میں تھی۔

۱۸۸۶ء میں علماء لدھیانہ نے کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کے لئے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پھیلے ہوئے علماء سے فتوے حاصل کئے مولانا رشید احمد

---

1. محمد اکمل ندوی: پیام ندوۃ العلماء، مجلس نشریات اسلام، ۱۔ کے ۳ ناظم آباد مینشن، کراچی
2. فرحت ابی قاسمی: علماء دیوبند اور ہندوستانی سیاست، ص ۲۴۳، ناشر ادارہ تحقیقات ثقافت اسلامیہ

گنگوہیؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمود حسنؒ نے بھی کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کو جائز قرار دیا تھا۔

مگر مسئلہ کی پیچیدگی یہ تھی کہ مغربی پارٹی سسٹم جو کانگریس کا معمول تھا اس کے مطابق ہندوستان میں ہندو اکثریت کو زیادہ سیاسی حقوق کا مستحق قرار دیا جا رہا تھا اور برطانوی انتظامیہ ہندوؤں کو ان بنا پر زیادہ سیاسی حقوق دینا چاہتی تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کو مشتعل کرنے والی تحریکوں کی سرپرستی بھی جاری رکھی ہوئی تھی۔ ہندوؤں میں دیانند سرسوتی نے آریہ سماج اور تحفظ گاؤکشی کی مہم شروع کی شردھانند اور ڈاکٹر مونجے شدھی اور سنگھٹن اور راشٹریہ سیوک سنگھ جیسی تحریکیں وجود میں آئیں۔

تفرقہ کا ایک ذریعہ عیسائی مبلغین کا تھا جو باقاعدہ سکیم کے تحت کلیسا قائم کر رہے تھے سرکاری اسکولوں میں انجیل کی تعلیم نازل کی گئی، فوجیوں میں عیسائیت کی حوصلہ افزائی کی گئی اخباروں اور رسالوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر حملے شروع ہوئے اس وقت مسلم قائدین اور علماء نے بڑی جرأت سے عیسائیوں کا مقابلہ کیا سرسید نے "اسباب بغاوت ہند" میں مشنریوں کو بغاوت کا ذمہ دار قرار دیا مولانا چراغ علی مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے رد عیسائیت پر کتابیں لکھیں۔

دیوبند کے اکابرین شروع ہی سے مناظروں اور جلسوں کے ذریعہ رد عیسائیت کے لئے جہاد کر رہے تھے اس عہد میں مولانا تھانویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا عثمان فارقلیطؒ نے تحریک رد عیسائیت کی پرجوش قیادت کی اس مقصد کے لئے ایک انجمن اصلاح المسلمین کی تنظیم عمل میں آئی جس کے تحت باضابطہ مناظرے اور جلسے ہوتے اس طرح مسلمانوں میں عمومی بیداری پیدا ہوئی اور وہ مذہبی وثقافتی تحفظ کے ساتھ اپنے سیاسی حقوق کی طرف بھی توجہ دینے لگے۔[1]

---

[1] ڈاکٹر مسیح الدین عقیل مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ص ۹۱،۹۲

برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۸۹۲ء میں ہندوستانی کونسلوں کے لئے ایک آئین کی منظوری دی جس کے تحت ۱۸۹۳ء میں انتخابات ہوئے انتخابی حلقے مخلوط تھے اس میں مسلمانوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس وقت سرسید نے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابی حلقوں کی تجویز دی اور کانگریس سے دور رہنے کی تلقین کی۔ سرسید کی یہی کوششیں نظریہ مسلم قومیت اور مسلم لیگ کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنی ۔[1]

یہ وہ تاریخی پس منظر ہے جس نے مولانا تھانویؒ کو سیاست بے مہار کی سوچ وفکر سے علیحدہ رکھا اور اپنی پوری توجہ مسلمانوں کی معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کی طرف مبذول رکھی۔

۱۳۰۱ھ سے پندرہ سال تک کانپور میں درس وتدریس، تبلیغ وارشاد اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے اس کے بعد بمقتضائے جاذب الٰہیہ خالص اصلاح وارشاد کا داعیہ غالب آیا اور ۱۳۱۵ھ سے آپ کانپور کی ملازمت ترک کر کے تھانہ بھون تشریف لے آئے اور مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز ہو کر ایک عالم کو مستفیض فرمایا اور مجددانہ جذبے سے اصلاح معاشرے کے جتنے شعبے ہو سکتے ہیں ہر ہر شعبہ کے لئے اپنے مخصوص انداز سے خدمت انجام دی اس مقصد کے لئے پندرہ سال تک ملک کے تمام اہم شہروں کے دورے فرمائے اور اپنے مواعظ حسنہ سے مسلمانوں میں دین سے آگہی اور محبت پیدا کرنے کے لئے جہاد فرمایا اور سالکین کی تربیت فرمائی ۱۳۳۰ھ سے آپ ضعف وامراض اور بعض دوسرے اسباب کی وجہ سے تبلیغی اسفار کا سلسلہ ختم فرماتے ہیں اور یکسوئی کے ساتھ افاضہ باطنی، تربیت سالکین، خدمت خلق اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو جاتے ہیں۔[2]

---

[1] مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ص ۲۷۔۲۳

[2] مفتی محمد شفیع، مقدمہ حیات المسلمین ص ۸

اصلاح امت کی ہر ضرورت کے لئے صحیح ترین تدبیریں حق تعالیٰ نے آپ پر القا فرمائیں آپ کے مواعظ جو ۳۱ جلدوں میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کیں ہیں علوم و معارف کا ایسا عظیم ذخیرہ ہمیں کسی اور شخصیت کے پاس نہیں ملتا۔ قرآن حدیث عقائد تصوف اصول فقہ فلسفہ و حکمت منطق علم زاکلام اصلاحیات سیاسیات معاملات معاشرت اخلاقیات غرض دین کے ہر شعبہ میں آپ نے تحریری و تقریری کام سرانجام دیا۔ آپ کی تصنیفات کا شمار ایک ہزار سے متجاوز ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو طویل مہلت عمل دی تھی اس کے ایک ایک لمحے کو آپ نے عزیز ترین خدمت میں مصروف رکھا۔

خلافت کی تحریک کی ناکامیابی کے بعد ہندوستان کے مسلمان بڑے انتشار اور اضطراب میں مبتلا ہو گئے تھے علماء دیوبند و فرنگی محل نے ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند قائم کی تھی جس کا پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء زیر صدارت مولانا عبدالباری امرت سر میں ہوا جس میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا کفایت اللہ شریک تھے۔ یہ حضرات متحدہ قومیت اور کانگریس کے ذریعہ حصول آزادی کے حامی تھے۔[1]

مگر دوسری طرف بیسویں صدی کے اوائل میں ہی ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جس سے مسلم مفکرین کی خاصی بڑی تعداد "مسلم قومیت" کے نظریہ کی طرف راغب ہوگئی تھی اس نظریے کی اشاعت میں علامہ اقبالؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور پھر مولانا تھانویؒ کے رفقاء مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بہت نمایاں اقدامات انجام دیئے۔[2]

ہندوستان میں علیحدہ مسلم جمہوریہ کا فکر سب سے پہلے جمال الدین افغانی پیش کر چکے تھے اس کے بعد عبدالحلیم شرر خیری برادران اور عبدالقادر بلگرامی اس فکر کی آبیاری

---

1. سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی جمعیت علماء ہند کا قیام جلد پنجم حصہ اول ص ۱۹۸

2. مسلمانوں کی جدو جہد آزادی ص ۲۲۳

کرتے رہے ہے

۱۹۲۸ء میں مولانا تھانوی نے مسلم اکثریت والے صوبوں کو متحدہ ریاست کا روپ دینے کے لئے مسلم مفکرین کی رہنمائی فرمائی۔[1]

۱۹۳۰ء میں اسی فکر کو علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں پیش فرمایا جس کے بعد چودھری رحمت علی نے ۱۹۳۳ء میں اسی نظریے کو پاکستان کے نام سے پیش کیا۔[2]

اسی عہد میں مولانا تھانوی مسلمانوں کے ملی سطح پر انحطاط اور زوال کی وجہ سے بہت متفکر رہتے تھے ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے کمزور ہو جانے سے مغرب، روس، برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، یونان اور آسٹریلیا سب دنیائے اسلام پر ٹوٹ پڑے اور اپنی اپنی کوششوں کے مطابق انہیں تقسیم کرنے لگے۔[3]

ہندوستان میں بھی مسلمان رہنماؤں کو اپنا مستقبل مایوس کن اور بے کیف نظر آرہا تھا آزادی سے کچھ پہلے مسلمان مالی، تعلیمی، اقتصادی، تنظیمی غرض ہر اعتبار سے دیگر قوموں کے مقابلے میں پسماندہ تھے۔ ان حالات نے مولانا تھانوی کو بہت مضطرب کر رکھا تھا شب و روز یہ فکر رہتی تھی کہ اس کا علاج کیا ہو اور کس طرح ہو۔ بالآخر رحمت خداوندی نے دستگیری فرمائی ۲۰ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ کی نماز تہجد میں قلب مبارک پر وارد ہوا کہ بعض اعمال خاصہ ایسے ہیں جن کا التزام کرنے سے امت مسلمہ کے یہ مصائب دور ہو سکتے ہیں۔[4]

اسی طرح مولانا کی روح کو سکون ملا اور آپ اسی وقت یہ عزم فرماتے ہیں کہ

۱۔ مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ص ۲۹

۲۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نقوش و تاثرات (حکیم الامت) ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ مکتبہ علوم شرقیہ ۱۹۵۷ء
اپنے جوہر سے مسلمان ص ۲۳

۳۔ مسلمانوں کی جدوجہد آزادی ص ۱۳۰

۴۔ مسلمانوں کی جدوجہد آزادی (بحوالہ ماہنامہ اسلام جیسی صدی) ص ۹

۵۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی مقدمہ حیات المسلمین ص ۸

ان عملیاتِ خاصہ کو مرتب کیا جائے اور ان کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا جائے مولانا تھانوی نے انہیں اپنے مخصوص طریقے پر مرتب فرمایا اور اس پورے مجموعہ کو "حیاتِ المسلمین" کے عنوان سے شائع فرمایا۔ اس تصنیف کے بارے میں مولانا تھانوی خود فرماتے ہیں کہ اس کو میں اپنی عمر کی کمائی اور تمام عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔[1]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ نے اپنی آپ بیتی میں اپنی دلی تمنا ظاہر فرمائی ہے کہ "حیاتِ المسلمین" کی وسیع پیمانے پر اشاعت و تقسیم کا اہتمام کیا جائے۔[2]

مولانا تھانویؒ اور نظریہ پاکستان

مولانا تھانویؒ مسلم قومیت کی انفرادیت اور تہذیب و تمدن کی حفاظت کے بڑے حامی تھے اور متحدہ قومیت کے نظریہ کو مسلمانوں کے لیے نقصان کا باعث قرار دیتے تھے جس کی وجہ آپ کے اساتذہ دیوبند سے اختلاف کا سبب بنی اور آپ نے دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے استعفیٰ دے دیا۔[3]

مولانا تھانویؒ اور ان کے رفقاء نہ صرف کانگریس کی تمدنی اور تعلیمی اسکیموں کے خلاف تھے بلکہ کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کے اشتراک اور اتحاد کے بھی یکسر خلاف تھے۔ اس سلسلے میں مولانا نے جمعیت علماء ہند کے پاس ایک وفد بھیجا تھا مفتی کفایت اللہ صاحب نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ کانگریس کی عوامی رابطہ مہم اصولِ اسلامی قومیت اور تعلیمات کی تکمیل ہے۔[4]

آل انڈیا مسلم لیگ کے ۱۹۳۷ء کے اجلاس منعقدہ پٹنہ کے موقع پر مولانا تھانوی نے قائد اعظم محمد علی جناح کو اپنا تحریری پیغام ارسال کیا تھا ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء میں مولانا

1. حیات المسلمین، ص ۳۰۳
2. مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی، آپ بیتی، حصہ چہارم، ص ۲۵۳، طبع مکتبہ مدینہ لاہور
3. ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، علماء ان پالیٹکس، معارف لمیٹڈ کراچی، ص ۳۲۹
4. جمہوری سیاست میں علماء کا کردار، ص ۳۵۳

تھانویؒ نے مسٹر جناح کے پاس دینی امور پر بحث کے لئے اپنے معتقدین کو بھیجا تھا۔[1]

۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی صوبہ سندھ نے تحریک پاکستان کی قراردادیں پاس کی پھر یہی قرارداد پاکستان مسٹر اے کے فضل الحق نے مسٹر جناح کی صدارت میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس منعقدہ لاہور میں باتفاق منظور ہوئی۔[2]

۱۹۴۰ء کی اس قرارداد سے متعلق مولانا تھانویؒ نے اظہار فرمایا کہ

"انشاء اللہ فتح ہوگی اگر میں مزید زندہ رہتا تو تحریک پاکستان کے لئے خود کام کرتا۔"

اپریل ۱۹۴۳ء میں دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں مولانا تھانویؒ کو شرکت کی دعوت دی گئی جواباً آپ نے اپنی صحت کی وجہ سے شرکت سے معذرت کی مگر آپ نے اپنے دو رسالے حیات المسلمین اور صیانۃ المسلمین دونوں کو ارسال فرمایا اور انہیں مسلم لیگ کے دستور کی حیثیت سے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی تاکہ انہیں خطوط پر پاکستان میں مسلم معاشرہ کی تشکیل و اصلاح کی جائے۔[3]

احقر نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لئے "حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریقہ اصلاح" کو ہی اپنا موضوع بنایا آپ نے جس حکیمانہ اسلوب سے اپنے تجدیدی افکار اور اصلاحی نظریات کو پھیلایا اور عام کیا اس کی تمام شقیں ضبط تحریر میں آ چکی ہیں احقر کی کوشش یہ رہی ہے کہ اس موضوع سے متعلق بنیادی اصولوں کو مختصراً پیش کر دیا جائے دوسری طرف مولانا تھانویؒ کی تمام تصانیف، ملفوظات، مکتوبات اور خطبات و مواعظ کے سارے مطبوعہ ذخیرہ کی تفصیلی فہرست کو یکجا پیش کر دیا جائے تاکہ اس گرانقدر اصلاحی علمی تعلیمات و تحقیقات سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے احقر اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا ہے آنے والے صفحات کے مطالعہ سے اس کا جائزہ لیا جا سکے گا۔ وما توفیقی الا باللہ

سید ابرار علی

---

۱ ہند کی سیاست میں علماء کا کردار ص ۲۷۵

۲ ایضاً ص ۲۷۵

۳ مفتی محمد شفیع، مقدمہ تعارف کتاب حیات المسلمین مطبوعہ مجلس صیانۃ المسلمین جامعہ اشرفیہ لاہور ص ج

مقدمہ

تجدید ملت تو خیر، تجدید معاشرت ضرور ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

مسلمانوں کی اصطلاحی زبان کے جو الفاظ کثرت سے زبان پر رہتے ہیں ان میں سے ایک لفظ "مجدد" ہے۔ اس لفظ کا ایک مجمل مفہوم تو قریب قریب ہر شخص سمجھتا ہے یعنی یہ کہ جو شخص دین کو از سر نو تازہ کرے وہ مجدد ہے۔ لیکن اس کے تفصیلی مفہوم کی طرف بہت کم ذہن منتقل ہوتا ہے۔ کم لوگ جانتے ہیں کہ تجدید کی حقیقت کیا ہے۔ کس نوعیت کے کام کو تجدید سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کام کے کتنے شعبے ہیں۔ مکمل تجدید کا اطلاق کس کارنامے پر ہو سکتا ہے اور جزوی تجدید کیا ہوتی ہے۔

لیکن اس سے بھی پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے[1] اور دین مکمل ہو گیا ہے[2] تو پھر تجدید کی ضرورت کیوں ہے؟ اور اسلامی تاریخ میں کچھ حضرات کو مجدد کیوں کہا گیا۔ بعضوں نے خود دعویٰ کیا کہ وہ مجدد وقت ہیں[3] اور بعضوں نے مجدد ہونے کا دعویٰ تو نہیں کیا لیکن ان کی تحریروں سے اس بات کا اشارہ ضرور ملتا ہے[4]

---

1. لا نبی بعدی (محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، کتاب الرؤیا، باب ذهاب النبوة - مصطفیٰ البابی الحلبی، القاهرة، [illegible])
2. الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ: آیت ۳)
3. محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، [illegible] ۱۹۷۷ء
4. شاہ ولی اللہ، التفہیمات الالٰہیہ، تفہیم ۱۲۳-۱۲۵، اکادمی شاہ ولی اللہ حیدرآباد (سندھ) [illegible] ۱۹۶۷ء [illegible]

Dr. Fazal Muhammad A study of Shah Waliullah P.17 Maktaba Rashidia, Shah Alam Market, Lahore, 1972.

بنی نوع انسان پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات فرمائے ہیں ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی ہدایت کے لیے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، انسانی دُنیا کے آغاز سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب اور جس خطۂ زمین میں انسانوں پر گمراہی کا غلبہ ہوا اور انہیں آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی نبی ان میں بھیج کر ان کی رہنمائی اور دستگیری کی۔ لکل قوم ھاد۔[1]

اب سے کوئی چودہ سو سال پہلے جب نوعِ انسانی بہ حیثیت عمومی بلوغیت کے مقام کو پہنچ گئی تو حکمتِ الٰہی کے فیصلہ کے مطابق ایک کامل ہدایت اور ایسا مکمل دین پوری انسانی دُنیا کو عطا کیا گیا جو سب قوموں کے حسبِ حال ہو اور جس میں آئندہ کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہو اور اس خدائی فیصلہ کے مطابق محمد مصطفیٰ ﷺ کا اس عہدہ جلیلہ پر فائز کرنا ہے اور آپ ﷺ کے ذریعہ پیغامِ الٰہی میں ختمِ نبوت اور تکمیلِ دین کا اعلان کر دیا گیا۔[2]

چونکہ دینِ اسلام قیامت تک کے لئے اور دُنیا کی ساری قوموں کے لئے تھا اور مختلف انقلابات سے اس کو گذرنا اور دُنیا کی ساری قوموں ملتوں اور ان کی تہذیبوں سے اس کا واسطہ پڑنا ناگزیر تھا، ہر مزاج کے لوگوں کو اس میں آنا تھا اس لئے قدرتی طور پر یہ بھی ناگزیر تھا کہ جس طرح گزشتہ نبیوں کے ذریعہ لائی ہوئی آسمانی ہدایات میں طرح طرح کی تحریفیں اور آمیزش ہوئیں اور عقائد و اعمال کی بدعتوں نے ان میں جگہ پائی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اس آخری ہدایت و تعلیم میں بھی تحریف و تبدیلی کی کوششیں کی جائیں گی اور فاسد مزاج عناصر اس کو اپنے غلط خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کے لیے دینی حقائق کی غلط تاویلیں کریں گے اور سادہ لوح عوام ان کو قبول کر لیں گے اور اس طرح یہ اُمت بھی عقائد و اعمال کی بدعات میں مبتلا ہو جائے گی اس امر کے پیشِ نظر اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا۔

---

1. سورۃ الرعد: آیت ۷
2. لا نبی بعدی (سنن الترمذی، کتاب الرؤیا، باب ذھاب النبوۃ) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: ۳)

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ [1]

آیت میں دین کی حفاظت کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے یہ ایک اجمالی بیان ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں موجود نہ ہوں گے تو پھر اس کی حفاظت کس طرح ممکن ہو سکے گی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس دین حق کی حفاظت کے لیے ایک خاص انتظام ضروری تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس خاص انتظام کے طریقے کی وضاحت مندرجہ ذیل حدیث میں فرمائی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا [2]

بحمد اللہ یہ انتظام رہا ہے کہ ہر دور میں کچھ ایسے بندگان خدا پیدا ہوتے رہیں گے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی خاص فہم و بصیرت عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور غیر اسلام اور سنت و بدعت کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچ سکیں اور امت مسلمہ کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر دور میں اس امت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی موجود رہی ہے جنہوں نے دین کے تعلیم و تعلم اور حفاظت و خدمت ہی کو اپنا خاص مشغلہ اور وظیفہ بنا رکھا ہے اور اسلامی تعلیمات اپنی روح کے ساتھ آج بھی موجود ہے اور آئندہ بھی رہیں گی، اس لیے کہ خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اور اس کے لیے ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہا ہے جن میں سے بعض کی ہمہ گیر خدمات کی بنا پر اس حدیث کے الفاظ میں مجدد سے نوازا گیا ہے۔

مجدد: اس کا مادہ ج د د ہے۔ تجدید اور اس سے مشتقات مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔[3]

---

1. سورۃ الحجر آیت ۹
2. سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم (۵) باب ما یذکر فی قرن المائۃ رقم ۴۲۹۱، ... بیروت ۱۴۰۸ھ۔ یہ حدیث ان کتابوں میں مذکور ہے اس کی تفصیل الشیخ اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی (۱۱۶۲ھ) کی کتاب "کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس" جلد اول ص ۲۴۳-۲۴۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۸ء / ۱۴۰۸ھ میں ملاحظہ ہو۔
3. ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، قاہرہ ۱۳۰۰ھ (مادہ ج د د) جلد ۴ ص ۸۲؛ بطرس البستانی، محیط المحیط جلد اول ص ۲۱۸ بحث جدد۔

مشتقات میں جب اس کا استعمال ہوتا ہے تو اس کے مختلف معنوں میں ایک کا معنی "از سر نو کرنا" (از سر نو کنندہ و کارے را)[1] کے ہیں۔ مثلاً جدد الوضوء یا جدد العھد یعنی از سر نو وضو کیا یا از سر نو عہد کیا[2] اس طرح مجدد کے معنی ہوئے کسی کام کو نئے سرے سے کرنے والا۔ تجدید کا اصطلاحی معنی یہ ہے۔

التجدید احیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنة والامر بمقتضاھا وامانة البدع والمحدثات و اھلھا باللسان او تصنیف الکتب او التدریس او غیر ذلك[3]

تجدید (دین) سے مراد کتاب وسنت کے عمل کو جو مرور زمانہ سے مندرس ہو کر مٹ چکا ہو از سر نو زندہ کرنا، بدعات اور محدثات کو ختم کرنا اور زبان سے بدعت اور محدثات کو رائج کرنے والوں کا خاتمہ تصنیف کتب یا تدریسی عمل وغیرہ کے ذریعہ ان کا روکنا۔

اس طرح سے مجدد کے اصطلاحی معنی ہوں گے:

دراصطلاح علماء دین یکی از اکابر دینی و مذہبی ہر قرن را گویند کہ درآں قرن بعضی از رسوم و آداب دینی و مذہبی را کہ بجہت کثرت انس وعادت از اہمیت و رونق افتادہ باشد تجدید کند[5]

علماء دین کی اصطلاح میں ہر قرن کے دینی اور مذہبی اکابر میں اس کو (مجدد) کہتے ہیں جو اس قرن میں بعض رسوم وآداب دینی کو جن کی اہمیت اور رونق معدوم ہو چکی ہوتی ہے، اس کی تجدید کرے۔

---

[1] علی اکبر دہخدا، لغت نامہ دہخدا، شمارہ ۲۰۹، ص ۳۲۰، طبع اول، تہران، ۱۳۵۳ھ

[2] لسان العرب، بیروت، لبنان (ت ن) مرجع سابق، مجید الحمید، مرجع سابق

[3] عبدالرؤف المناوی، فیض القدیر، شرح الجامع الصغیر، جلد ۲، ص ۲۸۱-۲۸۲، المکتبۃ التجارۃ الکبری مصر، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء

[4] عبیداللہ المبارکپوری، المرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج اول، ص ۳۳۰، مطبوعہ مکتبہ السلفیہ، سرگودھا پاکستان (ت ن)

[5] لغت نامہ، مرجع سابق

مجدد کے ہونے سے متعلق صرف ایک ہی حدیث ملتی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا ۔[1]

اس روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ مجدد خاندانِ رسالت سے ہوگا۔ لیکن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مجدد پر جو مقالہ ہے اس کے مطابق "مجدد" خاندانِ رسالت سے ہوگا۔ اس کی عبارت یوں ہے۔

"In his al - Mughni (Brockman, II 65, S1 749,9) Zain al Din al - Iraqi (d 806/1404) quotes a Tradition according to which the Prophet [Peace Be upon Him] had said that at the bigining of each century, God will send a man, <u>a descendent of his family</u> who will explain the matters of religion "[2]

زین الدین العراقی کی کتاب "المغنی" (المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار لما فی الاحیاء من الاخبار) جس کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے وہ امام غزالی کی "احیاء العلوم" کے ساتھ شائع ہوئی ہے، لیکن اس مطبوعہ نسخہ میں یہ حدیث مذکور نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ "المغنی" کے کسی مخطوطہ میں یہ حدیث پائی جاتی ہو۔ جس کے نسخے مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔[3] بہر حال "المغنی" کا کوئی مخطوطہ مل سکا اور نہ ہی وہ نسخہ جو حیدر آباد دکن سے سن ۱۲۴۸ھ میں شائع ہوا ہے۔[4]

---

[1] سنن ابو داؤد، کتاب الملاحم، حدیث رقم ۴۲۹۱

[2] (1) E.I. P. 290, 1993, New edition, Vol: vii,

[3] بروکلمان S1 749, 19

Karl Brockelman, Geschishte der Arabischen literature, 1935

[4] نفس مصدر

فیض القدیر میں مذکورہ حدیث کی تشریح کے سلسلے میں ایک روایت اس طرح کی ہے:

"في حديث لابي داؤد المجدد من اهل البيت اي لان آل محمد صلى الله عليه وسلم كل نقي"

ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ مجدد اہل بیت سے ہوگا اس لیے کہ آل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب پاکباز ہیں۔[1]

اس قول کے لیے ابوداؤد اور المستدرک للحاکم کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن نہ تو یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور نہ ہی المستدرک میں۔

ابوداؤد کی شرح عون المعبود میں مذکورہ حدیث کے تحت بحث میں ایک جملہ مذکور ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

"ان الله يمن على اهل دينه في راس كل مائة سنة برجل من اهل بيتي يبين لهم امر دينهم"[2]

یہ حدیث بھی کہیں مذکور نہیں ہے، اس کے علاوہ جو امر قابل ذکر ہے وہ ابن حنبل ہی کا قول ہے جو اس حدیث کے بعد ہے۔

واني نظرت في مائة سنة فاذا هو رجل في آل رسول وهو عمر بن عبدالعزيز و في راس المائة الثانية فاذا هو محمد بن ادريس الشافعي

یہ معیار بھی محل نظر ہے، اس لیے کہ عمر بن عبدالعزیز "اہل بیت" میں سے نہیں ہیں۔[3]

مختصر یہ کہ تجدید دین کے سلسلے میں جو حدیث بطور شہادت پیش کی جاتی ہے اور تمام کتابوں میں جو حدیث ملتی ہے اور مجدد کی ضرورت کو ظاہر کرتی ہے وہ یہی حدیث ہے اور اس

---

1. فیض القدیر ۲/۳۸۲ حدیث ۱۸۴۵
2. شمس الحق العظیم آبادی، عون المعبود، کتاب الملاحم حدیث ۴۲۹۱، ج ۱۱، ص ۲۶۰، دار الفکر بیروت ۱۹۹۵ء / ۱۴۱۵ھ
3. نفس مصدر

طرح اس حدیث کی تشریح یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے حامل وامین ومحافظ ہوں گے۔ وہ اہل افراط وتفریط کے ذریعہ تحریفات وبدعات سے دین کو محفوظ رکھیں گے اور اس کو اس کی بالکل اصل شکل میں (جس میں وہ ابتداء میں خود نبی کریم ﷺ کے ذریعے آیا تھا) اُمت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے اور اس میں نئی روح پھونکتے رہیں گے، اس کام کا اصطلاحی عنوان تجدید دین ہے اور اللہ تعالیٰ جن بندوں سے یہ کام لے وہی مجدد ہے۔

حدیث یہ ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا[1]	بیشک اللہ تعالیٰ میری اُمت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے کو پیدا کرے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو تازہ کرے گا۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ:

1. مجدد کون ہو سکتا ہے۔
2. کیا مجدد کا شروع صدی میں آنا ضروری ہے یا وسط اور آخر میں بھی۔
3. کیا ایک وقت میں ایک ہی مجدد ہو سکتا ہے یا متعدد بھی۔
4. کیا کوئی شخص خود یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ مجدد ہے۔

مجدد کے کام کی نوعیت کے پیش نظر اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مجدد کون ہو سکتا ہے، مجددین کے کارنامہ کی تشریح جو اوپر دی گئی ہے اس کے مطابق مجدد وہی ہو سکتا ہے جو علوم دینیہ کے ظاہر وباطن سے آگاہ ہو۔

المجدد لا یکون الا عالما بالعلوم الدینیة الظاهرة والباطنة[2]

اس کی تدریس وتالیف وتذکیر سے عام فائدہ ہو سنن کے قائم رکھنے اور بدعات کے مٹانے میں کوشاں ہو اور اس کے علم کی عالم میں شہرت ہوئی ہو۔

---

[1] ...
[2] فیض القدیر: جلد ۱، ص ۱۴۲

اذا المجدد للدین لابد ان یکون عالما بالعلوم الدینیۃ الظاہرۃ

والباطنۃ ناصرا للسنۃ قامعا للبدعۃ وان یعم علمہ اہل زمانہ[1]

اور اگر ان چیزوں کا حامل نہ ہو تو وہ مجدد نہیں ہو سکتا یعنی اگر اس کے علم کی شہرت ہوئی ہو لیکن ان صفات مذکورہ سے عاری ہو (مراد ہے ایسے علم کی شہرت جو مثلاً علم نجوم، ہیئت، طب وغیرہ سے متعلق ہو) تو اس کو مجدد نہیں کہا جائے گا۔

ومن لایکون کذلک لایکون مجدد السنۃ وان کان

عالما بالعلوم مشہورا بین الناس مرجعا لہم[2]

صدی کا تعین

حدیث میں آیا ہے "علی راس کل مائۃ سنۃ" یعنی ہر صدی کے سرے پر "صدی کے سرے" کے معنی میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد ابتدائے صدی ہے یا انتہائے صدی۔ اس اختلاف کی وجہ "راس" ہے جس کے معنی سر (انتہا) کے ہیں۔[3]

فریقین نے اپنے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[4] اور اسی کے ساتھ ساتھ لوگوں نے "صدی" سے مراد یہی معروف صدی لی ہے جو آج رائج ہے۔ لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ صدی کا جو استعمال رائج ہے اس کا استعمال حضرت عمرؓ کے زمانہ سے شروع ہوا ہے۔[5]

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تو یہ نظام (یعنی صدی کا شمار) تھا ہی نہیں اور نہ اس وقت تک یہ اصطلاح وضع ہوئی تھی۔ اس لیے حدیث کے لفظ "کل مائۃ سنۃ" سے مروجہ ہجری

1. عون المعبود ص ۱۱۳؛ [illegible] مجموع الفتاوی، کتاب [illegible] مطبوعہ [illegible] ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۲ھ
2. عون المعبود، ص ۳۹۲
3. [illegible] مرتضیٰ الحسینی الزبیدی، تاج العروس [illegible]
4. عون المعبود ص ۳۸۹ – ۳۹۰ [illegible]
   [illegible] (مترجم)
5. تفصیل کے لیے دیکھئے "الفاروق" شبلی نعمانی ص ۲۵۸ مطبوعہ [illegible] کراچی ۱۹۵۸ء

صدی مراد لینا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب "کل قرن" ہوگا اور اس بنا پر حدیث کا "مئة" سے مرادی معنی یہ بس یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن اور ہر دور میں اس امت مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لیے دین کی تجدید کرتے رہیں گے اور ماحول و زمانے کی آلائشوں اور آمیزشوں سے اس کو صاف کرتے اور نکھارتے رہیں گے اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑاتے رہیں گے۔[1] ملا علی القاری نے اس نکتہ کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

علی راس کل مائة سنة ای انتهاؤه او ابتداؤه اذا قل العلم والسنة وکثر الجهل والبدعة[2]	یعنی (مراد) صدی کی ابتداء ہے یا انتہا جب علم (دین) اور (سنت نبوی) کم ہو جائے اور جہل و بدعت کی کثرت ہو جائے

شاہ ولی اللہ نے حدیث مذکور کی بحث میں اس بات کا تو کوئی ذکر نہیں کیا ہے کہ "صدی" سے کیا مراد ہے یعنی صدی کی ابتدا یا انتہا لیکن اس حدیث کے ارشاد کے مقصد و منشاء اور اس کی حقیقت پر ضرور روشنی ڈالی ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں حدیث "یبعث الله لهذه الامة" کی تفسیر و تشریح خود آنحضرت ﷺ نے دوسری حدیث میں کر دی ہے اور وہ یہ ہے:

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاهلین"[3]	اس علم کو ہر خلف یا بعد کے عادل لوگ اٹھا لیں گے جو اس کو غالی لوگوں کی تحریف و آمیزش سے اور باطل پرست جھوٹوں کی بہتان بندیوں اور جاہلوں کی تاویلوں سے پاک کرتے رہیں گے۔[4]

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۶۔ Shorter E.I. P.139. South Asian. 1981 Publisher

[2] مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۳۲۰ حدیث ۲۴۹

[3] شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۱۳۹ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۲ھ

[4] اسماعیل گودھروی برہان الٰہی (اردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ) ص ۲۵۹ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع اول (ت ن)

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس ارشاد سے امت کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ یہ دین کبھی محرف نہیں ہوگا اور نہ مرور زمانہ سے یہ بوسیدہ ہوگا اور نہ زمانہ کے انقلابات اس کی حقیقت کو بدل سکیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی بقاء اور حفاظت وتجدید کا انتظام برابر کرتا رہے گا اور ہر دور، ہر قرن میں ایسے بندے پیدا ہوتے رہیں گے جو رسوم و بدعات اور فسادات کی کھچڑی کو دور کر کے اصل دین کو ظاہر کرتے رہیں گے۔[1]

مجدد کی تعداد

ایک جماعت جو "رأس المائۃ" سے "صدی" مراد لیتی ہے اس کا کہنا ہے کہ ہر صدی (مروجہ صدی) کے ابتدائی حصہ میں مجدد پیدا ہوگا اور اس کا مجددانہ کام کا ہونا ابتدائے (آئندہ) صدی میں ظاہر ہوگا۔ السیوطی نے اسی بات کو اپنے مندرجہ ذیل ابیات میں بیان کیا ہے:

والشرط فی ذلك ان یمضی المائة وهو علیٰ حیاته بین الفئة
یشار بالعلم الیٰ مقامه وینشر السنة فی کلامه[2]

اسی طرح ابن اثیر کے حوالے سے مرقاۃ الصعود میں ہے:

انما المراد بالذکر من انقضت المائة وهو حی عالم مشهور مشار الیه

"وہ لوگ مقصود ہیں جو صدی کے ختم ہونے کے بعد بھی زندہ عالم مشہور مشار الیہ ہوں"۔[3]

دوسرے گروہ کی بنیاد بھی وہی حدیث کے الفاظ "رأس المائۃ" ہے لیکن ان کے نزدیک "رأس المائۃ" سے "قرن" (زمانہ ہے) اس لیے "کل مائۃ سنۃ" سے صدی کا کوئی

---

1. عبدالباری ندوی: جامع المجددین، ص ۴۳، مطبوعہ مکتبہ تجدید دین پارک روڈ لکھنؤ ۱۳ ۔ ۱۹۵۵ء، تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۱۰
2. عون المعبود، ص ۳۹۶
3. مجموع الفتاویٰ: جلد اول، کتاب العلم، ص ۱۱۷۔ اس طرح اب تک صرف ۱۲-۱۵ مجدد ہو سکے ہیں اور ایسا ہی کتابوں میں مذکور بھی ہے، جس کا بیان آگے ہے۔

متعین نظام مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ مروجہ سنہ ہجری تو اس وقت وضع ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ایک وقت میں کئی مجدد ہو سکتے ہیں جو دین کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک یا چند میں تجدیدات کا کام انجام دے رہے ہو سکتے ہیں۔ مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

ان المراد من یجدد لیس شخصاً واحداً بل المراد به جماعة یجدد کل احد فی بلد فی فن او فنون من العلوم الشرعیة ما تیسر له من الامور التقریریة او التحریریة [1]

اصل حقیقت وہی ہے جس کا ذکر شاہ ولی اللہ کی تحریر سے ظاہر ہے اور اس کی مزید تائید نواب صدیق حسن صاحب کے قول سے ہوتی ہے۔

"راس مائۃ" سے مراد خاص صدی کا آغاز نہیں ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں مجدد کھڑے کرے گا خواہ شروع میں خواہ درمیان میں خواہ آخر میں اور راس کی قید محض اتفاقی ہے جیسے کہ عربی میں "علی رؤس الاشہاد" یا فارسی اور اردو میں بر سر منبر، بر سر مجلس۔

غرض حدیث کی صرف یہ ہے کہ کوئی صدی کسی مجدد کے وجود سے خالی نہ ہوگی اور ہر صدی کے اوائل، اواسط یا اواخر میں ایسے اشخاص کا ہونا جن کا کام تجدیدات معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس احتمال کی تائید کرتا ہے کہ مجدد صدی کے کسی حصے میں پیدا ہو سکتا ہے۔ [3]

یہ صحیح ہے کہ کسی کو مجدد ماننا ایمان کا جزو نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص دین اسلام کی خدمت اس طرح کرے جس کا حدیث میں اشارہ ہے اس کی خدمت کا عدم اعتراف جہالت کے مترادف ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ مجدد کا صدی کے آخر میں پیدا ہونا ضروری ہے تو اس بنا پر برصغیر پاک و ہند کے حوالے سے کم از کم شاہ ولی اللہ کا نام

---

[1] علی بن سلطان محمد القاری، المرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، ص ۲۰۳، مکتبہ امدادیہ ملتان (پاکستان)

[2] تجدیدات الہالہ مرجع سابق

[3] تذکرہ مجددین ملت، ص ۷، بحوالہ حج الکرامہ از نواب صدیق حسن خان ص ۱۳۳

بارہویں صدی کے مجددین سے خارج کرنا ہوگا اس لیے کہ آپ کی پیدائش سنہ ۱۱۱۴ھ میں ہوئی اور انتقال ۱۱۷۶ھ میں ہوا۔ ان کو مجدد مانیں یا نہ مانیں لیکن کیا ان کے کارناموں کا انکار ممکن ہے جو انہوں نے مذکورہ حدیث کے مصداق کے مطابق انجام دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صدی کے ہر حصہ میں تجدیدی کام ہوتا رہتا ہے لیکن منشاء خداوندی کے مطابق کوئی خاص بندہ بڑا تجدیدی کارنامہ انجام دیتا ہے۔ اس کے ذریعے بہت سے شعبوں کی تجدید ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے اس کو صدی کا مجدد کہا جاتا ہے۔

ملا علی القاری، جن کو خود دسویں صدی ہجری کا مجدد کہا جاتا ہے[۱] نے کہا ہے کہ حدیث مذکورہ کی تاویلوں کا نتیجہ ہے کہ ہر مکتب فکر نے اس فہرست میں ان اشخاص کا نام شامل کیا ہے جو ان کے مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ السیوطی نے جو شافعی المذہب تھے انہوں نے مجددین کی جو فہرست پیش کی ہے اس میں تقریباً سب کے سب شافعی المذہب تھے[۲]۔ محدثین نے جن کو مجددین میں شمار کیا ہے وہ سب کے سب اہل حدیث ہیں[۳] اور تیرہویں صدی کا مجدد میاں نذیر حسین کو شمار کیا ہے[۴]۔ برصغیر پاک و ہند کے سلسلے میں بریلوی مکتب فکر نے جو فہرست مہیا کی ہے اس میں چودہویں صدی کے مجدد مولانا امام احمد رضا خان بریلوی کو شمار کیا ہے[۵]۔

---

۱ عبدالحلیم چشتی: المهند المجرد لمن یطالع المرقاۃ فی شرح المشکوۃ، جلد اول، ص ۳۰-۳۴، بحوالہ الفوائد البہیہ مع التعلیقات السنیہ (محمد بن عبدالحی اللکھنوی)، دار المعرفۃ، بیروت، بدون تاریخ)

۲ المهند المجرد، نفس مصدر، جامع المجددین، ص ۲۵

۳ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۳۹۵

۴ نفس مصدر

۵ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی: العطایا الاحمدیہ، ص ۲۸۹-۲۹۳، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۸ء

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تمام فہرستوں میں امام ابن تیمیہ کا نام شامل نہیں ہے اور دوسری طرف بریلوی مکتب فکر میں بارہویں صدی کا مجدد اورنگ زیب کو قرار دیا گیا ہے اور شاہ ولی اللہ کا نام نہیں ہے لیکن تیرہویں صدی کا مجدد شاہ عبدالعزیز کو شمار کیا گیا ہے۔

مجددیت کا دعویٰ

شیخ الاسلام بدر الدین اہدل نے کہا ہے کہ:

"مجدد وہ ہے جو اپنے معاصرین میں غالب الظن ہو، احوال کے قرائن اور علوم کے منافع کے لحاظ سے"[1]

عون المعبود میں ہے:

"ولا يعلم ذالك المجدد الا بغلبة الظن ممن عاصره من العلماء بقرائن احواله والانتفاع بعلمه"[2]

مجدد کی سب سے بڑی پہچان اس کے کارنامے ہیں، حمایت دین اور اقامت سنت اور ازالہ بدعت میں اس کی خاص شان ہوتی ہے۔ غیر معمولی کوشش اس سے ظہور میں آتی ہے اور اس کی کوشش کا غیر معمولی نتیجہ یعنی توقع سے بہت زیادہ نکلتا ہے۔

اس طرح مجدد کے لقب سے اس کو معاصرین نوازتے ہیں اور اصولی طور پر کسی کا مجدد ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ کوئی شخص خود کو اپنے تئیں مجدد کہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعضوں نے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔[3]

کہا یہ جاتا ہے کہ مجدد الف ثانیؒ کو سب سے پہلے ملا عبد الحکیم سیالکوٹی (جو شاہجہاں کے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے) نے مجدد سے ملقب کیا[4] لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجدد الف ثانیؒ کو علی وجہ الکمال اپنے مجدد ہونے کا علم تھا، چنانچہ لکھتے ہیں:

"... کہ بعد از تجدید الف ثانی چہ معین و وراثت تازہ گشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ صاحب این علوم و معارف مجدد این الف است . و ہذا تذکرہ بر سر بر آمدہ

---

1. مجموع الفتاویٰ ص ۱۱۴ - ۱۱۸
2. عون المعبود ص ۳۹۳
3. ایضاً ص ۳۹۳، نیز فیض القدیر ج ۱ ص ۲۸۲، سیوطی نے جو فہرست (نظم میں) دی ہے اس میں خود کو مجدد کہا ہے: وهذا تاسع المئين قد اتى ولقد رجوت انني المجدد فيها ففضل الله ليس يجحد
4. جامع المجددین ص ۲۰۹، تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۳۳

مجددے گزشتہ است اما مجدد مائتہ دیگر است و مجدد الف دیگر .....[1]

کچھ لوگوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ نے التفہیمات الالٰہیہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔[2] کچھ اسی طرح کا حال مولانا اشرف علی تھانوی کا ہے جنہوں نے کبھی یہ کہا:

"احتمال تو مجھ کو بھی ہے، مگر اس سے زیادہ نہیں، جزم اوروں کو بھی نہ کرنا چاہیے، ظن کے درجے میں گنجائش ہے، باقی قطعی یقین تو کسی مجدد کا نہیں ہوا .....[3]"

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

"مجدد ملت تو خیر، مجدد معاشرت ضرور ہوں"[4]

برصغیر پاک و ہند کا تجدیدی کارناموں میں حصہ

برصغیر پاک و ہند کا خطہ ابتداء سے ہی اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا۔ اس خطہ میں ایسے ایسے نابغہ روزگار پیدا ہوئے کہ خود عربوں کو بھی ان کی علمی خدمات کا بھرپور اعتراف کرنا پڑا[5] یہ صرف شاہ ولی اللہ (بارہویں صدی) ہی نہیں ہیں جن کے متعلق خود شاہ ولی اللہ محدث

---

1. شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی "مکتوبات ربانی" مکتوب نمبر ۴، دفتر دوم، حصہ ششم، ص ۲۰، روف اکیڈمی فیلڈ اردو بازار لاہور
2. التفہیمات الالٰہیہ، ج دوم، تفہیم ۱۳۳-۱۳۵، ص ۱۵۹-۱۶۰
   Dr. Fazal Muhammed, A Study of Shah waliullah. P.17
   بحوالہ فیوض الحرمین، ص ۱۲۷
3. اشرف علی تھانوی "الافاضات الیومیہ" ج ۳، ص ۴۵۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، محمد الیاس فاروق ندوی، جامع المجددین، ص ۴۹
4. خواجہ عزیز الحسن مجذوب، اشرف السوانح، ج ۳، ص ۲۰، سلطانیہ برقی پریس لکھنؤ ۱۳۵۹ھ، مفتی عبد الرحمن خان، سیرت اشرف، ج اول، ص ۳۲۵، شیخ اکیڈمی علی روڈ لاہور فروری ۱۹۷۰ء
5. "ولولا عنایۃ اخواننا علماء الہند لعلوم الحدیث ..... حتی بلغت منتہی الضعف فی اوائل ھذا القرآن الرابع عشر ....."
   اگر مرے بھائیوں علماء ہندوستان نے اس زمانہ میں علوم حدیث کے ساتھ سابقہ اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا اس لیے کہ مصر، شام، عراق و حجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان میں ضعف پیدا ہو گیا تھا جو اس چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ ==

کیفیت خود السبکی کے الفاظ میں "...... کسی پہلو پر جب تقریر شروع کرتے تو کچھ اس طرح بیان کرتے کہ جتنے شبہات یا اعتراضات کا امکان ہو سکتا تھا، اپنی تقریر ہی میں اس کی طرف اشارہ کر جاتے تھے۔ حتیٰ کہ جب تقریر ختم ہوتی تھی تو اعتراض کرنے والوں کے لیے اس کا جواب سخت ہو جاتا تھا۔" اور اس کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کا جو حال تھا وہ السبکی کے الفاظ میں "...... ابن تیمیہؒ نے جلد بازی سے کام لینا شروع کیا جیسا کہ ان کی عادت ہے اور ایک بات کو چھوڑ کر دوسری طرف نکل گئے (یہ کیفیت ان پر طاری ہو گئی)" اور ابن تیمیہؒ کی اس حالت پر السبکی کے الفاظ میں شیخ صفی الدین نے جو ریمارکس دیے ہیں وہ یہ ہیں۔ "
اے ابن تیمیہؒ! میں نہیں پا رہا ہوں۔ لیکن اس چڑیا کی طرح جو ادھر سے پھدک کر اُدھر جاتی ہے اور اُدھر سے اِدھر" اور اس طرح مناظرہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو قید کر دیا گیا۔[1]

اس سے بہر حال مقصود علامہ ابن تیمیہؒ کی عظمت علمی کا انکار نہیں بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ ایک ہندوستانی عالم کی کیا علمی شان تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم" مؤلفہ مناظر احسن گیلانی، ص ۲۷۳-۲۷۶

بہر حال تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ گیارہویں صدی ہجری سے دینی قطبیت کا مرکز دوسرے اسلامی ملکوں سے برصغیر پاک و ہند منتقل ہو گیا۔ کیونکہ ان صدیوں میں جو ہستیاں اس خطہ میں نمایاں ہوئیں ان کی مثال دوسرے ملکوں میں نہیں ملتی، مثلاً:

گیارہویں صدی کے آغاز میں شیخ احمد سرہندیؒ (۹۷۱ھ-۱۰۳۴ھ)

بارھویں صدی کے وسط میں شاہ ولی اللہؒ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ)

تیرھویں صدی کے وسط میں شاہ عبدالعزیزؒ (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ)

سید احمد بریلوی شہیدؒ وغیرہ ...... اور (۱۲۰۱ھ-۱۲۴۶ھ)

چودھویں صدی کے مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰ھ-۱۳۶۲ھ)

[1] مناظر احسن گیلانی: پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۲۷۳ اور مابعد مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (ت ط ندارد)

جو بقول خود "مجددِ ملت تو نہیں مجددِ معاشرت ضرور ہوں" کا علمی و دینی سرمایہ مجددانہ شان کا حامل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس عرصہ میں برصغیر پاک و ہند میں بعض دیگر شخصیات بھی پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی شعبہ میں تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے لیکن تاریخ میں مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ ان میں بہت نمایاں ہیں۔ ان حضرات کے طریقہ تجدید کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کارناموں کا جائزہ لینا ہے تاکہ ان کے دعویٰ مجددیت "مجددِ معاشرت ضرور ہوں" کی وضاحت ہو سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کس طرح اپنے دو پیشروں کے مشابہ ہیں یا کام کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ جبکہ ان تینوں میں دعویٰ مجددیت کسی نہ کسی طرح امر مشترک ہے۔

مجدد الف ثانیؒ (۹۷۱ھ–۱۰۳۴ھ) کا زمانہ وہ ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت عروج پر ہے[1]۔ شاہ ولی اللہؒ کا زمانہ وہ ہے جب اسی حکومت کا تسلسل ہے جس میں مجدد الف ثانیؒ نے کام کیا۔ لیکن سلطنت روبہ انحطاط ہے اور زوالِ حکومت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔

ان دونوں حضرات کے تجدیدی کارناموں کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات قدر مشترک نظر آئے گی کہ معاشرہ کی اصلاح کے لیے دیگر طریقہ کار کے علاوہ جن کی طرف توجہ دی وہ یہ ہے کہ امرائے سلطنت کی اصلاح کی جائے۔ اس لیے کہ "الناس علی دین ملوکھم" کے مصداق امراء ہی کی پیروی عام لوگ کرتے ہیں۔ اگر اس طبقہ کی اصلاح ہو جائے تو عامۃ الناس بھی اس کی پیروی کرنے لگیں گے اور جو خرابیاں مسلم معاشرہ میں راہ پا گئی ہیں ان کا استیصال ہو سکتا ہے۔

مجدد الف ثانیؒ نے جن امرائے سلطنت کو مخاطب کیا وہ تاریخی حقیقت ہیں۔ ان تمام خطوط میں مجدد الف ثانیؒ نے ان کے جذبہ ایمانی کو ابھارا اور اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ان

۱۔ اکبر کا دور (۹۶۳ھ–۱۰۱۴ھ) جہانگیر کا دور (۱۰۱۴ھ–۱۰۳۶ھ)

تعلقات کی بناء پر جو وہ شاہی دربار سے رکھتے ہیں بادشاہ وقت (جہانگیر) کے ممد ومعاون بنیں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تقویت کا راستہ دکھائیں۔ یہ امداد وتقویت خواہ زبان سے میسر آئے خواہ ہاتھ سے اور اس کوشش کا نتیجہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اکبر کے ایجاد کردہ "دین الٰہی" کا اپنی تمام بدعتوں کے ساتھ خاتمہ ہوگیا اور مسلم معاشرہ میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کا سدباب ہوگیا۔[1]

مجدد الف ثانیؒ کے زمانہ میں سیاسی انتشار نہیں تھا لیکن شاہ ولی اللہؒ کا زمانہ جس طرح معاشرتی اعتبار سے کھوکھلا ہو چکا تھا اسی طرح سیاسی اعتبار سے بھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس سیاسی اعتبار سے کمزوری کے باعث بھی شاہ صاحبؒ اپنی تجدیدی حکمت عملی میں اس بات کو اہمیت دیتے ہیں کہ کچھ بھی ہے لیکن حکمران بڑی حد تک مسلمان ہی ہیں اور ان کے کارندے بھی۔ اس لیے ان کی اصلاح کی جائے اس لیے کہ عوام ان کی ہی اتباع کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحبؒ بھی اپنے مختلف خطوط میں امراء، روساء، فوجیوں اور سرداروں کو مخاطب کرتے نظر آتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنی اصلاح کرلو اور اسلامی تقاضوں کو پورا کرو۔ اس سے حکومت بھی برقرار رہے گی اور معاشرہ بھی انتشار سے محفوظ رہے گا۔[2]

مغلیہ سلطنت تو شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد سو سال کے اندر ہی ختم ہوگئی[3] لیکن شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کی گونج باقی رہی اور ان کی تحریروں نے اور پھر ان کے خاندان اور متعلقہ لوگوں کی کوششوں سے اصلاح معاشرہ کا ایک بندوبست ہوگیا۔

اسلامی تعلیمات کا مقصد اصلاح معاشرہ ہے۔ تمام عبادات کے پیچھے وہی مقصد

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت، ج پنجم، ص ۳۰۳-۳۱۸، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی ۱۹۸۷ء/۱۴۰۲ھ

[2] ملاحظہ ہو مقدمہ "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۰ء، تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۵، ص ۳۴۸

[3] وفات شاہ ولی اللہؒ ۱۷۶۳ء مغلیہ خاندان کا خاتمہ ۱۸۵۷ء میں ہوا۔

کار فرما ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"[1]

میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

تمام ائمہ مجتہدین اور مجددین اسی کے مطابق اپنی کوشش جاری رکھتے ہیں کہ وہ باتیں جو دین اسلام نے بتائی ہیں ان کو افراط و تفریط سے پاک و محفوظ رکھا جا سکے۔ ان مجددین کا کام مسلمانوں کی حکومت ہو تو اس میں بھی جاری رہتا ہے اور غیر مسلموں کی حکمرانی ہو تو اس میں بھی۔ اگر مسلمانوں کی حکومت ہو تو مجدد کیلئے کام آسان اس طور پر ہوتا ہے کہ بہر حال معاشرہ مسلمانوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں دیگر ذرائع کے علاوہ ارکان حکومت کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جیسا کہ مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے معاملہ میں ہم پاتے ہیں، لیکن اگر حکومت غیر اسلامی ہو تو مجدد کے لیے یہی راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ عوام ہی کے اندر رہ کر اصلاح معاشرہ کا کام انجام دینے کی کوشش کرے اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سلسلے میں یہی صورت ہے اسی لیے عوام میں رہ کر آپ نے اصلاح معاشرہ کی کوشش کی ہے اور اپنے کام کو جس نوعیت کا پاتے ہیں اس کی بناء پر ہی خود کو "مجدد معاشرت" کہا ہے۔

مسلمانوں کی جو مجموعی خراب حالت تھی اور جو ان کے زوال کا سبب بنی تھیں اس کی وجہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک ہر شعبہ زندگی میں بد انتظامیاں تھیں۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

"مسلمانوں کے ہاتھوں سے جو سلطنت گئی وہ بد نظمی ہی کی وجہ سے گئی ہے سلطنت کفر کے ساتھ تو جمع ہو سکتی ہے لیکن بد انتظامی کے ساتھ ہرگز جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے بوجہ شامت اعمال مسلمانوں کے اندر سے سلطنت کا مادہ ہی نکال لیا گیا۔"[2]

---

1. علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال، ج ۳، ص ۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔
2. سیرت اشرف جلد اوّل، ص ۳۴۹

یہی وجہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں شریک ہونے کی بجائے ان کے اصلاح اخلاق و معاشرت کی طرف خصوصیت سے توجہ دی اور صوفیاء کرام کی طرح لوگوں کو ذکر و شغل میں مشغول نہ رکھا جیسا کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''میری نظر ذکر و شغل پر اس قدر نہیں ہے جس قدر کہ اصلاح و اخلاق و معاشرت پر ہے کیونکہ ان کا تعلق دوسروں سے ہے۔''[1]

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تقریباً ایک ہزار سے زائد کتابوں کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ دین کے سارے ایمانی و عملی ابواب و احکام کا کوئی چھوٹا بڑا حصہ جو ذرا بھی اصلاح طلب و محتاج تجدید رہا ہو ایسا نظر آئے گا جو آپ کی جامع نظر سے نظر انداز ہوا ہو اور یہ تمام تصانیف کا گرانقدر ذخیرہ مولانا تھانویؒ کو موجودہ صدی کے علمی میدان میں اعلیٰ مقام دینے کے لیے کافی ہے۔ لیکن ان تمام اصلاح طلب امور میں ''اصلاح معاشرہ'' سرفہرست نظر آتا ہے اور آپ نے اس کی وضاحت مختلف موقعوں پر کی ہے۔ ایک موقع پر فرمایا:

''معاشرت کو تو لوگوں نے دین کی فہرست ہی سے نکال دیا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر و شغل، تلاوت قرآن، نفلیں بس ان چند چیزوں کے متعلق احکام ہیں، آگے جو چاہیں کرتے پھریں جس کے معنی آج کل آزادی کے ہیں۔ سو خوب سمجھ لو کہ تم کو ہرگز ہرگز آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے --- بلکہ شریعت نے ہماری رفتار و گفتار، نشست و برخاست، لین دین، کھانے پینے ہر چیز سے تعرض کیا ہے۔ شریعت مکمل قانون ہے۔''[2]

ایک اور مقام پر فرمایا:

''معاملات سے زیادہ معاشرت کا اہتمام ضروری ہے کیونکہ معاملات کی اصلاح میں تو زیادہ تر لوگوں کے مال کی حفاظت ہے اور حسن معاشرت میں مسلمانوں کے قلب کی حفاظت ہے اور ظاہر ہے کہ مال سے دل کا رتبہ بڑھا ہوا ہے۔ نیز

۱۔ اشرف السوانح، ج سوم، ص ۳۸

۲۔ الافاضات الیومیہ، ج چہارم، ص ۲۰۴

معاشرت کی اصلاح میں علاوہ قلوب کے لوگوں کی آبرو کی بھی حفاظت ہے اور آبرو کی حفاظت ایمان کے بعد ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ آبرو بچانے کیلئے آدمی ہر چیز کو قربان کر دیتا ہے۔ اور حدیث حقوق میں بھی تینوں کی حفاظت مامور بہ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا کہ:

تمہارے خون، تمہارے اموال، تمہاری عزتیں باہم ایک کے دوسرے پر قیامت تک حرام ہیں۔[1]

آپ کے نزدیک معاشرت صرف شریعت کا ایک جزو ہی نہیں بلکہ بعض وجوہ سے یہ نماز روزہ سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا:

''بعض وجوہ سے (امور معاشرت) ان عبادات سے بھی زیادہ ضروری ہیں اس لیے کہ عبادات میں اگر کوتاہی ہو تو یہ خود اپنا نقصان ہے، بخلاف امور معاشرت میں کوتاہی سے دوسرں کو ایذا ہوتی ہے۔''[2]

دوسروں کی دل آزاری نہ ہو یہی ''حسن معاشرت'' ہے اور یہی آدمیت کا کمال ہے۔ آپ کا قول ہے:

''میں تو کہا کرتا ہوں کہ شاہ صاحب بننا آسان ہے، ملک التجار بننا آسان ہے بزرگ بننا آسان ہے قطب بننا آسان ہے مگر انسان بننا مشکل ہے ... اور یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو، ولی بننا ہو، قطب و غوث بننا ہو تو کہیں اور جاؤ اور اگر انسان بننا ہو تو میرے پاس آؤ میں انسان بناتا ہوں۔''[3]

اور فرماتے ہیں کہ:

''پہلے آدمی بنو! کیا بزرگی اور ولایت ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ آدمیت سیکھو، بزرگی

۱؎ اشرف علی تھانوی، مواعظ میلادیت، جلد دوم، ص ۸۵، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی

۲؎ حکیم محمود احمد ظفر، شاہ محمد غلام، ماہنامہ ''الحسن المعصومین'' (بحوالہ سعدی کا تعلیم ...) جلد اول، ص ۲۲۹ جامعہ اشرفیہ لاہور، اکتوبر ۱۹۸۹ء

۳؎ ایضاً ص ۲۰۰-۲۰۱، سید محمد کبیر شاہ بخاری، تذکرہ اولیائے دیوبند، ص ۲۳، مکتبہ رحمانیہ لاہور (سلطان)

بیماری تو ایک دن میں ساتھ ہو لیتی ہے، مشکل چیز تو شرافت اور شعور انسانیت ہے۔[1]

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا[2]

انسان جتنا آسان اس لیے نہیں کہ وہ اپنی زندگی کو افراط و تفریط میں مبتلا ہونے سے بچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ نہیں کہ بڑے بڑے امور میں وہ ایسا کرتے ہیں بلکہ اگر دیکھا جائے تو تمام چھوٹے چھوٹے امور میں بھی جن کا تعلق انسانی زندگی کے روزمرہ معمولات سے ہے اس میں بھی اس کا یہی کردار ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے امور جو ہیں ان کا شمار مشکل ہے جو بظاہر تو بہت ہی معمولی ہوتے ہیں لیکن اس میں افراط و تفریط دوسرے کی تکلیف کا باعث بنتا ہے اور وہ افراط و تفریط مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ میں یہ ہیں کہ۔

کسی شخص کی کوئی حرکت کوئی حالت دوسرے شخص کے لیے ادنیٰ درجہ میں بھی کسی قسم کی تکلیف و اذیت یا ثقل و گرانی یا ضیق و تنگی یا تکدر و انقباض یا ناگواری یا تشویش و پریشانی یا توحش و خلجان کا سبب و موجب نہ ہو۔

اور اس طرح جس امر سے اذیت ہو گو وہ صورۃ خدمت ہی یا جانی ہو یا ادب و تعظیم ہو جو عرف میں حسن خلق سمجھا جاتا ہے مگر اس حالت میں وہ سب سوء خلق میں ہے کیونکہ راحت رسانی خدمت سے مقدم ہے اور رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ[3] حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

اسی امر کی وضاحت کرتا ہے۔[4]

---

1. تازہ تعلیم اباحت ص ۱۲۲
2. مرزا اسد اللہ خان غالب دیوان غالب
3. امام محمد اسمٰعیل بخاری صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث ۱۰ ص ۴۹، دار الفکر بیروت (بحوالہ فتح)
4. سیرت اشرف ج دوم ص ۴۴۲

ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ ۔ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے[1]

مولانا اشرف علی تھانوی کی مجموعہ اصلاحات میں "انسان بناتا ہوں" کی تشریح تصریح کے ساتھ موجود ہے۔ جو بظاہر بہت ہی غیر اہم معلوم ہوتی ہیں اور لوگ اکثر اس کے عادی ہیں اور اس کو برا نہیں سمجھتے حالانکہ یہی رویہ اگر ان کے ساتھ دوسرا شخص اختیار کرے تو وہ اس کو برا مانیں گے اور ان کی دل شکنی کا باعث بنے گا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا کہنا ہے کہ:

"بعض لوگ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں لیکن معاشرت کے بعض جزئیات کا ان کو خیال نہیں حالانکہ تمدن کے مدنی ہیں ورنہ معاشرت کے تمام آداب کا تعلق تمدن سے ہے۔ معاشرتی زندگی کے ان جزئیات کی تعلیم بڑے بڑے لوگوں کی تعلیم میں نہیں ملے گی۔ اس کی وجہ بقول مولانا یہ ہے کہ اگر مشائخ نے ان جزئیات کی تعلیم دینی شروع کی تو معتقدین ان سے دور ہوتے جائیں گے اور اگر علماء نے معمولی معمولی باتوں کی تعلیم دینا شروع کی تو ان کو معمولی درجے کا مولوی سمجھا جانے لگا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں اور عالموں کے یہاں تو بڑی بڑی باتوں کی تعلیم ہوتی ہے لیکن میں چونکہ چھوٹا اور سب سے ادنیٰ ہوں اس لیے میرے یہاں چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں کثرت وارد ہے کہ حضور ﷺ کو چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف وہی قدر التفات اور ان کا بھی اتنا ہی اہتمام تھا جتنا کہ بڑی باتوں کا تھا۔"[2]

---

1. مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم شریف، کتاب الایمان، حدیث ۷۲ ص ۵۰، دار المعرفۃ بیروت لبنان
2. اشرف علی تھانوی، حکیم الامت، بعنوان "الطلاق الثلاثہ" ص ۹۵-۹۶، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ لاہور، طباعت ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

مولانا اشرف علی تھانوی نے جس طرح ان جزئیات کا احاطہ کیا ہے وہ بہت ہی وسیع اور جامعیت کا حامل ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرتی زندگی کی اصلاح کی طرف اس قدر اہتمام اور اس قدر تفصیل کے ساتھ آپ نے توجہ فرمائی کہ اس کی نظیر صدیوں سے نہیں ملتی۔ ان میں صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ مولانا کا ارشاد ہے:

1. "ایک معمولی بات ہے کہ کرسی کھینچ کر اٹھ کر دوسری جگہ جہاں راستہ ہے بیٹھ گئے اور وہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے اب کوئی اندھا پہنچ آیا وہ گر پڑتا ہے۔ بعضے چارپائی ایسے موقع پر چھوڑ دیتے ہیں کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اس معمولی سی کوتاہی میں نہ صرف یہ کہ تعلیم یافتہ بلکہ ایسے لوگوں کو بھی معمول ہے جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں لیکن تمدن کے آداب سے ناواقف ہیں۔"[1]
2. "کسی کا خط مت دیکھو خصوصاً جیسے بعض آدمی لکھنے میں دیکھتے ہیں اور اسی طرح کسی کے سامنے رکھے ہوئے کاغذات تو ہرگز مت دیکھو شاید وہ شخص کسی کاغذ کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو۔"
3. "بعضے آدمی مجلس میں پہنچ کر سب سے الگ الگ مصافحہ کرتے ہیں۔ اگرچہ سب سے تعارف نہ ہو جس میں بہت وقت صرف ہوتا اور فراغ تک تمام مجلس مشغول اور پریشان رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ جس کے پاس قصد کر کے آئے بس اس کے مصافحہ پر قناعت کرو۔ البتہ اگر دوسروں سے بھی تعارف ہو تو مضائقہ نہیں۔"[2]
4. "کسی ایسے شخص سے کوئی سی چیز مت مانگو جس کو تم قرائن سے یقین ہو کہ وہ بوجہ گرانی کے بھی انکار نہ کر سکے گا۔ اگرچہ مانگنا بطور رعایت یا قرض کے ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یقین ہو کہ اس کو گرانی نہ ہوگی یا اگر گرانی ہوگی تو بآسانی عذر دے سکے گا تو مضائقہ نہیں اور یہی تفصیل ہے کسی کام کو چلانے میں کوئی فرمائش کرنے میں اور کسی کی سفارش کرنے میں۔

---

1. اشرف علی تھانوی "آداب معاشرت بعنوان" مشمولہ ... ص ۳۲۴-۳۲۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سن طباعت جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ
2. سیرت اشرف: ج دوم ص ۱۴۳-۱۴۵

انہیں آج کل بہت سہل سمجھا ہے۔[1]

۵ منجملہ ان حقوق کے جو ایک مسلمان کے دوسرے پر ہیں عیادت یعنی بیمار پرسی ہے اس کے بھی آداب ہیں ان میں بھی افراط و تفریط ہو رہی ہے چنانچہ بعض آدمی تو سرے سے بیمار کو پوچھتے ہی نہیں۔ یہ تفریط ہے اور بعض جو پوچھنے جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ بیمار کو ان سے راحت ہوتی ہے الٹے موجب تکلیف بنتے ہیں۔ مثلاً وہاں جا کر زیادہ دیر تک بیٹھے رہے یہ تکلیف کی بات ہے بیمار آدمی کو مختلف حوائج اور ضروریات ہوتے ہیں اور وہ بیچارہ ان کا لحاظ کرتا ہے اور تکلیف اٹھاتا ہے حدیث میں تو آیا ہے کہ جو شخص مریض کی تم میں سے عیادت کرے اس کو چاہیے کہ مریض کے پاس کم بیٹھے۔ مگر بعض آدمیوں کی عادت ہے کہ بیمار آدمی کے پاس بیٹھ کر فضول قصے باتیں کرتے ہیں یا خود اس بیمار ہی سے بیماری کا سارا قصہ پوچھتے ہیں ایسی باتوں سے بیمار کو تکلیف ہوتی ہے ان سے بچنا چاہیے۔[2]

یہ وہ روزمرہ پیش آنے والی چند مثالیں ہیں ان ہی سے مولانا تھانوی کی اس معاشرتی تجدید کا یقین ہوتا ہے کہ معاشرت کا عقائد و عبادات وغیرہ تمام اجزاء دین سے کسی سے بعض جہت سے اور کسی سے تمام وجوہات کی بنا پر مقدم و متصل ہونا ثابت ہے۔

مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ حسن معاشرت اور ادب و تہذیب کی اصل حقیقت یہی ہے کہ دوسروں کو کوئی اذیت و کدورت نہ ہونے پائے اور ان کی راحت کی تا امکان ہر چھوٹی بڑی بات میں رعایت ہو اس میں اگر کوتاہی ہو تو نفل عبادات روزہ نماز تک بیکار ہیں۔ حضور ﷺ کی خدمت میں دو عورتوں کا ذکر کیا گیا کہ ایک نماز روزہ بہت کرتی ہے مگر اپنے ہمسایوں کو ایذا پہنچاتی ہے دوسری زیادہ نماز روزہ تو نہیں کرتی مگر ہمسایوں کو ایذا نہیں پہنچاتی آپ ﷺ نے فرمایا پہلی دوزخی ہے دوسری جنتی۔

---

۱ اشرف علی تھانوی آداب المعاشرت ص ۱۶ مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور

۲ دعوات عبدیت جلد اول وعظ بعنوان "حقوق المعاشرت" ص ۲۰

خود نبی کریم ﷺ سے ان چیزوں میں اتنا اہتمام ثابت ہے کہ مثلاً ایک دفعہ کوئی صحابی ہدیہ لے کر خدمت اقدس میں بلا سلام و اذن حاضر ہو گئے تو فرمایا کہ واپس جاؤ اور السلام علیکم --- کیا میں حاضر ہوں؟ کہہ کر آؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ شب برأت میں حضور ﷺ بستر سے آہستہ سے اٹھے، آہستہ سے نعل مبارک پہنے، آہستہ سے کواڑ کھولے، آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے کواڑ بند فرمائے[1] یہ سب اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جاگ نہ پڑیں اور ان کو تکلیف نہ ہو۔

غرض حسن معاشرت کی اس اہمیت اور دوسروں کی آداب کے معاملہ میں غفلت کی بناء پر مولانا تھانوی کو عبادات و معاملات کے فرائض و واجبات کے بعد اعمال میں خود بھی سب سے زیادہ ان کا اہتمام تھا اور دوسروں کو بھی اس کی روک ٹوک اور تاکید برابر رہتی تھی تو یہ حال تھا کہ اپنے گھر میں بھی کنڈی کھٹکھٹائے اور اجازت لیے بغیر داخل نہ ہوتے۔

حضور ﷺ کے کامل متبعین کے سوا ایسی تعمیم اور کلی جامعیت کا اہتمام کہاں!

---

[1] ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی۔ سنن نسائی ص ۲۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

مولانا تھانوی خود اپنی نظر میں

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ ان مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فاسق و فاجر سمجھتے ہیں فی الحال[1] اور کفار سے احتمالاً فی المآل[2] افضل نہیں سمجھتا اور آخرت میں درجات حاصل ہونے کا مجھے وسوسہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے۔ مجھے تو جنتیوں کی جوتیوں میں بھی جگہ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہو اس سے زیادہ کی ہوس ہی نہیں ہوتی ورنہ ہوس بھی ہو تو بمقابلہ استحقاق نہیں[3] بلکہ اس لئے کہ دوزخ کے عذاب کا تحمل نہیں اور یہ جو میں حضرات اہل اصلاح پر جرح و تنقید کیا کرتا ہوں تو اس وقت یہ مثال پیش نظر رہتی ہے جیسے کسی شاہزادے سے جرم ہوا ہو اور بھنگی جلاد ہو اور حکم شاہی ہو کہ اس شہزادے کے درے لگائے تو کیا اس بھنگی جلاد کے دل میں درے مارتے وقت کہیں یہ بھی وسوسہ ہو سکتا ہے کہ میں اس شہزادے سے افضل ہوں۔ غرض کوئی مومن کیسا ہی بدحال ہو میں اس کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ فوراً یہ مثال پیش نظر ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی حسین اپنے منہ پر کالک مل لے تو اس کا جاننے والا کالک کو برا سمجھے گا لیکن اس حسین کو حسین ہی سمجھے گا اور دل میں کہے گا کہ یہ جب بھی صابن سے منہ دھو لے گا پھر اس کا وہی چاند سا منہ نکل آئے گا۔ غرض مجھ کو صرف فعل سے نفرت ہوتی ہے فاعل سے نفرت نہیں ہوتی۔"[4]

---

1. اپنے کو فاسقوں فاجروں سے فی الحال اس لئے افضل نہیں سمجھتا اس لئے کہ ممکن ہے ان کی کوئی نیکی مقبول ہو یا ان میں کوئی ایسی خوبی ہو جو مجھ میں نہ ہو اس لئے میں خود اپنے آپ کو ان سے افضل نہیں سمجھتا۔
2. کفار سے احتمالاً فی المآل اس لئے افضل نہیں سمجھتا کہ ممکن ہے ان کو موت سے پہلے اسلام نصیب ہو اور کسی بالفرض میرا خاتمہ برا ہو جائے تو احتمال ہے کہ وہ افضل ہو۔
3. یہ تمنا بھی ہوئے نہیں ہے کہ میں ان کا مستحق ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید ہے۔
4. اشرف السوانح جلد اول ص ۵۶

باب اول

حیاتِ اشرف

فصل اول

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مختصر سوانح

ولادت اور دعائے مجذوب

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ (بمطابق ۱۹ ستمبر ۱۸۶۳ء) بروز چہار شنبہ (بدھ) بوقت صبح صادق اپنے ننھیالی مکان واقع محلہ خیل قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔[1]

افضل المجاذیب حافظ غلام مرتضیٰ پانی پتیؒ کی ہدایت کے مطابق آپ کا نام اشرف علی تجویز کیا گیا "کرم عظیم" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے اور لقب حکیم الامت ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب ددھیال سے فاروقی (حضرت عمرؓ) اور ننھیال سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ مولانا کے جد امجد سلطان شہاب الدین علی فرخ شاہ کابل کے رہنے والے اور اپنے وقت کے مشہور مجاہد اور صوفی تھے۔ چنانچہ ان کے نام پر کابل کے کوہستانی علاقے میں ایک گاؤں اب تک درہ فرخ شاہ کہلاتا ہے۔ والد محترم کا اسم گرامی عبدالحق فاروقیؒ تھا اور ان کے تمام اسلاف علم و فضل کی نعمت سے بہرہ یاب تھے۔

مولانا تھانویؒ کے والد صاحب کو خارش کا مرض ہو گیا تھا اور اس قدر شدید تھا کہ کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ خارش کے علاج کے طور پر آپ کے والد محترم نے ایک دوا کھائی جو قاطع نسل مشہور تھی۔ ان کی خوشدامن صاحبہ نے اس کا ذکر ایک مشہور صاحب خدمت مجذوب بزرگ حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتیؒ سے کیا جن سے کچھ قرابت بھی تھی۔ انہوں نے دعا فرمائی اور پیشین گوئی فرمائی کہ:

"انشاء اللہ اس سے دو لڑکے ہوں گے اور زندہ رہیں گے ایک کا نام اشرف علی

۱۔ سیرت اشرف، ج ۱ ص ۲

۲۔ ڈاکٹر غلام محمد صاحب حیات اشرف ص ۳۴ مطبوعہ تھانوی کراچی

رکھنا دوسرے کا نام اکبر علی ایک میرا ہوگا وہ مولوی اور حافظ ہوگا اور دوسرا دنیا دار ہوگا"۔ چنانچہ مجذوب بزرگ کی پیشگوئی کے مطابق عبدالحق فاروقیؒ کے یہاں دولڑکے پیدا ہوئے اور انہیں کے ارشاد کے مطابق بڑے صاحبزادے کا نام اشرف علی اور چھوٹے کا نام اکبر علی رکھا گیا۔[1]

والد محترم کو آپ سے خاص اُنس و محبت تھی اس لئے انہوں نے آپ کی تعلیم وتربیت بڑی توجہ، لگن اور فراخدلی سے رئیسانہ انداز سے کی۔ آپ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ والدہ ماجدہ اس دنیا سے رخصت ہوگئیں اُن کے انتقال کے بعد تائی صاحبہ نے آپ کی پرورش کی والد صاحب مولانا تھانوی کا زیادہ خیال رکھتے تھے اس بات نے اُن میں اور بھی زیادہ خود اعتمادی پیدا کی۔[2]

آپ کو بچپن ہی سے عبادات وطاعات کا خاص ذوق تھا بچپن ہی میں نوافل، تہجد اور ذکر کے عادی ہوگئے تھے۔[3]

تعلیم وتربیت

ابتدائی زندگی ہی سے آپ کو حصول علم کا شوق تھا اور آپ میں تدین وتقویٰ کے آثار نمایاں تھے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ میں حاصل کی اخون جی اور حافظ حسین علی صاحب سے قرآن کریم دس سال کی عمر میں حفظ کیا۔ اس کے بعد تھانہ بھون میں مولوی فتح محمد صاحب سے عربی اور اپنے ماموں واجد علی صاحب سے فارسی پڑھی۔ دینی علوم کی تحصیل کے لئے برصغیر کی مشہور ومعروف درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں آخر ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں داخل ہوکر تکمیل حدیث فرمائی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا ملا محمودؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ وغیرہ سے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے تفسیر جلالین پڑھی اس کے علاوہ مولانا منفعت علی صاحبؒ اور مولانا سید احمد دہلویؒ جیسے اساطین علم وفضل سے بھی تعلیم حاصل کی۔[4]

---

[1] اشرف السوانح جلد اول ص ۱۶-۱۷، سیرت اشرف ص ۵۹

[2] ایضاً جلد اول ص ۱۸

[3] ایضاً جلد اول ص ۲۱

[4] ایضاً جلد اول ص ۲۳-۲۵

اس کے علاوہ محدث اعظم حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، قطب عالم حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے بھی روحانی طور پر فیضیاب ہوتے رہے اور دعائیں لیتے رہے۔ لمطالعہ کے شوق اور محنت کے ساتھ ساتھ قوت حافظہ کی برتری کی وجہ سے استادوں کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ آپ کی دستار بندی قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے دست مبارک سے ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں سرانجام پائی دارالعلوم دیوبند کی پہلی جماعت تھی جس کی دستار بندی کی گئی اور سندات فضیلت اس جماعت کو جلسہ میں دی گئیں۔ اس طرح بیس سال کی عمر میں آپ نے مراحب درس تعلیم سے فراغت حاصل کی۔[۲]

درس وتدریس

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اساتذہ کی تجویز اور والد ماجد کی اجازت سے ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور میں مدرس مقرر ہوئے اور اپنی عملی وتدریسی زندگی کا آغاز کیا۔[۳]

کچھ عرصہ بعد مدرسہ فیض عام سے علیحدہ ہو کر مدرسہ جامع العلوم میں تدریسی اور تبلیغی خدمات انجام دینی شروع کی۔ اس طرح کانپور میں آپ کا قیام طویل ہوگیا اور ۱۳۰۱ھ سے لے کر ۱۳۱۵ھ تک چودہ سال درس وتدریس کے ساتھ ساتھ دعوت وارشاد، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ اور فتاویٰ نویسی کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔[۳]

آپ کو اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔

روحانی تربیت وخلافت

اپنی اصلاح اور تربیت باطنی کی فکر طالب علمی ہی کے زمانہ سے تھی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو آپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی مگر حضرت گنگوہیؒ نے طالب علمی کے زمانہ میں بیعت کرنا مناسب نہ سمجھا اور انکار فرما دیا۔ جب حضرت گنگوہیؒ حج کو تشریف لے جانے لگے تو مولانا تھانویؒ نے ان ہی

۱۔ اشرف السوانح ج اول ص ۱۱
۲۔ ایضاً ج اول ص ۳۱
۳۔ ایضاً ج اول ص ۳۷
۴۔ ایضاً ص ۳۸

کے ذریعہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں وقتی خط بھیجا اور اس میں لکھا کہ آپ مولانا سے فرمادیں کہ وہ مجھے بیعت کرلیں، لیکن حضرت حاجی صاحبؒ نے بجائے سفارش فرمانے کے خود ہی بیعت فرمالیا۔ ۱؎ اس غائبانہ بیعت کے بعد ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں اپنے والد محترم کی معیت میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت حاجی صاحبؒ کے دست بدست بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ۲؎

۱۳۱۰ھ میں دوسری مرتبہ حج کو تشریف لے گئے اس وقت مکمل چھ ماہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر رہے اور علوم باطنی ورموز حقیقت سے آگاہی حاصل کی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا:

”بس تم پورے کے پورے میرے طریق پر ہو“ ۳؎

اس قلیل عرصہ میں حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ کو اخذ بیعت کی اجازت عطا فرمائی اور اپنا خلیفہ خاص بنا کر منصب ارشاد وتلقین پر متمکن فرمایا اور آپ نے برصغیر میں سلسلہ تصوف کو فروغ دیا۔ ہندوستان واپس تشریف لاتے وقت حضرت حاجی صاحبؒ نے وصیت فرمائی کہ:

(۱) ”دیکھو میاں اشرف علی ہندوستان پہنچ کر تم کو ایک حالت پیش آئے گی عجلت نہ کرنا!“

(۲) ”کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہوجاؤ تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکل بخدا تھانہ بھون جاکر بیٹھ جانا!“۔ ۴؎

خانقاہ امدادیہ کا قیام

۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں آپ نے کانپور کی سکونت کو ترک کر کے اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ہدایت پر اپنے وطن تھانہ بھون میں حضرت حاجی صاحبؒ

۱؎ اشرف السوانح جلد اول ص ۲۶۔۲۷

۲؎ ایضاً ص ۱۶۹

۳؎ حیات اشرف ص ۶۰

۴؎ اشرف السوانح جلد اول ص ۱۹۹۔۲۰۰

کے نام نامی سے منسوب کر کے "خانقاہ امدادیہ" قائم کی اور اپنے شیخ کو مطلع فرمایا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

"بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ امید ہے خلائق کثیر کو آپ سے فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں گے۔ میں ہر وقت آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔"[1]

حضرت حاجی صاحبؒ کی پیشین گوئی کے مطابق آپ کی طرف خلق خدا کا رجوع اس کثرت سے ہوا کہ آپ پورے برصغیر کے لئے مرجع الخلائق بن گئے۔ جہاں آپ لوگوں کی اصلاح و تزکیہ میں مشغول رہے اور آپ نے تصنیف و تالیف میں زہد و تقویٰ کے ساتھ عمر بسر کر دی۔

مریدین و معتقدین

مولانا تھانویؒ کے مریدین و معتقدین میں مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ جیسے ممتاز اور جید علماء شامل تھے۔[2]

اختتام حیات

مولانا تھانویؒ سہ شنبہ کی شب ۱۶۔۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ ۱۹۔۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حافظ ضامن شہیدؒ کے مزار کے قریب مولانا تھانویؒ ہی کے باغ (تھانہ بھون) میں مدفون ہوئے اس طرح آپ نے بیاسی (۸۲) سال تین ماہ گیارہ دن عمر پائی۔[3]

۱۔ اشرف السوانح جلد اول، ص ۲۰۰

۲۔ ایضاً ج سوم، ص ۳۲۴

۳۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ، خاتمۃ السوانح، ص ۳۰ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

فصلِ دوم

مولانا تھانویؒ کے حالاتِ زندگی ایک نظر میں

واقعہ	سنہ ہجری	سنہ عیسوی
پیدائش	بدھ ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ	۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۳ء
والدہ محترمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا	سنہ ۱۲۸۵ھ	سنہ ۱۸۶۸ء
تکمیل حفظ قرآن مجید	سنہ ۱۲۹۰ھ	سنہ ۱۸۷۳ء
تہجد کے معمول کی ابتداء	سنہ ۱۲۹۲ھ	سنہ ۱۸۷۵ء
دینی علوم کی ابتداء	سنہ ۱۲۹۲ھ	سنہ ۱۸۷۵ء
ابتدائی تعلیم کی تکمیل	سنہ ۱۲۹۳ھ	سنہ ۱۸۷۷ء
دارالعلوم دیوبند میں داخلہ	سنہ ۱۲۹۵ھ	سنہ ۱۸۷۸ء
پہلا وعظ	سنہ ۱۲۹۸ھ	سنہ ۱۸۸۱ء
مثنوی زیر و بم تحریر فرمائی	سنہ ۱۲۹۸ھ	سنہ ۱۸۸۱ء
مولانا گنگوہیؒ عازم حج ہوئے تو خود انکے ذریعہ حاجی صاحبؒ سے سفارش کی کہ مولانا گنگوہیؒ بیعت فرمالیں	سنہ ۱۲۹۹ھ	سنہ ۱۸۸۲ء
دستار فضیلت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک سے ہوئی	سنہ ۱۳۰۰ھ	سنہ ۱۸۸۳ء
دارالعلوم دیوبند سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل اور سند فراغ حاصل کی	سنہ ۱۳۰۱ھ	سنہ ۱۸۸۴ء
مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرسی پر مقرر ہوئے	سنہ ۱۳۰۱ھ	سنہ ۱۸۸۴ء

واقعہ	ہجری	عیسوی
پہلا سفرِ حج اپنے والد ماجد کی معیت میں	سن ۱۳۰۱ھ	سن ۱۸۸۴ء
حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت	سن ۱۳۰۱ھ	سن ۱۸۸۴ء
حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے فیض باریابی سے مسرور ہوئے	سن ۱۳۰۰ھ	سن ۱۸۸۳ء
آغاز سفرِ تبلیغی سلسلہ میں	سن ۱۳۰۰ھ	سن ۱۸۸۳ء
والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا	سن ۱۳۰۵ھ	سن ۱۸۸۸ء
دوسرا حج اور خلافت و بیعت کی اجازت	سن ۱۳۱۰ھ	سن ۱۸۹۳ء
کانپور سے ترکِ ملازمت کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مستقل قیام	سن ۱۳۱۵ھ	سن ۱۸۹۷ء
تفسیر بیان القرآن لکھنا شروع کی	سن ۱۳۲۰ھ	سن ۱۹۰۲ء
دار العلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے	سن ۱۳۲۰ھ	سن ۱۹۰۲ء
بیان القرآن کی پہلی بار طباعت	سن ۱۳۲۶ھ	سن ۱۹۰۸ء
دورِ جدید کا آغاز جس میں ظاہری ترقی کو بڑی حد تک بالکلیہ متروک فرما دیا گیا	سن ۱۳۳۳ھ	سن ۱۹۱۵ء
دوسری شادی	سن ۱۳۳۴ھ	سن ۱۹۱۶ء
تحریکِ خلافت کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت	سن ۱۳۳۹ھ	سن ۱۹۲۰ء
تحریکِ خلافت کے بارے میں رسالہ الروضۃ الناظرہ فی المسائل الحاضرہ لکھ کر اپنے موقف کی مزید وضاحت فرمائی	سن ۱۳۴۰ھ	سن ۱۹۲۱ء

باب دوم

معاشرتی اصلاح کے بنیادی اُصول

تحقیق محبت طبعی اور محبت عقلی

''ابو طالب کو حضور ﷺ سے طبعی محبت تھی نہ کہ عقلی اس لیے وہ (طبعی محبت) نجات کی باعث نہ ہوئی، اگر ان کو (عقلی محبت) ہوتی تو سب سے پہلے وہ ایمان لاتے۔''

(مولانا اشرف علی تھانوی)

فصل اوّل

تحقیق محبت طبعی اور محبت عقلی

علامہ جلال الدین دوانی ؒ نے اخلاق ناصری کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ نوع انسانی میں محبت دو (۲) طرح کی ہوتی ہے۔

❶ محبت طبعی مثلاً اولاد سے ماں کی محبت

❷ محبت ارادی مثلاً اُستاد سے شاگرد کی محبت

چونکہ محبت ارادی یا تو لذت ① کی وجہ سے ہوتی ہے یا نفع ② کے سبب سے ہوتی ہے یا اس کا سبب خیر ③ ہوتا ہے یا نفع اور ④ خیر سے مرکب ہوتا ہے۔ اس لیے محبت ارادی کی چار قسمیں ہیں۔

❶ جو محبت لذت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے وہ جلد پیدا ہوتی ہے اور جلد ہی زائل بھی ہو جاتی ہے کیونکہ لذت کا حصول آسان ہوتا ہے اور لذت کے حاصل ہونے کے بعد اس محبت میں تغیر جلد ہو جاتا ہے۔

❷ جو محبت نفع کی وجہ سے ہوتی ہے وہ دیر میں پیدا ہوتی ہے کیونکہ نفع کا حصول دشوار ہوتا ہے اور جلد زائل ہو جاتی ہے کیونکہ نفع میں تغیر جلد ہو جاتا ہے۔

❸ جو محبت خیر کی وجہ سے ہوتی ہے وہ جلد پیدا ہوتی ہے کیونکہ اہل خیر کے درمیان روحانی مناسبت اور جانی موانست ہوتی ہے اور یہ محبت دیر تک قائم رہتی ہے اس لیے کہ اس محبت کا سبب وہ حقیقی اتحاد ہے جو خیر کو لازم ہوتا ہے۔

❹ جس محبت کا سبب خیر اور نفع دونوں ہوں تو یہ محبت دیر میں پیدا ہوتی ہے اور دیر تک قائم بھی رہتی ہے کیونکہ خیر اور نفع مل کر دونوں حالات کا اقتضاء کرتے ہیں۔[1]

---

[1] جلال الدین دوانی: اخلاق جلالی (فارسی) ص ۱۳۳، ۱۵۳ مطبوعہ ایم ترقان علی اینڈ سنز مکتبہ ایل ٹریڈ لاہور

محبت ارادی کی اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیسری اور چوتھی قسم کی محبت کو پہلی دو قسموں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ پہلی اور دوسری قسم کی محبتیں بے بہا نہیں اور تیسری اور چوتھی قسمیں بے بہا ہیں۔

محبت کی ان اقسام کو اگر سادہ لفظوں میں ادا کیا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ محبت طبعی تو وہ محبت ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے اس کو قصد و ارادہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہر شخص اس محبت پر مجبور ہے اور محبت ارادی وہ ہے جو قصد و ارادہ کے ساتھ کی جائے اور سوچ سمجھ کر محبت کی جائے کہ کون سی چیز محبت کے قابل ہے اور کون سی چیز محبت کے لائق نہیں۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کی محبت انسان کے دل میں ڈال دی گئی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ[1]

خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر لوگوں کو) محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اور جب بعض چیزوں کی محبت انسان کے دل میں ڈال دی گئی ہے تو ان چیزوں کی محبت میں انسان کے قصد و ارادہ کو کوئی دخل نہیں بلکہ وہ ان چیزوں کی محبت پر فطری طور پر مجبور ہے۔ چنانچہ یہ محبت طبعی ہے۔

---

[1] سورہ آل عمران آیت ۱۴

محبت ارادی کی واضح دلیل اور بہترین ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ کسی چیز یا عمل سے محبت کرتے تو یہ سوچ کر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز یا یہ عمل محبوب تھا۔ حد یہ کہ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی بعض چیزوں کو محض اس لیے پسند کرتے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھیں۔

جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا اس نے جو کی روٹی اور شوربا حاضر کیا جس میں کدو اور گوشت تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ کے اطراف میں سے کدو کو تلاش کر کے کھاتے تھے۔ چنانچہ اس روز سے میں کدو کو پسند کرنے لگا۔[1]

مولانا اشرف علی تھانویؒ محبت طبعی کو تو طبعی ہی کہتے ہیں لیکن محبت ارادی کو محبت عقلی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور محبت عقلی کو محبت طبعی پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنے ملفوظات و مواعظ اور مکاتبت کے ذریعے مسترشدین کو ہدایت کرتے ہیں کہ محبت عقلی کو محبت طبعی پر غالب کرنا چاہیے۔

آیت مذکورہ بالا "زین للناس حب الشھوات" الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانویؒ "مسائل السلوک" میں تحریر فرماتے ہیں:

"انسان محبت طبعی کے ازالہ کا بوجہ اس کے طبعی ہونے کے مکلف نہیں ہے اور باب اخلاق میں یہ ایک اصل عظیم ہے یعنی اخلاق میں جو مجبول و طبعی (فطری پیدا کیے ہوئے) ہیں وہ غیر مقدور ہیں اور جو مکسوب (اپنی کوشش سے حاصل کیے ہوئے) ہیں وہ مقدور ہیں۔ بعض سالکین قسم اول کے پیچھے پڑ جاتے ہیں وہ ہمیشہ مشوش (پریشان) رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو محقق ہدایت کرتا ہے کہ عقلی کی تحصیل کرو اور طبعی کے درپے مت ہو، سوان محققین کا اتباع کرنے

---

[1] امام محمد ولی الدین بن عبداللہ الخطیب العمری: مشکوٰۃ شریف مترجم ج دوم' کتاب الاطعمہ ص ۲۹۹ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

وسعت کی ہے۔ چنانچہ جہاں ایک مقام پر کتاب و سنت میں حب دنیا کی مذمت ہے تو دوسرے مقام پر یہ بھی ارشاد ہے کہ

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا [1] اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو

اور یہ مشاہدہ ہے کہ حب طبعی باوجود کوشش کے بھی زائل نہیں ہوتی۔ جب ان سب مقدمات کو ذہن میں جمع کر لیا جائے تو سمجھ میں آ جائے گا کہ حب دنیا مطلقاً مذموم ہے مگر اس مذموم سے مراد وہ حب ہے جو طبعی نہ ہو کیونکہ حب طبعی کا ازالہ وسعت سے خارج ہوتا ہے اور جو چیز وسعت سے خارج ہو انسان اس کا مکلف نہیں۔ لہٰذا حب طبعی کے ازالہ کا انسان مکلف نہیں۔ باقی جس محبت کا ازالہ اختیار میں ہے اس کے ازالہ کا انسان مکلف ہوگا اور اسی اختیاری محبت کا نام محبت عقلی ہے۔[2]

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ حب عقلی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ نیز فرمایا کہ اس کا معیار یہ ہے۔

"احکام میں حضور ﷺ کی اطاعت ہو اور تعارض کے وقت حضور ﷺ کے حکم کو دوسروں کے احکام پر ترجیح دی جائے۔ گو حب طبعی اس میں کم ہو اور غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ طبعی محبت بھی ہر مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے ماں باپ و اولاد وغیرہ سب سے ہی زیادہ ہے مگر اس کا ظہور خاص مواقع پر ہوتا ہے۔

چنانچہ مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت مجھے تو ایسا شبہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مجھے اپنے والد کی محبت ہے۔ مولانا نے اس وقت تو یہ جواب دے دیا کہ ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا اس شبہ کا

---

1. سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶
2. انفاسِ عیسیٰ حصہ اول ص ۱۴۳، ۱۴۵ ملخصاً

یوں جواب دیا کہ باتوں باتوں میں رسول اللہ ﷺ کے واقعات اور کمالات وفضائل بیان کرنا شروع کیے جس سے اہل مجلس بہت محظوظ ہو رہے تھے اور وہ رئیس صاحب بھی بہت مزے لے لے کر سن رہے تھے کیونکہ حضور ﷺ کا ذکر تو ہر مسلمان کو لذیذ معلوم ہوتا ہے اور جو ظالم کسی مسلمان کو یہ کہے کہ یہ ذکر رسول اللہ ﷺ سے منع کرتے ہیں اس سے بڑھ کر مفتری کوئی نہیں۔ ارے ذکر رسول اللہ ﷺ سے کوئی منع نہیں کرتا۔ ہاں ضد رسول اللہ ﷺ سے منع کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ذکر اس طرح نہ ہو جس میں حضور ﷺ کی مخالفت ہو۔

جب مولانا نے دیکھا کہ رئیس صاحب بہت مزے لے لے کر حضور ﷺ کے حالات سن رہے ہیں تو درمیان میں وعظ فرمانے لگے کہ اچھا اس قصہ کو تو رہنے دیجیے، اب میں کچھ آپ کے والد صاحب کے کمالات ومحاسن بیان کرتا ہوں کہ وہ بھی بڑے صاحب کمالات تھے۔ اس لفظ کے سنتے ہی رئیس کا رنگ بدل گیا اور کہا کہ مولانا توبہ توبہ! میرے والد بھی کوئی چیز ہیں جن کا تذکرہ حضور ﷺ کے ذکر کو قطع کر کے کیا جائے۔ نہیں، آپ پہلا ہی بیان جاری رکھیے۔ تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ آپ کو حضور ﷺ کے تذکرہ میں والد صاحب کا تذکرہ کیوں ناگوار ہوا؟ آپ تو کہتے تھے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے والد کی محبت معلوم ہوتی ہے۔ اب جو رئیس صاحب نے موازنہ کر کے غور کیا تو بے ساختہ کہنے لگے کہ مولانا! جزاکم اللہ تعالیٰ! آج آپ نے میرا شبہ حل کر دیا۔ واقعی مجھے حضور ﷺ ہی کے ساتھ محبت زیادہ ہے اور والد کے ساتھ اس محبت کے مقابلہ میں کچھ بھی محبت نہیں۔

بہرحال طبعی محبت بھی ہر مسلمان کو حضور ﷺ ہی سے زیادہ ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ طبعی محبت اگر کم بھی ہو تو مضائقہ نہیں، عقلی محبت سب سے زیادہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا چاہیے کہ بدون اس کے صرف محبت طبعیہ بھی کافی نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طبعی محبت تو زیادہ ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں قصیدے پڑھتے ہیں اور مولود کی مجلسیں قائم کرتے ہیں اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام و ذکر سے مزا بھی آتا ہے مگر محبت عقلیہ سے کورے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کی حالت اچھی نہیں۔ ان کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔

اور بعض لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت عقلی تو ہوتی ہے کہ احکام کی مخالفت نہیں کرتے مگر محبت طبعی ان کو اپنے اندر کم معلوم ہوتی ہے، اس لیے وہ پریشان ہوتے ہیں۔ سو میں ان کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اول تو ان کو محبت طبعی بھی حاصل ہے۔ ورنہ اس کے فقدان کا رنج ہی کیوں ہوتا اور یہ فقدان کا گمان اس لیے ہوتا ہے کہ ابھی ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دوسری محبتوں سے موازنہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ موازنہ کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ واقعی طبعی محبت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے زیادہ ہے جیسا کہ ان رئیس کے واقعہ میں ابھی میں نے بتلایا ہے۔ دوسرے یہ کہ طبعی محبت مطلوب نہیں تو غیر مطلوب میں کمی ہونا مضر نہیں۔ مضر تو یہ ہے کہ محبت مطلوب میں کمی ہو یعنی محبت عقلیہ میں اور تم بحمد اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ ہو پھر کیوں پریشان ہوتے ہو۔

اور یہاں سے ان لوگوں کو غلطی معلوم ہو گئی جو کہ محض محبت طبعیہ کو کافی سمجھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ دہلی میں ایک دفعہ بعد نماز جمعہ میرا بیان ہوا جس میں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ؀[1] اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

کا بیان تھا اور تکمیل ایمان کی تاکید اور اہل کمال کی صحبت اختیار کرنے کی

---

[1] سورہ توبہ، آیت ۱۱۹

ترغیب تھی۔ تحریرات تو ان ہی باتوں کے خلاف بیان ہوا اور یہ کہا گیا کہ اے
لوگو! تقویٰ کی ضرورت نہیں۔ نہ نماز روزہ کی ضرورت ہے صرف محبت رسول
اللہ ﷺ کی ضرورت ہے۔ پھر چاہے شراب پیو، چاہے کچھ کرو تم ضرور جنت
میں جاؤ گے اور یہ واہیات ہے جو نرالی نہیں۔

ان لوگوں نے میرے خلاف تو یہ بیان کیا تھا مگر احمقوں نے میرے جلانے
سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی مخالفت کی اور حضور ﷺ کی روح اطہر
کو ایذا دی۔ بھلا مجھے اس سے جلنے کی کیا ضرورت تھی۔ آخر یہیں سے وہ
جہنم میں جلیں گے۔ میں نے جو مضمون بیان کیا تھا اپنی طرف سے نہیں کیا تھا
بلکہ قرآن و حدیث سے بیان کیا تھا۔ اس کی مخالفت کرنے سے میرا کیا
نقصان ہوا۔ اگر نقصان ہوا تو انہی کا ہوا۔

پس یہ حالت نہایت افسوسناک ہے کہ محض محبت کا نام یاد کر لیا اور اطاعت کا
وقت آیا تو احکام نبوی ﷺ کی صریح مخالفت کرنے لگے۔ غرض جو شخص
احکام کا مطیع ہو اس کو محبت مقصودہ حاصل ہے۔ اب اگر بعض آثار میں کمی بھی
ہو تو پریشان نہ ہونا چاہیے۔ بعض لوگوں کو اپنی نسبت محبت نہ ہونے کا ایک
اور واقعہ سے بھی وہم ہو جاتا ہے وہ یہ کہ ان کو حضور ﷺ کی طرف زیادہ
کشش نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف کشش زیادہ ہوتی اور بعض کو اس کے
برعکس حالت سے خدا تعالیٰ کی محبت نہ ہونے کا وہم ہو جاتا ہے۔ سو یاد رکھو یہ
محبت طبعیہ کی کیفیات میں تفاوت ہے اور محبت عقلیہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ
ﷺ دونوں کی دونوں شخصوں کو حاصل ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف
کشش زیادہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف کم اور اس کو بھی جس کو حضور
ﷺ کی طرف کشش زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف کم اور یہ دھوکہ حضرت
رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو بھی ہوا تھا۔ انہوں نے بھی محبت طبعیہ و عقلیہ کے فرق کی
طرف التفات نہیں کیا تھا۔

اس کا واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک دفعہ انہوں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا تو خجلت کی وجہ سے آنکھیں نیچی کر لیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے میرے دل پر اتنا غلبہ کیا ہے کہ آپ کی محبت کی بھی جگہ نہیں چھوڑی۔ حضور ﷺ نے ان کو تسلی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اے رابعہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنا عین میرے ساتھ محبت کرنا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے تو اس میں حکم رسول اللہ ﷺ کی طاعت ہے اور یہی محبت عقلیہ ہے"۔[1]

اسی طرح ایک ملفوظ کے ذریعے عقلی محبت کے متعلق فرمایا کہ اس سے مراد وہ محبت ہے جو کہ کامل اطاعت کا سبب ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

حدیث میں آتا ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ[2]	تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کے باپ اور اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس حدیث میں جو محبت کو شرط ایمان قرار دیا گیا تو عام طور پر لوگ اس محبت سے محبت طبعیہ مراد سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ محبت عقلیہ کاملہ مفضی الی الطاعۃ الکاملۃ مراد ہے۔ کیونکہ محبت طبعیہ تو بعض اوقات فاسق فاجر کو بھی حاصل ہوتی ہے۔ پھر محبت عقلیہ جو شرط ایمان کامل ہے وہ بھی مطلق محبت عقلیہ نہیں بلکہ محبت عقلیہ کا وہ درجہ جو کامل اور مفضی الی الطاعۃ الکاملۃ ہو۔ باقی محبت طبعیہ کو شرط الایمان کہا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لیے کہ محبت طبعیہ غیر

[1] اشرف علی تھانوی، دیارات قربت، بعنوان "تعظیم الاعمرو" ص ۴۲۳، ۴۲۴ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، سن طباعت صفر المظفر ۱۴۰۶ھ بمطابق نومبر ۱۹۸۵ء

[2] مشکوٰۃ، ج اول، باب کتاب الایمان ص ۱۲

اختیاری ہے۔ اگر ایمان کو محبت طبعیہ کے ساتھ مشروط کیا گیا تو ایمان غیر اختیاری ہو جائے گا۔ حالانکہ ایمان مامور بہ ہے اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے۔ غرض یہاں محبت عقلیہ کاملہ مقتضی اس اطاعت کاملہ مراد ہے اور یہی محبت عقلیہ مقصود بھی ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرات صحابہ کو جو محبت حضور ﷺ سے تھی اصل کمال اور فضیلت ان کی یہی محبت عقلیہ تھی اور گو صحابہ کو محبت طبعیہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ تمام عالم سے زیادہ تھی مگر ان کی محبت طبعیہ پر بھی غالب محبت عقلیہ تھی اور حضرت زلیخا کو جو محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی وہ محبت طبعیہ تھی۔ پھر فرمایا کہ محبت عقلیہ کو دوام ہوتا ہے اور ہمیشہ ترقی کرتی رہتی ہے بخلاف محبت طبعیہ کے کہ اس کو دوام نہیں غیر اختیاری ہے۔ ①

جب عقلی محبت کو شرط ایمان قرار دیا گیا ہے تو اس محبت کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اندر پیدا بھی فرمایا ہے چنانچہ ایک وعظ میں مولانا تھانوی نے کئی شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا

"اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ایسی محبت کا وجود ہمارے اندر ہے بھی یا نہیں کیونکہ بعض اوقات ایسے قرائن سے انسان کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ میرے اندر خدا اور رسول ﷺ کی محبت نہیں۔ مثلاً اپنا بیٹا اپنے سے جدا ہو جائے تو اس کی جدائی اور مفارقت سے باپ کو کتنا رنج اور صدمہ ہوتا ہے لیکن حضور ﷺ کی جو ہم کو زیارت نصیب نہیں ہوئی جو بظاہر مفارقت ہے اس سے اتنا رنج نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر باپ مر جائے تو کتنا رنج ہوتا ہے مگر حضور ﷺ کی وفات شریفہ کا حال سن کر اتنا رنج نہیں ہوتا۔ اسی طرح اپنی اولاد کا فاقہ ہم سے دیکھا نہیں جاتا مگر حضور ﷺ کے فاقہ کا حال جب ہم سنتے ہیں تو اتنا

① ملفوظات حکیم الامت جلد ۲ ص ۲۲۳ ملفوظ ۳۳۸

رنج نہیں ہوتا اور صحابہ کی سی حالت محبت میں ہماری تو نہیں معلوم ہوتی کیونکہ
صحابہ میں حضور ﷺ سے طبعی اور عقلی دونوں قسم کا تعلق اور ہم کو عقلی تعلق اور محبت
تو حضور ﷺ کے ساتھ ہر مومن کو ہے ہی، مگر پھر بھی اس میں شبہ ہو جاتا ہے کہ
طبعی تعلق بھی ہر مومن کو حاصل ہے یا نہیں۔ سو اس شبہ کا جواب میں میرا دعویٰ
ہے کہ بحمد اللہ طبعی تعلق اور محبت بھی ہر مومن کو خدا اور رسول ﷺ سے ہے گو
صحابہ ﷺ کے برابر نہ ہو۔ مگر ہے ضرور جس کا مشاہدہ کرایا جا سکتا ہے۔ مثلاً
ایک مسلمان کو اپنی اولاد سے خواہ کتنی ہی محبت ہو لیکن اگر وہی اولاد خدا اور
رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کر بیٹھے تو پھر دیکھئے باپ کو کس قدر
غصہ آئے گا کہ اتنا اپنی گستاخی کرنے پر ہرگز نہ آتا۔ تو دیکھئے اگر اس باپ کو
حضور ﷺ سے طبعی محبت نہ تھی تو اتنا غصہ کیوں آیا اور اس کے تن بدن میں
آگ کیوں لگ گئی اور بعض واقعات حاضرہ میں تو اس طبعی محبت کے آثار کا
خوب اچھی طرح مشاہدہ ہو گیا کہ جو لوگ نماز کے پابند نہ تھے روزہ کے پابند
نہ تھے نہ وہ حضور ﷺ کے اوصاف سے واقف، نہ فضائل ان کو معلوم، مگر ان
کے اندر بھی اس طبعی محبت کے وہ آثار ظاہر ہوئے کہ لوگ حیران رہ گئے۔
دوسرے کی جان لینے اور اپنی جان دینے سے زیادہ ہو گیا تیار ہوں گے
حضور ﷺ کی معرفت ان کو بہت تھوڑی ہی حاصل تھی اور محبت ... ہے
معرفت سے تو جب تھوڑی معرفت پر اتنی محبت کا ظہور ہوا تو ... معرفت
ہوتی تو خدا جانے کس قدر محبت کا ظہور ہوتا۔

اب یہاں ایک شبہ پیدا ہوا کرتا ہے کہ صاحب عوام تو سب کچھ کر گزرتے
ہیں اور خواص دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں تو اس کی کیا وجہ، تو کیا ان کو ایسی محبت
نہیں؟ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ عوام کی نظر میں تو صرف ایک ہی چیز ہوتی
ہے یعنی محبت لہٰذا وہ اس کے مقتضاء پر عمل کرنے لگ جاتے ہیں اور خواص کی

مگر محبت کے ساتھ عظمت بھی ہوتی ہے لیکن خواص کی نظر میں ایک ہی چیز
نہیں ہوتی بلکہ دوسری چیزیں بھی ہوتی ہیں مثلاً وہ بعض مواقع پر دیکھتے ہیں
کہ اگر مقتضائے محبت پر عمل کیا گیا تو اس سے مسلمانوں کو بمقابلہ نفع کے
ضرر زیادہ پہنچ جانے کا۔ تو خواص کی نظر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں جو عوام کی طرح
جوش سے کام کرنے سے ان کو روکتی ہیں کیونکہ تنہا جوش کافی نہیں بلکہ ہوش سے
کام لینا بھی ضروری ہے ورنہ کاروائیوں سے نقصان اُن کو پہنچتا ہے۔
غرض قاعدہ یہ ہے کہ معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے تو جب ناقص معرفت
سے اتنی محبت پیدا ہوتی تو کامل معرفت سے کتنی ہوگی۔ یہی جیسے عقلی محبت کا
تحقق ہر مومن میں ہے اسی طرح واقعات سے یہ بھی ثابت ہے کہ طبعی محبت
بھی خدا اور رسول ﷺ سے ہر مومن کو حاصل ہے۔ البتہ جہاں اس کا ظہور
نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہاں دوسری چیزیں اس پر غالب آ جاتی ہے
اور یہ محبت مغلوب ہو جاتی ہے جیسے راکھ کے اندر چنگاری دبی ہوتی ہو تو
ظاہر میں آگ نہیں ہوتی۔ مگر اس کا وجود ضرور ہے۔ تو ظہور اور چیز ہے اور
وجود اور چیز۔ یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمانوں کو حضور ﷺ سے طبعی محبت نہیں ہاں
ظہور بعض اوقات نہیں ہوتا۔"

محبت عقلی کے متعلق ایک صاحب نے سوال کیا۔

"حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے مومن نہیں
ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت
عمر ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے نزدیک تو آپ سب سے
زیادہ محبوب ہیں بجز میری جان کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو تم مومن بھی
نہیں ہو۔ پھر حضرت عمر ؓ نے عرض کیا کہ اب میری جان سے آپ ﷺ

[illegible] بعنوان "[illegible]" ص [illegible] مطبوعہ [illegible]
[illegible]

زیادہ محبوب ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مومن بھی ہو گئے۔[1]

اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس محبت کی نفی فرمائی ہے وہ محبت عقلی تو ہو نہیں سکتی۔ اس واسطے کہ وہ تو ہر مومن کو ہوتی ہے ورا گر وہ طبعی محبت مراد لی جائے تو اس کی نفی تو صحیح ہے مگر پھر اثبات درست نہیں کیونکہ بالبداہت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ محبت نہ تھی چنانچہ انہوں نے خود ہی اس کا اقرار کیا تھا اور اتنی جلدی عادۃً تغیر ہو نہیں سکتا"۔

اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے مولانا تھانوی نے فرمایا کہ:

"حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اول اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ محبت طبعی مراد ہے اس لئے انہوں نے صاف صاف عرض کر دیا کہ مجھے ایسی محبت تو ہے نہیں۔ جب اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ تم مومن بھی نہیں ہو تو معا اپنی کمال ذکاوت سے ان کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ حضور ﷺ کی مراد محبت عقلی ہے کیونکہ جس قدر اعلیٰ درجہ کے قائل مؤثر تھے اسی قدر اعلیٰ درجہ کے مخاطب بھی مؤثر تھے۔ اس لئے زبان سے حب طبعی و عقلی کی تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ فوراً دل سے سمجھ گئے۔ پس فرمایا کہ اب ہے مجھے ایسی محبت۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب تم مومن بھی ہو۔ الحاصل جملہ منفیہ میں حب طبعی کی نفی ہے اور جملہ مثبتہ میں حب عقلی کا اثبات ہے"۔[2]

ایک اور وعظ میں حب عقلی اور حب طبعی کا فرق بیان کرتے ہوئے مولانا تھانوی نے اس پر ایک واقعہ سنایا۔

"میرے پاس ایک دن میں چند خطوط آئے تھے جن کی شان نزول ایک تھی اور مضمون بھی قریب قریب تھا اور سب میں ہدیہ دینے کے متعلق سوال تھا کہ ہم کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتے ہیں اگر اجازت ہو مگر ہر خط میں رقم کی مقدار مختلف تھی۔ اس اختلاف کے سوا اور سب باتیں یکساں تھیں۔ اگر میں نے

---

[1] شیخ محمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، جلد [illegible]، طبع [illegible] ۱۳۶۵ھ

[2] اشرف علی تھانوی، بوادر النوادر، ص ۱۰۴۳-۱۰۴۲، مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، طباعت ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ، اگست ۱۹۸۵ء

میرے متعلق چند مضمون مقرر نہ کیے ہوتے تو خوش خلقی سے لکھ دیتا کہ ہاں بھیجو، جو تحریر بدون انشراح و اطمینان کے ہو قبول نہیں کرتا اس لیے میں نے لکھا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ میرے پاس ایک ہی دن کی ڈاک میں اس مضمون کے چند خط آئے ہیں جو سب ایک ہی جگہ سے روانہ ہوئے اور یکساں شان خط ہے اور مضمون بھی قریب ہے تو کیا مشورہ اور تحقیق کر کے یہ خطوط لکھے گئے ہیں اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو اس صورت میں یہ جواب میں قبول نہیں کر سکتا۔ اس جواب کے بعد اور تو سب خاموش ہو گئے کسی نے بھی کچھ جواب نہ دیا مگر ایک شخص کا خط آیا اس نے لکھا کہ یکساں خط اور یکساں مضمون ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ گاؤں ہے ہم لوگ کو لکھنا آتا نہیں اور لکھنے والا کبھی کبھی ملتا ہے، جب کوئی لکھنے والا دستیاب ہوتا ہے تو سب آدمی اسی سے خطوط لکھوا لیتے ہیں۔ یہ بات تو معقول تھی جو میرے مضمون کے خلاف نہ تھی مگر آخر میں ایک مضمون ایسا لکھا جو میرے مضمون کا موید تھا وہ یہ کہ اس نے یہ بھی لکھا کہ "لیکن اور سب کا تو جوش ختم ہو گیا اور قلم باقی نہیں رہی اس لیے سب خاموش ہو کر بیٹھ رہے اور میرا جوش بھی باقی ہے اور قلم بھی محفوظ ہے میں پیچھا نہیں چھوڑوں گا"۔ اب میرا ارادہ ہے کہ اس کا جواب لکھوں گا مگر اسی وقت آنا اور پوچھا ہے کہ تم مجھ کو بیعت کیوں نہیں لیتے ہو تم کو مجھ سے کیا تعلق ہوا اور خیر میں یہ بھی لکھ دیا کہ دوسرے لوگوں کے جوش کی حالت دیکھ کر اب تو تم کو معلوم ہوا کہ میرے معمولات صحیح ہیں اور یہ کہ میں نے یہ اصول کیوں مقرر کیے ہیں تو اس واقعہ میں آپ نے دیکھ لیا کہ جوش تو چند روز میں ختم ہو گیا مگر محبت عقلی باقی رہی۔

اور یہیں سے معلوم ہو گیا کہ ذکر میں جوش و خروش مطلوب نہیں۔ ذاکرین اس کمی سے پریشان نہ ہوا کریں، کیونکہ جوش کا اکثر قاعدہ ہے کہ جب تک مطلوب حاصل نہیں ہوتا اسی وقت تک رہا کرتا ہے حصول مطلوب کے بعد

جوش نہیں رہا کرتا۔ ہاں اگر مطلوب سے تعلق رہے تو بجائے شوق کے انس پیدا ہو جاتا ہے۔ پس اس کا کم ہونا محرومی کی علامت نہیں بلکہ وصول کی علامت ہے۔ شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ذاکر نے شکایت کی کہ حضرت اب وہ پہلا سا جوش نہیں رہا تو فرمایا کہ تم کو خبر بھی ہے" پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے" اور ظاہر ہے کہ محبت تو ماں کے ساتھ بھی ہوتی ہے مگر اس میں جوش نہیں ہوا کرتا... سو ذکر کی یہی حالت ہے کہ اس میں اوّل ہی اوّل جوش وخروش ہوتا ہے پھر سکون ہو جاتا ہے اس لیے محبت طبعی سے محبت عقلی انفع ہے کیونکہ محبت طبعی کا منشا جوش طبیعت ہے اور جوش ہمیشہ نہیں رہا کرتا اور محبت عقلی بناء علی الکمالات ہوتی ہے تو جب تک کمالات باقی ہیں اس وقت تک محبت بھی رہے گی اور محبوب حقیقی کے کمالات ختم نہیں ہو سکتے تو ان کی محبت بھی ختم نہ ہوگی"۔[1]

---

[1] اشرف علی تھانوی، رسالہ "الابقاء" بعنوان (التعبیہ والتنبیہ) ص ۱۲-۱۳، ج ۲۹، ماہ جون سنہ ۱۹۵۵ء مطابق ماہ شوال سنہ ۱۳۷۴ھ مکتبہ تھانوی کراچی

اختیاری وغیر اختیاری امور

"یہ قاعدہ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیار میں ہوں اور فضول نہ ہوں ان کا تو قصد کرے اور جو اختیار میں نہ ہوں ان کا ہرگز قصد نہ کرے اس طرح اگر زندگی بسر کرے تو اس کا دین و دنیا دونوں درست ہو جائیں"۔

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

❋❋❋❋❋

فصل دوم

اختیاری و غیر اختیاری امور

مولانا تھانوی اپنے طریقہ اصلاح و تربیت میں اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ جن چیزوں کا حصول اپنے اختیار میں نہ ہو ان کے پیچھے نہ پڑے بلکہ ان کاموں کی فکر کرنی چاہیے جو اپنے اختیار میں ہوں۔ اس اصول کو مولانا تھانوی نصف سلوک بلکہ کل سلوک قرار دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہی کاموں کے کرنے کا حکم اور ان ہی امور کا ذمہ دار قرار دیا ہے جو انسان کے بس اور اختیار میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہے مگر اس کی طاقت کے مطابق)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کام کسی انسان کے بس ہی میں نہیں اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہیں دیتے بلکہ اسی کام کا حکم دیتے ہیں جو انسان کے بس میں ہے۔

مولانا تھانوی اس اصول کو اس قدر وسعت دیتے ہیں کہ ہر کام میں وہ اس بات کو خود بھی پیش نظر رکھتے ہیں کہ جو امور اختیاری نہیں ان کے پیچھے خود بھی نہیں پڑتے اور سالکین و مسترشدین کو بھی اپنے ملفوظات و مکتوبات اور مواعظ کے ذریعے ہدایت کرتے ہیں کہ ان چیزوں کے پیچھے مت پڑو جو تمہارے اختیار میں نہ ہوں۔ اگر کوئی طالب اصلاح اپنی برائی بیان کر کے آپ سے اصلاح کا طالب ہوتا تو فرماتے کہ اس برائی سے رکنا تمہارے اختیار میں ہے یا نہیں؟ اگر اختیار میں نہیں ہے تو پھر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور اگر اختیار میں ہے تو اپنے اختیار کو کام میں لاتے ہوئے ہمت سے کام لو اور اس سے رکنے کی کوشش کرو۔ مولانا کی اس تعلیم پر عمل کرنے سے انسان بہت سی ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ایسا شخص کبھی مایوس نہیں ہونے پاتا۔

ل سورۃ البقرۃ ۲۸۶

لیکن قبل اس کے کہ ہم مولانا کے اس اصول کا جائزہ لیں اس شبہ کا ازالہ کر دیا جائے کہ بندہ کے افعال کو اختیاری کہنا کس حد تک صحیح ہے۔ چنانچہ مولانا ہی کے الفاظ میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے جب مولانا سے دریافت کیا کہ:

''بندہ کے افعال کو اختیاری کیوں کہا جاتا ہے جبکہ بندہ کا وہ اختیار حق تعالیٰ کے اختیار کے تابع ہے تو بندہ پھر مختار کہاں رہا، لہٰذا بندہ کے افعال بندہ کے اختیار میں کیسے سمجھے جا سکتے ہیں؟

مولانا نے ارشاد فرمایا:

قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت عقلاً علت قریبہ کی طرف کی جاتی ہے اور ان افعال کی علت اختیار عبد ہے اور اس اختیار عبد کی علت حق تعالیٰ کا اختیار ہے تو اختیار حق ان افعال عبد کی علت بعیدہ ہوئی اور علت قریبہ ان کی بندہ کا اختیار ہوا اس لیے افعال کو بندہ کے اختیار کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے وہ انسان کے بس اور اختیار میں ہیں اور جو چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں اللہ جل شانہ نے نہ تو ان کا حکم دیا ہے اور نہ ان کے پیچھے پڑ کر ان کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ دین میں مقصود بھی نہیں ہیں چنانچہ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا:

''جن چیزوں کی تحصیل تکمیل کا حکم ہے وہ مامور بہ ہیں اور اختیاری ہیں اور جو اختیاری نہیں وہ مامور بہ نہیں نہ وہ مقصود فی الدین ہیں مگر جن چیزوں کی تکمیل کا امر ہے وہاں ان کی تکمیل کا بھی کوئی نہیں کر سکتا اور نہ ناز کر سکتا ہے کہ میری نجات کا مدار میرے اعمال پر ہے۔ نجات کا مدار فضل خداوندی پر ہے۔ واقعی اپنے اعمال کی بدولت کون جنت کو پا سکتا ہے۔ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لن یدخل الجنة احد بعملہ یعنی کوئی بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ولا انت یا رسول اللہ،

---

[1] الافاضات الیومیہ، ج ۱۰، ص ۲۰۳، ملفوظ ۱۳۳

کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ حضور ﷺ نے اپنے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ یعنی نہ میں مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں چھپا لیا ہے۔[1] اب کس کا منہ ہے اور کس شمار میں ہے۔ بس معلوم ہو گیا کہ ایسے خیالات حق میں سدِّ راہ ہیں۔ اپنے کام میں لگنا چاہیے اور یہ لگنا ساری عمر کے لیے ہے۔ بس اسی میں اپنی عمر کو ختم کر دے۔"[2]

مولانا تھانویؒ نے اپنے اسی حکیمانہ اصول کے ذریعے کہ غیر اختیاری امور کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اور اختیاری امور پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے طالبین اصلاح کے بہت سے روحانی و باطنی امراض کا علاج کیا اور بہت سے لوگوں کی اصلاح ہوگئی۔ نیز اسی اصول کی بنا پر بہت سی جزئیات اخذ کیں۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا

"انفعالات (یعنی کیفیت اس فعل کا اثر طبیعت پر ہونا) غیر اختیاری اور افعال اختیاری ہیں اور وہی اس طریق میں مطلوب ہیں۔ انفعالات مطلوب نہیں ان کی فکر میں پڑنا خود اپنے لیے پریشانی خریدنا ہے۔"[3]

غیر اختیاری انفعالات کو قرب میں دخل نہ ہونے کی مثال دیتے ہوئے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا:

"انفعالات کو قرب میں دخل نہیں جیسے اگر نماز میں کوئی کیفیت نہ ہو نہ وجد کی ہو نہ استغراق (بے خودی یا محویت) تو نماز میں کیا نقص وہ نماز کامل ہے۔ ان انفعالات کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص حسین ہو اور سرکاری دفتر میں ملازم ہو تو اس کو حسن کی وجہ سے تنخواہ تھوڑا ہی مل رہی ہے۔ اور نہ حسن کی

---

1. مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۵ باب الاستغفار مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
2. الافاضات الیومیہ ج چہارم ص ۲۹۰۔۲۹۱ ملفوظ نمبر ۳۰۵
3. مفتی محمد شفیع مجالس حکیم الامت ص ۲۳۳ دارالاشاعت کراچی سن طباعت ۱۳۹۴ھ

جب سے تنخواہ میں ترقی ہوئی وہ تو جو کچھ بھی ہے کام کی بدولت ہے وہاں دفتر میں کوئی سفارش تھوڑی ہے بلکہ قابلیت کی منفعت ہے"۔[1]

اسی بناء پر ذاکرین و شاغلین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ اپنی خواہش سے کسی حالت کی تمنا یا طلب نہ کریں بلکہ جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالیٰ وارد فرمائیں اسی کو بہتر جانیں چنانچہ فرمایا:

"بعض لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں اور کسی خاص حالت اور ثمرہ کے حاصل نہ ہونے پر جس کو غلط فہمی سے انہوں نے مقصود سمجھ رکھا ہے غمگین ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اصل مقصود رضائے حق ہے جس کا طریق ذکر و اطاعت ہے جس کو یہ حاصل ہے سب کچھ حاصل ہے۔ تو ان کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ان کو ذکر اور اطاعت کی توفیق تو دی ہے۔

اگر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے کوئی خادم اس امر کی شکایت کرتے تو فرماتے کہ خدا تعالیٰ کا شکر کرو اس نے اپنا نام لینے کی توفیق تو دی ہے اور فرمایا کرتے کہ جس طاعت کے بعد پھر دوسری طاعت کی توفیق ہو تو یہ طاعت سابقہ کے قبول کی علامت ہے۔ تو قبول کتنی بڑی نعمت ہے"۔[2]

اسی طرح ایک صاحب کو جنہوں نے خط کے ذریعے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ عبادت کی دلی رغبت اور شوق پیدا ہو جائے آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

"یہ امر غیر اختیاری ہے اس کے درپے نہ ہوں"۔[3]

ملکات رذیلہ چونکہ غیر اختیاری ہیں لہٰذا اس پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے

[1] الافاضات الیومیہ ج اول ص ۲۲۵، ملفوظ ۳۲۲

[2] [illegible] کے آداب، مصدر ص ۵۲-۵۳ صفحہ دیکھ لیجئے ادارہ بازار دہلی پہلا ایڈیشن ۱۹۶۳ء

[3] مجالس حکیم الامت ص ۳۰۳-۳۰۵

اقتضاء پر عمل کرنے پر مواخذہ ہوگا۔ لہٰذا رذائل کا ازالہ ناممکن ہے اور نہ ہی بندہ اس کا مکلف ہے۔ چنانچہ رذائل نفسانیہ کے متعلق فرمایا:

''ملکات رذیلہ پر مواخذہ نہیں کہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ افعال پر مواخذہ ہے جو اختیاری ہیں۔ ملکات رذیلہ کے مقتضاء پر بس عمل نہ ہونے دے باقی اس فکر میں نہ پڑے کہ ملکات رذیلہ زائل ہو جائیں کیوں کہ وہ زائل نہیں ہوا کرتے البتہ مجاہدات اور تکرار مخالفت نفس سے مضمحل ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ جبلی ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی البتہ افعال جبلی نہیں اُن پر اختیار ہے۔ اُن کا صدور نہ ہونے دے اور نہ اس غم میں پڑے کہ میری جبلت ہی کیوں ایسی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں اُن کی اس میں سینکڑوں حکمتیں ہیں تیز رذائل نفس سے کون خالی ہے کم وبیش سب میں موجود ہیں۔ الا ماشاء اللہ کیونکہ نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے فعل میں نہ لائے جائیں اور اُن کا ظہور بذریعہ صدور اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں۔ جیسے دیا سلائی میں سب مادے جل اٹھنے اور بھڑک اٹھنے کے موجود ہیں لیکن اگر اس کو رگڑا نہ جائے تو چاہے جیب میں لیے پھرے، کوئی اندیشہ نہیں۔ ہاں اس کی ہر وقت تحت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔''[1]

ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا:

حضرت ہزار ہا عیوب ہیں، کبھی عجب ہوتا ہے کبھی کچھ کبھی کچھ۔ کہاں تک ان کا ازالہ ہو سکے۔ تو فرمایا:

''قصد اذہاب (دور کرنے کا ارادہ) ضروری ہے۔ ذہاب (دور ہونا) ضروری نہیں۔ ازالہ کی کوشش اور قصد کرنا چاہیے۔ باقی ازالہ ہو جانا یہ اپنے اختیار کا نہیں ہے انسان امور غیر اختیاریہ کا مکلف نہیں ہے۔''[2]

---

[1] اشرف السوانح: ج اول، ص ۲۸۸

[2] اشرف علی تھانوی: ملفوظات مقالات حکمیہ و مجادلات معدلۃ حصہ دوم، ص ۱۴۳ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور سنہ طباعت ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۹۷۷ء

اسی اصول کی بنا پر ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا کہ بیماری میں صبر کرنا اختیاری ہے لیکن ساتھ ساتھ اس کی بھی وضاحت کر دی کہ کس حد تک اختیاری ہے اور کس حد تک غیر اختیاری ہے چنانچہ فرمایا

"لوگ سمجھتے ہیں کہ بیماری میں صبر کرنا اختیار سے خارج ہے یہ غلط ہے۔ صبر یہ نہیں کہ اس تکلیف کو کوئی اثر ہی ظاہر نہ ہو۔ یہ بیشک اختیار سے خارج ہے۔ اسی حد تک آدمی صبر کا مکلف ہے جہاں تک کہ اس کا اختیار ہے۔ مثلاً اگر شدت تکلیف میں کراہے یا بضرورت اپنا حال ظاہر کرے یا بے اختیار تڑپے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی آدمی خدا تعالیٰ کی شان میں بے ہودہ کلمات منہ سے نکالنے پر مجبور نہیں۔ یہ فعل اس کا فعل اختیاری ہوگا۔ اگر ایسا کریگا تو گنہگار ہوگا۔ یہ شخص اتقیا و اختیاری کا ایسے وقت بھی مکلف ہے۔ مثلاً کسی کے گردہ میں درد ہے تو اس کو چاہیے کہ صبر کرے اور قضا و قدر پر راضی رہے اور جو افعال اس سے بے اختیار سرزد ہوں مثلاً تڑپنا چلانا یہ خلاف رضا نہیں۔ یہ فعل طبعی ہے۔ خلاف رضا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی شکایت دل میں ہو۔ مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ مثلاً یوں سمجھے کہ مجھ ہی کو اس مصیبت کے ساتھ خاص کیوں کیا گیا میں نے کیا خطا کی تھی اور لوگ بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یا زبان سے شکایت کے کلمات کہے۔ یہ باتیں بیشک رضا کے خلاف ہیں جن میں طبعاً انسان مجبور نہیں۔ باقی تڑپنا اور چلانا طبعی بات ہے یعنی طبعاً انسان اس میں مجبور ہے۔ غرض مصیبت میں صبر کرنا اور حدود شریعہ کا خیال رکھنا یہ اتقیا و اختیاری ہے۔"[1]

ایک نکتہ یہ بیان فرمایا کہ تبلیغ کرنا تو اختیاری ہے اور ثمرہ مرتب ہونا غیر اختیاری ہے۔ لہٰذا تبلیغ کو مقصود سمجھا جائے جو اختیاری ہے اور ثمرات کو مقصود نہ سمجھا جائے جو کہ

---

[1] اشرف علی تھانوی، مولانا، [illegible] التحقیق، ص ۸۰، ج ۲۹، [illegible] مکتبہ تھانوی کراچی [illegible]
[illegible] ۱۹۵۸ء

غیر اختیاری ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"تبلیغ کرنے کے بھی حدود اور اصول ہیں ہم کو ہر چیز کی تعلیم دی گئی ہے اور تعلیم بھی وہ جو نہایت پاکیزہ۔ بڑے بڑے فلاسفر اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ دیکھیے حضور ﷺ کو قرآن پاک میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ آپ اس فکر میں نہ پڑیے کہ یہ ایمان ہی لے آئیں آپ تو حکم پہنچا دیجیے اگر نہ مانیں تو چھوڑ دیجیے چاہے دوزخ میں جائیں۔

جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ [1]

اور ان پر غم نہ کیجیے اور جو کچھ تدبیریں کیا کرتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوجیے۔

نیز فرمایا:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ [2]

تو آپ (بھی ان کی فکر میں نہ پڑیے) بلکہ نصیحت کر دیا کیجیے (کیونکہ) آپ تو صرف حکم کرنے والے ہیں (اور) آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (جو زیادہ فکر میں پڑیں)۔

کس قدر پُر مغز اور پاکیزہ تعلیم ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ ثمرہ مرتب ہونے کو مقصود نہ سمجھا جائے۔ اس صورت میں کام کرنے والے کو بھی الجھن نہیں ہو سکتی اور نہ ہمت ٹوٹ سکتی ہے۔ اس کے خلاف میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ثمرات کو مرتب ہوتے دیکھا جائے تو کام کرتے رہیں اور اگر ثمرات کو مرتب ہوتے نہ دیکھا جائے تو ہمت توڑ کر بیٹھ جائیں تبلیغ کرنا خود مقصود مستقل ہے۔ یہی ہمیشہ اپنے بزرگوں کا مسلک رہا۔ اس باب میں ان کی نظر میں ایک ہی ثمرہ تھا یعنی خدا کو راضی کرنا اور یہ ہر وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ خواہ تبلیغ مؤثر ہو یا نہ ہو اور

---

[1] سورہ النحل: آیت ۱۲۷

[2] سورہ الغاشیہ: آیت ۲۲

اصل بات یہ ہے کہ جو کام اختیاری ہے اس کی تو انسان تکمیل کر سکتا ہے اور غیر اختیاری کی فکر میں پڑ کر اصل مقصود سے دور جا پڑتا ہے۔ سو تبلیغ کرنا تو اختیاری ہے اور ثمرہ مرتب ہونا غیر اختیاری۔ تو اختیاری کو کرے غیر اختیاری کے درپے نہ ہو ورنہ وہ اختیاری بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔“ ١؎

ایک صاحب جو اپنی اولاد کی وجہ سے پریشان تھے مولانا سے عرض کیا:

”حضرت میرے لڑکے بہت ہی بدشوق ہیں تعلیم کی طرف ان کو قطعاً التفات اور رغبت نہیں اس سے میرا قلب پریشان ہے۔“

جس پر مولانا نے فرمایا:

”قلب کے پریشان اور مشوش رکھنے کی کیا ضرورت ہے مومن کو پریشان کرنے والی چیز بجز ایک چیز کے اور کوئی چیز نہیں وہ حق تعالیٰ کی عدم رضاء ہے۔ اس سے تو مومن کی قلب میں جتنی بھی پریشانی ہو اور جو بھی حالت ہو وہ تھوڑی ہے اور جبکہ رضاء کا اہتمام ہے اپنی وسعت اور قدرت کے موافق تو کوئی وجہ نہیں کہ مومن کا قلب پریشان اور مشوش ہو۔ اس لیے کہ تدبیر ہمارے ذمہ ہے۔ مثلاً تعلیم اولاد کے لیے شفیق استاد کا تلاش کر دینا۔ کاغذ قلم دوات کا مہیا کر دینا کتابیں قرآن شریف کا خرید دینا اور مزید برآں عمل کے منافع اور علم دین کے فضائل سنا کر ترغیب دے دینا۔ وقتاً فوقتاً نگرانی اور دیکھ بھال کر لینا۔ بس اگر یہ سب کچھ ہے تو ہم صرف اسی کے مکلف تھے آگے ثمرہ کے ہم ذمہ دار نہیں اس لیے کہ ثمرہ کا مرتب ہونا نہ ہونا یہ ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اختیاری کاموں کو انسان کرلے اور غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑے۔ اصل سبب پریشانی کا غیر اختیاری کاموں کے درپے ہونا ہے۔ بھائی اکبر علی مرحوم بہت ہی دانشمند تھے اپنے بچوں کی تعلیم کے اسباب جمع کر دیے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اسباب سب جمع ہیں اب یہ

١؎ الافاضات الیومیہ ج چہارم ص ٢٢٩ ملفوظ ٣٣٩

پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ تشدد سے کام نہ لیتے تھے۔ اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اب یہ پڑھیں یا نہ پڑھیں ان کو اختیار ہے مجھے کوئی حسرت نہیں۔ واقعی بڑے ہی کام کی اور سمجھ کی بات ہے۔ بھائی مرحوم کی باتیں قریب دانشمندی کی ہوتی تھیں۔ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ زیادہ کاوش اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ صاحب علم ہونا ضروری نہیں مسلمان ہونا ضروری ہے۔"[1]

نیز چونکہ وسوسے بھی غیر اختیاری ہیں اس لیے کسی قسم کا وسوسہ خواہ کفر ہی کا وسوسہ کیوں نہ ہو انسان کے لیے مضر نہیں۔ چنانچہ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا:

"وساوس غیر اختیاریہ چاہے کفر ہی کیوں نہ ہوں اگر یہ شخص صراط مستقیم سے نہ ہٹے تو وہ گمراہ نہیں بلکہ میں تو توسع کر کے کہتا ہوں کہ یہ عین قوت ایمانیہ کی دلیل ہے کہ باوجود مزاحم کے پھر اس راہ پر لگا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں گھبرانا نہیں چاہیے اور قوت وہمت کے ساتھ راہ طے کرتا ہوا چلا جائے۔ بڑا اجر ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان کی کوئی حالت غیر اختیاریہ ایسی نہیں کہ وہ محمود نہ ہو اور اس پر اس کو اجر اور ثواب نہ ہو اسی کو فرماتے ہیں۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست راہ طریقت (اللہ کے راستے) میں چلنے
بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست والوں کو جو بھی احوال پیش آئیں ان کے
لیے بہتری کا باعث ہیں۔ صراط مستقیم پر
چلنے والوں میں سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا

کام میں لگے رہنے کی ضرورت ہے لگے رہو جو کچھ بن پڑے کیے جاؤ۔ ایک صاحب کا مقولہ مجھ کو تو بہت ہی پسند آیا کہ وہ تو ایسا دریا ہے کہ کیے جاؤ اور لیے جاؤ۔ واقعی کمی کیا ہے کوئی لینے والا چاہیے مگر محض قیل وقال سے کام نہیں چلتا ہے۔ پھر دیکھو کیا کچھ عطا ہوتا ہے۔ کام کرنے اور نہ کرنے پر ایک مثال یاد آئی۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں بھوکا ہوں مگر جو روٹی مجھ کو دی جائے اس کا

---

[1] الافاضات الیومیہ جلد اول' ص ۲۲۰ـ۲۲۱' ملفوظ ۳۴۸

قطر چار انگشت کا ہو۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اس کو بھوک نہیں ورنہ قیل وقال نہ کرتا۔ ارے بھائی روٹی ہونا چاہیے وہ ایک بالشت کی ہو یا چار انگشت کی ہو۔ اسی طرح جنت میں تو پہنچ جاؤ چاہے وہ درجہ داہنے ہو یا بائیں، نیچے ہو یا اوپر"۔[1]

اور مولانا تھانویؒ نے نہ صرف یہ کہ وساوس کے غیر اختیاری اور غیر مضر ہونے پر زور دیا بلکہ ان وساوس کا سہل ترین علاج بھی تجویز فرمایا تاکہ وساوس کے مضر اثرات سے بچا جاسکے۔ چنانچہ ایک طالب اصلاح جن کی زندگی وساوس اور خیالات فاسدہ کے ہجوم نے تلخ کر رکھی تھی اور اپنی اصلاح سے تقریباً مایوس ہو چکے تھے۔ ان کے لئے یہ علاج تجویز فرمایا:

"جب تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد اور اختیار سے کسی نیک خیال کی طرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہیے۔ اس کے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا نئے آویں ان کا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے۔ کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع ہو نہیں سکتے۔
بس اشتباہ رفع ہو گیا اور اگر بالاختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جائے تو جب متنبہ ہو ذہول (غفلت) کا تدارک توبہ واستغفار سے کرلے۔ پھر اسی تدبیر پر استحضار (یاد دھانی کرنے) سے کام لیا جائے۔ یہ طریق عمل اس قدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ پس اس کو دستور العمل بنا کر بے فکر ہو جانا چاہیے۔"[2]

ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب امور اختیاریہ ارادہ سے صادر ہوتے ہیں اور بار بار عمل کرنے سے ایک قسم کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اعمال بلا اختیار اس طرح سرزد ہونے لگتے ہیں کہ ان کے لیے ارادہ کی ضرورت نہیں ہوتی تو پھر ایسی صورت میں ان اعمال کا اجر کم ہونا چاہیے۔ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ

---

[1] الافاضات الیومیہ' جلد اول' ص ۲۲۹۔۲۳۱ ملفوظ ۳۷۱

[2] مآثر حکیم الامت' ص ۲۳۰۔۲۳۱

نے عجیب جواب دیا ہے ایک سلسلہ گفتگو میں فرماتے ہیں:

"امور اختیاریہ جن کا صدور ارادہ سے ہوتا ہے اس ارادہ کا تعلق شروع میں کافی ہے اور جب تک ان کی ضد کا صدور نہ ہو وہ آخر فعل تک حکماً ممتد رہتا ہے۔ ہر وقت تجدید ارادہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً چلنے کے لیے یک مرتبہ کا ارادہ کافی ہے۔ فرض کیجیے کوئی شخص بازار جانے کے لیے چلا تو کیا ہر قدم پر چلنے کا ارادہ کریگا؟ ہرگز نہیں۔ بس ایک مرتبہ کا ارادہ کافی ہے۔ اُس کے اثر سے برابر قدم اُٹھتا رہیگا بلکہ اگر کوئی ہر قدم پر جدید ارادہ کرے تو مسافت طے ہونا ہی مشکل ہو جائے۔ دیکھ لیجیے چل بھی رہے ہیں اور کسی سے بات بھی کر رہے ہیں یا کتاب یا اخبار بھی دیکھ رہے ہیں اس وقت چلنے کی طرف مطلق بھی التفات نہیں ہوتا۔ اسی سے اس سوال کا جواب نکل آیا کہ ان مجاہدات ریاضات سے جب ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو طبعی طور پر افعال صادر ہونے لگتے ہیں۔ زیادہ اہتمام ومشقت کی بھی ضرورت نہیں رہتی اور اجر کامل موقوف ہے اہتمام اور مشقت پر تو ان لوگوں کو اجر کامل بھی نہ ملنا چاہیے۔

بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیے کہ منتہی کو مبتدی سے کم اجر ملتا ہے کیونکہ مبتدی کو مشقت ہوتی ہے منتہی کو نہیں ہوتی۔ تقریر جواب کی ظاہر ہے کہ جب مجاہدہ اسی ارادہ سے کیا کہ بے تکلف افعال کا صدور ہونے لگے تو وہی مشقت حکماً ہر فعل کے ساتھ ممتد سمجھی جائے گی اور اجر کامل ملے گا اور اپنے کمال میں مبتدی کے اجر سے زیادہ ہوگا کیونکہ مشقت تو امر مشترک ہے۔ ایک جگہ حساً (حقیقۃً مبتدی میں) ایک جگہ حکماً (مجاہدہ نہ ہونے کے باوجود مجاہدہ کا حکم لگایا جائے گا منتہی میں) رسوخ خلق وتحقیت وصورت تشبیہ بالملائکہ کی (جن کی) شان میں وارد ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ۝ شب وروز (اللہ کی) تسبیح کرتے ہیں (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے۔

فضیلت سے زائد ہے۔"[2]

بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اختیاری اعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے داعیہ کے اُمیدوار رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی داعیہ پیدا کر دے گا یا توفیق عطا فرمائے گا تو ان اعمال کا ارادہ کر کے ان کو انجام دیں گے اس لیے خود کچھ ارادہ نہیں کرتے۔

بالفاظ دیگر یوں سمجھتے ہیں کہ تقدیر میں ہوگا تو یہ کام کر لیں گے ورنہ نہیں لیکن مولانا تھانویؒ تعلیم دیتے ہیں کہ اختیاری امور میں ہمت حد تک اختیار کو کام میں لاتے ہوئے پہلے تو ان کا ارادہ کرو پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی پوری کوشش کرو، بجائے تحاشی ہو کہ تقدیر میں ہوگا تو اس عمل کو کر لیں گے ورنہ نہیں، اور بتاتے ہیں کہ اختیاری وغیر اختیاری کا مسئلہ نصف سلوک بلکہ کل سلوک ہے۔ چنانچہ ایک پرچہ کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا:

"اختیاری وغیر اختیاری کا مسئلہ بہت احتیاط کر کے عرض کرتا ہوں کہ نصف سلوک ہے ورنہ کل ہی سلوک ہے۔ اس مسئلہ کے نہ جاننے سے ایک عالم پریشانی میں ہے۔ اس کو میں نے ایک مولوی صاحب کے جواب میں ایک خاص عنوان سے لکھا تھا۔ وہ عنوان یہ تھا کہ اس طریق میں افعال مقصود ہیں جو کہ اختیاری ہیں۔ انفعالات مقصود نہیں جو کہ غیر اختیاری ہیں اور یہ سمجھ کر لکھا تھا کہ عالم ہیں جواب کی قدر کریں گے۔ انہوں نے یہ قدر کی کہ معلوم ہوا کہ یہ طریق بہت مشکل ہے۔ حالانکہ اس خلاصہ سے زیادہ کیا آسان ہوگا؟ مگر انہوں نے اس آسان کو مشکل سمجھا۔

اصل یہ کہ بہت سے لوگ اس کے منتظر ہیں کہ اول دلچسپی پیدا ہو تو کام شروع کریں اور کام اس کا منتظر ہے کہ مجھ کو شروع کریں تو میں دلچسپی کے آثار پیدا

---

[1] سورۃ الانبیاء، آیت ۳۵

[2] الافاضات الیومیہ جلد دوم ص ۲۲۹، ۲۳۰ ملفوظ ۳۲۳

کروں۔ غرض اول دلچسپی پیدا ہو تو کام شروع ہو اور اول کام شروع ہو تو دلچسپی پیدا ہو۔ یہ اس کا منتظر، وہ اس کا منتظر۔ یہ تو ایک اچھا خاصہ دور گیا جو کبھی ختم ہونے والا نظر نہیں آتا۔ اس غلطی میں ایک عالم مبتلا ہے۔ یوں چاہتے ہیں کہ خود داعی ہی کی جانب سے فعل کو اضطراری ترجیح ہو جائے یعنی غیر اختیاری طور پر صادر ہو جائے۔ سو اگر یہ عقیدہ ہے کہ داعیہ پیدا کرنے والا بھی چونکہ خدا تعالیٰ ہی ہے وہ اگر چاہیں گے داعیہ پیدا کر دیں گے نہ چاہیں گے نہیں پیدا کریں گے اس لیے خود کچھ ارادہ ہی نہیں کرتے۔ سو یہ عقیدہ جبری ہو گا۔ اس کا علاج وہی ہے جو ایک حکایت میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے جبری عقیدہ کے مقابلہ میں نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص کسی باغ میں پہنچ گیا اور وہاں پر پہنچ کر اس باغ سے پھل توڑ توڑ کر کھانے شروع کر دیئے۔ اتفاق سے مالک باغ بھی آ پہنچا۔ اس نے دریافت کیا کہ کیوں صاحب! اس باغ کا کوئی مالک بھی ہے؟ اور آپ نے اس سے اجازت بھی لی ہے؟ اس شخص نے کہا کہ باوا! باغ کا مالک کون ہوتا خدا مالک ہے۔ زمین خدا کی، درخت خدا کے، پانی خدا کا، ہوا خدا کی، پھل خدا کے، میں خدا کا، منہ خدا کا، بھوک خدا کی، پیٹ خدا کا، لا فاعل الا اللہ اور لا موجود الا اللہ (سوائے خدا کے کوئی کرنے والا نہیں اور سوائے خدا کے کوئی موجود نہیں) مالک نے کسی کو حکم دیا کہ ہمارا ڈنڈا اور رسی لاؤ، اور ان صاحب کے ہاتھ پیر بندھوا کر دو ڈنڈا، دو ڈنڈا، اب میاں صاحب نے غل مچانا شروع کیا۔ ہائے رے مرا، مالک نے کہا ہائے وائے کیا کرتا ہے میں خدا کا، تم خدا کے، رسی خدا کی، ڈنڈا خدا کا، یہ مار پیٹ بھی خدا کی، لا فاعل الا اللہ لا موجود الا اللہ۔ دو ڈنڈے اور رسید کیے، تب تو میاں صاحب کی آنکھ کھل گئی اور اس جبری عقیدہ سے توبہ کی۔[1]

---

[1] مولانا جلال الدین رومیؒ: مثنوی مولوی معنوی: ج پنجم ص ۳۱۲۔۳۱۳ مطبوعہ نولکشور پریس ... سال طبع سنہ ۱۹۵۳

سمجھ نہیں یہ سب کم فہمی اور بدفہمی کی باتیں ہیں۔ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ اختیار ہے۔ جب اثبات اختیار میں نفس کی غرض ہو اور ایک طرف اختیار کی نفی کرتے ہیں۔ جب نفی میں غرض ہو۔ اس کا علمی جواب تو ہے، مگر عملی جواب زیادہ مناسب ہے جو حکایت بالا میں مذکور ہے۔ اس میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا۔ اول ہی بار میں صحیح ہو جاتی ہے اور آدمی روشنی میں آ جاتا ہے۔ شیطان نے ایک بار کہا تھا کہ میری تقدیر میں سجدہ تھا یا نہیں؟ اگر ہوتا تو میں ضرور کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تھا تو پھر کیوں قصوروار ٹھہرا؟ جواب ملا کہ اب باتیں بناتا ہے۔ اس وقت تیری یہ نیت کب تھی کہ تقدیر کی موافقت کر رہا تھا۔ اس وقت تو تکبر اور شرارت سبب تھا یہ تو اب معلوم ہوا ہے کہ تقدیر میں تھا یا نہیں۔"[1]

اسی طرح ایک ملفوظ کے ذریعے فرماتے ہیں:

"یہ قاعدہ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیار میں ہوں اور فضول نہ ہوں ان کا تو قصد کرے اور جو اختیار میں نہ ہوں ان کا ہرگز قصد نہ کرے۔ اسی طرح اگر زندگی بسر کرے تو اس کا دین و دنیا دونوں درست ہو جائیں، پریشانی تو ایسے شخص کے پاس نہیں بھٹک سکتی۔ یہی خدا سے اپنا دل لگائے رکھے جس کو پریشانی نہ ہوگی دل بھی اسی کا خدا کی طرف لگ سکتا ہے۔ ورنہ پریشانی میں آدمی عبادت بھی نہیں کر سکتا۔ جمعیت بڑی دولت ہے مگر پھر پریشانی بھی وہی مضر ہے جو اپنے اختیار سے لائی جائے اور جس پریشانی میں اپنے اختیار کو دخل نہ ہو وہ ذرا بھی مضر نہیں بلکہ مفید ہے اور ایسے غیر اختیاری امور کے پیچھے پڑنے کا خیال خود جناب رسول مقبول ﷺ کے دل سے نکالا گیا ہے۔ جا بجا ارشاد ہے:

---

[1] الافاضات الیومیہ جلد دوم ص ۲۲۳_۲۲۴ ملفوظ ۳۲۳

(۱) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ؁[۱]
آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں (اور) آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔

(۲) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ○ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ○[۲]
اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے سو (جب یہ بات ہے تو) کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس سے وہ ایمان ہی لے آویں۔ حالانکہ کسی شخص کا ایمان بدون خدا کے حکم (یعنی مشیت) کے ممکن نہیں۔

(۳) وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ○[۳]
اور آپ ان پر (کچھ بطور ذمہ داری) مسلط نہیں کیے گئے۔

(۴) إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۙ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ○[۴]
ہم نے آپ کو ایک سچا دین دے کر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہیے اور ڈراتے رہیے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی۔

سب کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز بندے کے اختیار میں نہیں اس کے پیچھے نہ پڑے، شاید چودھویں صدی میں یہ آیتیں منسوخ ہوگئی ہیں جو ان پر عمل نہیں کیا جاتا! ایک بزرگ کو ان کے کسی مرید نے کسی مقام سے لکھا تھا کہ یہاں کافروں کا بہت زور ہے، دعا فرمائیے۔

---

[۱] سورہ الغاشیہ: آیت ۲۲
[۲] سورہ یونس: آیت ۹۹۔۱۰۰
[۳] سورہ الزمر: آیت ۴۱
[۴] سورہ البقرہ: آیت ۱۱۹

انہوں نے لکھا کہ کیا ہم نے تم کو وہاں نامہ نگاری کے لیے بھیجا ہے؟ کیا تم وہاں کے ایڈیٹر ہو جو اس قسم کی خبریں لکھتے ہو؟ خبردار! جو پھر کبھی ایسی باتیں لکھیں۔ اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیے۔ تمہیں اس سے کیا بحث کافروں کا زور ہو، چاہے شور ہو۔"[1]

پھر اسی اُصول کے ضمن میں مولانا تھانویؒ کا یہ چونکا دینے والا نکتہ بھی ہے کہ دوزخ یا جنت میں جانا بھی اختیاری ہے۔ فرماتے ہیں:

"ایک شخص عمر بھر جنتیوں کے عمل کرتا ہے۔ پھر آخر میں وہ ایک عمل ایسا کرتا ہے جو موجب نار ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسا عمل کرتا ہے اور با اختیار خود ناری ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ کسی غیر اختیاری عمل پر اس کو دوزخ میں بھیج دیا جاتا ہے یعنی ایک تو یہ کہ وہ بات جو موجب نار ہو جاتی ہے وہ چھوٹی بات نہیں ہوتی بلکہ بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بات غیر اختیاری نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں جانا بھی اختیاری ہے اور جنت میں جانا بھی اختیاری ہے۔"[2]

ایک وعظ میں تو مولانا تھانویؒ نے بہت ہی تفصیل کے ساتھ مثالیں دے کر بتایا ہے کہ غیر اختیاری امور کے پیچھے پڑنے اور جو چیزیں اپنے اختیار میں نہ ہوں اُن کے حصول کی فکر کرنے سے پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں:

"امور غیر اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس سے سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وہ حاصل نہ ہوں تو شکایت مت کرو اور جو امور اختیاریہ ہیں ان کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کرو۔ جہاں تک اختیار کو دخل ہے اور جس درجہ میں وہ بھی اختیار سے خارج ہوں اس کے پیچھے مت پڑو۔

یہ اصول سالکین کے لیے بہت ہی کارآمد ہیں اور بالکل صحیح ہیں اس کی قدر اُس وقت ہوتی ہے جب کوئی پریشان ہو چکا ہو۔ اس کے بعد اس کے کان

---

[1] خواجہ عزیز الحسن مجذوب "حسن العزیز" ص ۵۱۳۔۵۱۲ ملفوظ ۷۷۵ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

[2] مآثر حکیم الامت" ص ۲۳۵

میں یہ علوم پڑیں تو اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ پہلے مردہ تھا، اب زندہ ہوگیا۔
ایک مثال سنیئے مثلاً کوئی تہجد کا شوقین ہے تو ظاہر ہے کہ تہجد کا قصد کرنا تو فعل اختیاری ہے۔ لہٰذا اس کو چاہیے کہ ہمت کرے اور آنکھ کھلنے کا اہتمام کرے۔ اس کی تدبیر بھی پوری طرح کرے۔ مثلاً کھانا ذرا سویرے کھائے اور عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو جائے اور کھانے میں دو چار لقمے کم کھائے پانی کم پیئے یہاں تک تو اس کے اختیار میں ہے۔
اب فرض کرو کہ کوئی شخص یہ تدبیریں کر کے سویا اور ارادہ تھا کہ تہجد پڑھیں گے مگر اس پر بھی آنکھ نہ کھلی۔ آنکھ اس وقت کھلی جب تہجد کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ تو اب یہ روتا ہے اور پریشان ہوتا ہے اور کہتا ہے میں بڑا بدنصیب ہوں شاید مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جو تہجد سے محروم رہا۔ لیکن اگر یہ بات اس کے کان میں پڑی ہوئی ہے تو بہت کام دے گی کہ امر غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔ اس کے فوت ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ اس بات کے بتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک بار حضور ﷺ کی نماز فجر قضا کرا دی تا کہ سالکین کو اس واقعہ سے تسلی ہو جائے۔
حدیث میں لیلۃ التعریس کا قصہ مشہور ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ ایک دفعہ مع لشکر کے سفر میں تھے۔ رات کے آخری حصہ میں ایک میدان میں قیام کیا۔ فجر کی نماز کے لیے جاگنے کا پورا اہتمام کیا گیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو اس وقت بیدار رہ کر پہرہ دے تا کہ صبح کے وقت ہم کو اٹھائے۔
حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے لیے تیار ہوئے اور کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے کہ فجر ہو تو میں اذان دوں اور سب کو اٹھاؤں۔ خدا کی قدرت کہ سب تو سو ہی رہے تھے ان کی بھی آنکھ لگ گئی اور ایسے بے خبر سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلے حضور ﷺ کی آنکھ کھلی۔ لوگ

گھبرا گئے اور پریشان ہوئے اور ڈر گئے کہ آج نماز قضا ہو گئی خدا جانے کیا وبال آئیگا۔ حضور ﷺ نے تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں۔ پھر فرمایا لا تفریط فی النوم سونے میں کچھ تقصیر نہیں، کیونکہ غیر اختیاری بات ہے۔ انما التفریط فی الیقظۃ۔ تقصیر تو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہاں سے تھوڑی دور چل کر قضا نماز پڑھی۔[1]

کیا ٹھکانہ ہے اس شفقت کا۔ خدا کی حکمت و رحمت ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ حضور ﷺ کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل سلوک تو ایسا واقعہ پیش آنے سے مر ہی جاتے۔ حق تعالیٰ نے ایک نظیر قائم کر دی، جس سے اہل سلوک کو تسلی ہو سکتی ہے کہ امام العارفین اور سلطان العابدین (ﷺ) کو یہ بات پیش آ گئی تو ہم کیا چیز ہیں؟ اور حضور ﷺ کی فرض نماز قضا ہو گئی تھی۔

اس بات کے کہنے کو تو جی نہیں چاہتا تھا کیونکہ شاید کم ہمتوں کو اس سے سہارا مل جائے مگر جب حدیث میں واقعہ منقول ہے تو یہ دین کی ایک بات ہے اور دین کی بات کو چھپانا دین کے خلاف ہے، اس لیے ظاہر کر دیا۔ نیز جیسا تھوڑے سے ضرر کا احتمال ہے اس سے زیادہ نفع کی امید ہے کیونکہ اہل ہمت کو بعض وقت معمولات کے فوت ہونے سے بہت پریشانی ہو جاتی ہے۔ ان کے لیے اس واقعہ میں بہت کارآمد اور ضروری بات موجود ہے جس سے ان کی زندگی ہو سکتی ہے۔ اس واقعہ سے اس مسئلہ کی پوری تائید ہو گئی کہ امر غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔ آدمی کو چاہیے کہ جتنا ہو سکے کوشش کرے۔ اختیاری اعمال میں کوتاہی نہ کرے اگر اس پر بھی کامیابی نہ ہو تو اب معاملہ اختیار سے باہر ہے۔ اس کے پیچھے نہ پڑے اور کامیابی نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہو۔

---

[1] امام بخاری بخاری شریف جلد اول ص ۸۳ باب الاذان قدیمی کتب خانہ کراچی

جیسا کہ بالا حصہ میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے صبح کی نماز کے لیے تدبیر پوری کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پہرے پر بٹھا دیا یہاں تک تو اختیاری فعل تھا۔ اس کے آگے غیر اختیاری معاملہ تھا۔ جب اختیاری فعل میں کوتاہی نہیں کی گئی اور پھر کامیابی نہیں ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کو رنج و غم کرنے سے منع کیا۔ ان کو تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ کچھ گناہ نہیں ہوا رنج نہ کرو۔ مگر اب تو یہ حال ہے کہ بعض لوگ تہجد کا شوق ظاہر کرتے ہیں، تو پہلے میں ان کو آنکھ کھلنے کی تدبیریں بتلاتا ہوں۔ بعض اس پر بھی شکایت کرتے ہیں کہ ساری تدبیریں کیں مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ تہجد اب بھی قضا ہو جاتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ عشاء کے بعد وتر سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو اس پر ان کے دل کو قناعت نہیں ہوتی اور یوں کہتے ہیں کہ عشاء کے بعد تہجد پڑھنے سے تو جی بھلا نہیں ہوتا۔ اس خود رائی پر مجھے غصہ آتا ہے آخر مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بھائی مجھے چھوڑو اور اس کے پاس جاؤ جو تمہارا جی بھلا کرے۔ خبردار! جو پھر مجھ سے کوئی شکایت کی۔ جب تم کو ایک بات بتائی جاتی ہے تو اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر عمل کرنا نہیں ہے تو پوچھتے ہی کیوں ہو۔"[1]

غیر ضروری یا غیر اختیاری امور کے پیچھے پڑنے سے جو باطنی ضرر ہوتا ہے اس کا مولانا تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں ذکر کیا:

"آج کل لوگ غیر ضروری یا غیر اختیاری باتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ ایسا کوئی عمل بتلا دیا جائے کہ جس سے حضور ﷺ کی زیارت ہو جائے۔ یہ امر غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری کے پیچھے پڑنے سے اندیشہ باطنی ضرر کا ہے اور وہ ضرر یہ ہے کہ ایسی چیزیں موجب تشویش قلب ہو جاتی ہیں اور تشویش اس طریق میں سخت مخل مقصود

---

[1] اشرف علی تھانوی: حقوق الزوجین' بعنوان (کساء النساء) ص ۲۸۳۔۲۸۷' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

ہے۔ دوسرے اگر زیارت بھی ہو جائے تو بیداری میں تو ہو گی نہیں، خواب میں ہو گی اور خواب میں ہونے سے نفع مقصود کیا ہو کیونکہ اس سے کوئی اصلاح تو ہو نہیں سکتی جو کہ اصل مقصود ہے۔ ہاں مطلق زیارت حضور ﷺ کی بلاشبہ برکت کی چیز ہے مگر اس زیارت سے جب کہ اصلاح نہ ہو تو مقصود نفع کیا ہوا آخر کیا کفار عرب کو حضور ﷺ کی زیارت نہیں ہوئی مگر نفع کیا ہوا۔"[1]

---

[1] الافاضات الیومیہ جلد ۷ قسط ۱ ص ۲۳۳ ملفوظ ۲۸۷

وسوسے غیر اختیاری ہیں

"غیر اختیاری فعل پر مواخذہ نہیں ہے اور چونکہ وسوسے بھی غیر اختیاری ہیں اس لیے ان پر بھی مواخذہ نہیں ہے--- وسوسہ کا علاج مسرور ہونا ہے جس کو یہ مرض لاحق ہو اس کے لیے لازم ہے کہ مغموم دل نہ ہو ہمیشہ مسرور وخوش رہے۔"

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

❋❋❋❋❋

فصل سوم

وسوسے غیر اختیاری ہیں

گزشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا تھانویؒ کے اصول تربیت میں اس امر کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے کہ انسان ایسی چیزوں اور ایسی باتوں کے پیچھے نہ پڑے جو اپنے اختیار میں نہ ہوں کیونکہ جو چیزیں غیر اختیاری ہیں وہ نہ تو مطلوب ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم ہی دیا ہے۔ چنانچہ اسی اصل کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ وسوسہ غیر اختیاری ہے۔ اس لیے وسوسہ کو نہ تو اہمیت دینی چاہیے اور نہ اس کے پیچھے پڑنا چاہیے اور چونکہ وسوسے ہر خاص وعام کو ہوتے ہیں اس لیے مولانا نے اس کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے اپنے مواعظ وخطبات اور ملفوظات کے ذریعے تفصیل کے ساتھ مختلف انداز سے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ وسوسوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

نفس کی کسی بُری چیز کی طرف متوجہ ہونا وسوسہ کہلاتا ہے خواہ وہ بات کفر کی ہو یا گناہ کی ہو۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وسوسہ کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ دل پر گزرتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں دو تو ایسی ہیں جن میں آدمی کا کچھ اختیار نہیں اور ان میں آدمی ماخوذ بھی نہیں اور دو ایسی ہیں جن میں آدمی کو اختیار ہے اور وہ ان میں ماخوذ ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ تو راہ میں جا رہا ہے اور ایک عورت تیرے پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے تیرے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر میں پھر کر دیکھوں تو یہ عورت مجھے دکھائی دے تو اس خیال کے پیدا ہونے کو حدیث نفس کہتے ہیں۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ تیری طبیعت میں اس عورت کو پھر کر دیکھنے کی رغبت پیدا ہو اس کو میل طبیعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس رغبت کا پیدا ہونا شہوت ہے۔

تیسری صورت: یہ ہے کہ دل پھر کر دیکھنے کا حکم دے اور یہ حکم ایسی جگہ پر دے کہ جہاں کسی قسم کا خوف وشرم مانع نہ ہو اور یہ ضروری نہیں کہ جس بات کی شہوت متقاضی ہو

دل بھی وہی حکم کرے اور اس بات کو نا چاہے بلکہ دل یہ کہے کہ اسے نہ کرنا چاہیے اور ہم اس صورت کو حکم دل سے موسوم کرتے ہیں۔

چوتھی صورت: یہ ہے کہ پھر کر دیکھنے کا ارادہ کرے اور اگر دل کے اس حکم کو حق تعالیٰ کے ڈر سے اور بندوں کے خوف سے رد نہ کرے گا تو یہ عزم جلد ہی مضبوط ہو جائے گا۔ پس ان پہلی دو حالتوں کے عوض میں جن کو ہم نے حدیث نفس اور میل طبیعت کے نام سے موسوم کیا ہے ماخوذ نہ ہوگا کیونکہ یہ امور اس کے اپنے بس کی بات نہیں اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [۱]

اور کچھ حضرات وسوسہ کی تقسیم اس طرح کرتے ہیں کہ وسوسہ کی دو قسمیں ہیں ایک تو ضروری ہے اور دوسرا غیر اختیاری ہے۔ ضروری یہ ہے کہ ناگہانی بے اختیار نفس میں آ جائے تو اس کو ہاجس [۱] کہتے ہیں لیکن جب وہ ٹھہرے اور دل میں خلجان ہو تو اس کو خاطر [۲] کہتے ہیں اور ضروری کی یہ دونوں قسمیں اس اُمت سے معاف ہیں۔

اور اختیاری یہ ہے کہ وسوسہ دل میں پڑے اور باقی رہے اور اس پر دوام اصرار ہو اور ہمیشہ دل میں خلجان کرے اور اس کے کرنے کی خواہش کرے اور اس کی لذت ومحبت پیدا ہو۔ اس کو ہم [۳] کہتے ہیں یہ بھی اس اُمت مرحومہ سے معاف ہے اور اس پر مواخذہ نہیں اور جب تک اس پر عمل نہ کرے اس کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جاتا بلکہ اگر قصد کے بعد اپنے آپ کو باز رکھے تو اس کے مقابلہ میں نیکی لکھی جاتی ہے اور اختیاری کی ایک قسم عزم [۴] ہے کہ نفس اس کو دل میں خود ٹھہرائے اور اس کے کرنے پر دل کا عزم بالجزم ہو اور سوائے اس کے کوئی مانع نہ ہو کہ اس کے اسباب خارجی اس کو میسر نہ ہوں اور اس کے نفس میں کچھ کراہت اور نفرت نہ ہو۔ اگر اسباب بالفعل موجود ہوں تو ضرور عمل میں لائے۔ اس قسم پر مواخذہ ہے لیکن یہ مواخذہ فعل سے کم ہوگا یعنی جب

۱۔ امام غزالی: کیمیائے سعادت اردو ترجمہ پروفیسر عنایت اللہ مطبوعہ زیر اہتمام حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور، صفحہ ۹۲۳

تک یہ عزم بالجزم دل میں ہے کم گنہگار ہوگا اور جب اس کو کرے گا تو زیادہ گنہگار ہوگا۔[1]

شیطان جس طرح لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی تصنیف "تلبیس ابلیس" میں اُن کو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ وسوسے کس طرح ہر طبقہ کے لوگوں کو یا تو کسی نیکی سے محروم کر دیتے ہیں یا برائی میں مبتلا کر دیتے ہیں نیز ان کے مضر اثرات کو کھول کر بیان کیا ہے۔

بہر حال اپنے اس اصول کی بناء پر کہ غیر اختیاری فعل پر مواخذہ نہیں مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ وسوسے غیر اختیاری ہیں اس لیے وساوس پر مواخذہ نہیں۔

احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُوْرُهَا[2]	بلاشک اللہ تعالیٰ نے درگذر کی میری امت ان وسوسوں سے جو ان کے دل میں صادر ہوتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ نے بہت ہی موثر اور مختلف انداز میں مثالوں کے ذریعے وساوس کے مضر اثرات سے بچانے اور ان کے علاج کی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ آپ کی ان تعلیمات کی بدولت بہت سے لوگ وسوسہ کے مرض سے نجات پا گئے۔ چنانچہ وساوس کی وجہ سے جو پریشانی ہوتی ہے ایک وعظ میں اس کا علاج تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعض دفعہ سالک کو وساوس اور توہمات سے پریشانی ہوتی ہے مثلاً کفر کے خیالات آنے لگتے ہیں جس سے یہ اپنے آپ کو کافر سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حضور ﷺ نے صاف فرما دیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُوْرُهَا	بلاشک اللہ تعالیٰ نے درگذر کی میری امت ان وسوسوں سے جو ان کے دل میں صادر ہوتے ہیں۔

---

[1] مولانا سید زوار حسین: عمدۃ السلوک، حصہ اول، ص ۱۰۳، ایجوکیشنل پریس کراچی، دوم ایڈیشن سنِ طباعت ۱۹۵۹ء۔

[2] مشکوٰۃ شریف، ص ۱۸، باب فی الوسوسہ۔

پس کفر کے وسوسہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ مومن کامل رہتا ہے۔ اس غلطی میں مبتلا ہونے والوں کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کا دھوپ میں یا چولہے کے پاس بیٹھنے سے ہاتھ گرم ہو جائے۔ بس اس کی روح نکلنے لگے کہ اب جان گئی اور مصیبت آئی اب بچنا دشوار ہے۔ جھٹ پٹ حکیم صاحب کے پاس جائے کہ میں سخت مرض میں مبتلا ہوں۔ علاج کر دیجیے۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی کہا ارے میاں! تم تو اچھے خاصے تندرست ہو تم کو بیمار کس نے کہا ہے یہ تو محض تمہارا وہم ہے۔ کہا واہ صاحب! میں تو سخت مریض ہوں بخار چڑھا ہوا ہے مجھے تو خدا کے واسطے جلاب و مسہل دو تا کہ مادہ کا خروج ہو جائے۔ حکیم صاحب نے کہا تم کو یہ حرارت عارضی ہے خود جاتی رہے گی کچھ فکر کی بات نہیں لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو گو مرض نہیں لیکن خود وہم کیا تھوڑا مرض ہے اور اس وہم کا منشا محض ناواقفیت ہے۔

اسی طرح سالک ناواقف کو وساوس سے وہم اور وہم سے غم پیدا ہو جاتا ہے جو کہ گور میں جا سلاتا ہے۔ صاحبو! وسوسہ کا علاج تو صرف بے فکر اور بے التفات ہو کر مسرور وخوش ہوتا ہے نہ کہ غم کو لیکر بیٹھ جانا۔ جتنا فکر کرو گے اتنا ہی غم بڑھتا جائے گا کہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس وخطرات کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

او جدتموه قالوا نعم قال ذاك صريح الايمان[1]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا پاتے ہو تم اس کو۔ (یعنی کیا ایسے خیالات تمہیں آتے ہیں؟) صحابہؓ نے عرض کیا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے۔

---

[1] مسلم بن حجاج قشیری: مسلم شریف مترجم، باب بیان الوسوسۃ فی الایمان، ص ۲۳۹، دار المعرفۃ بیروت

سبحان اللہ! حضور ﷺ نے وسوسے کے غم کا کیا عجیب علاج فرمایا کہ وہ تو پریشان آئے تھے حضور ﷺ نے بشارت کمال ایمان کی سنا کر مسرور واپس کر دیا۔

عارفین وصوفیہ کرام نے اس سے مستنبط کیا ہے کہ وسوسے کا علاج مسرور ہونا ہے جس کو یہ مرض لاحق ہو اس کے لیے لازم ہے کہ محزون نہ ہو ہمیشہ مسرور وخوش رہے تاکہ حدیث پر عمل ہو اور اس کی حالت سنت کے موافق ہو اور اس مسرور رہنے سے وسوسے دفع ہونے کا راز یہ ہے کہ شیطان انسان کو محزون وغمگین رکھنا چاہتا ہے جب تم اس کے خلاف کرو گے اور اس کو اس کی سعی وکوشش میں کامیاب نہیں ہونے دو گے یعنی اپنے کو خوش وخرم رکھو گے رنج وغم نہ کرو گے تو وہ مایوس ہو جاوے گا اور تم کو نہیں ستائے گا۔ سمجھے گا کہ وساوس ڈالنے سے یہ تو الٹا خوش ہوا اور اس کو خوش ہونا گوارا نہیں اس لیے وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا۔ یاد رکھو یہ شیطان وسوسے اس وجہ سے نہیں ڈالتا کہ اپنے نفس سے سوء ظن پیدا ہوا اور تم معاصی سے بچنے لگو بلکہ یہ کمبخت پرانی دشمنی کی وجہ سے دل میں اس لیے وسوسے پیدا کرتا ہے کہ تم کو یاس ہو جاوے حتیٰ کا فر بن جاؤ۔ اس سے بھلائی کبھی متصور نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ اگر یہ کوئی اچھا کام بھی کرتا ہے تو اس میں بھی برائی کا پہلو ضرور مضمر ہوتا ہے۔"[1]

اسی طرح ایک سلسلہ گفتگو میں مولانا محمد یعقوب صاحب" (مولانا تھانویؒ کے استاد) کے ایک وسوسہ کا حال بیان کرتے ہوئے وساوس کا علاج بتاتے ہیں چنانچہ فرمایا:

"ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ وسوسے آتے ہیں قلب میں' میں نے کہا کہ وہ اندر نہیں ہوتے باہر ہوتے ہیں کیونکہ اندر تو صرف عقائد ہوتے ہیں اور میں نے یہ مثال بیان کی کہ جیسے آئینہ پر مکھی بیٹھے تو بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندر ہے مگر حقیقت میں وہ اندر نہیں ہوتی باہر ہوتی ہے مگر جو حقیقت

---

[1] اشرف علی تھانوی' رسالہ "الابقاء" بعنوان (دستور سہارنپور) ص ۲۸۔۳۰' جلد ۲۷' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی' ماہ محرم ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء

سے بے خبر ہے وہ یہی سمجھے گا کہ اندر ہے باقی تکلیف میں خیال کو بہت بڑا دخل ہے۔ مگر خیالی ایذاؤں کا علاج خیال ہی سے ہوتا ہے۔ خیال کو بدل دینے سے بڑی تکلیف سے نجات مل جائے گی۔ بس یہ خیال کیا کرو کو وساوس قلب کے اندر نہیں باہر ہیں اور اگر اندر ہی فرض کرلیا جاوے تو یہ مت سمجھو کہ وساوس باہر سے اندر آ رہے ہیں بلکہ یہ سمجھو کہ اندر سے باہر نکل رہے ہیں۔ اس لیے کہ نکلنے کے وقت بھی تو گھر کے دروازہ پر ہجوم نظر آتا ہے اور اصل علاج تو یہ ہے کہ چاہے آ رہے ہوں یا جا رہے ہوں ان کی طرف التفات ہی نہ کرو نہ جلبا نہ سلبا۔

اکثر لوگ خطوط میں وساوس کی شکایت لکھتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اختیار سے آتے ہیں یا بدون اختیار؟ اور ان کو بُرا سمجھتے ہو یا اچھا؟ وہ لکھتے ہیں بدون اختیار کے آتے ہیں اور ہم بُرا سمجھتے ہیں۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ بس بے فکر رہو۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بار وضو کے بعد یہ وسوسہ ہوا کہ تو موزوں کا مسح کرنا بھول گیا۔ حضرت نے دوبارہ مسح کرلیا۔ اگلے وقت پھر وہی وسوسہ، اب ایک بلا پیچھے لگ گئی۔ اس پر حضرت فرماتے تھے کہ ایک بار عین مصلے پر وہی وسوسہ ہوا۔ خیال ہوا کہ یقیناً یہ شیطانی وسوسہ ہے آج اس پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ شیطان سے مکالمہ شروع ہوگیا وہ کہتا ہے کہ مسح نہیں ہوا کرلو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ نہیں ہوا نہ سہی۔ وہ کہتا ہے جب مسح نہیں ہوا تو وضو نہ ہوا۔ مولانا کہتے ہیں وضو نہیں ہوا نہ سہی۔ کہتا ہے کہ جب وضو نہ ہوا تو نماز نہ ہوگی۔ مولانا کہتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی نہ سہی۔ کہتا ہے کہ گناہ گار ہوگے۔ مولانا کہتے ہیں کہ میں آپ کی خیر خواہی سے باز آیا جہاں اور بہت سے گناہ ہوتے ہیں ایک یہ بھی سہی۔

بس ترکی ختم پھر کبھی وہ وسوسہ نہ آیا تو ایسی صورت میں یہی مناسب ہے۔ بعض مرتبہ رکعت کی تعداد میں نماز پڑھتے ہوئے گڑ بڑ کر دیتا ہے اس کی طرف التفات نہ

کرنا چاہیے ورنہ ہمیشہ کے لئے ایک مرض لگ جائے گا۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ ایسا کرنا حضرات فقہا کی تفصیل کے خلاف ہوگا۔ فرمایا کہ فقہا فرماتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جو وساوس کے مریض نہیں اور صوفیہ ان کے متعلق تجویز کرتے ہیں جو وساوس کے مریض ہیں۔ اس میں کوئی تعارض نہیں اور نہ کوئی شبہ وارد ہوتا ہے۔"[1]

وساوس کا ایک اور علاج ایک دوسرے انداز میں پیش کرتے ہیں اور کئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کرتے ہیں اور بیان بھی کس قدر دلچسپ ہے فرمایا:

"یہ وسوسہ کو بہت ہلکا مرض ہے مگر لوگوں نے اس کو بڑا بھاری بنا لیا ہے۔ جیسے کسی کا دوڑنے میں سانس پھول جائے اور حکیم سے آ کر کہے کہ حکیم جی! مجھے تو دمہ کی بیماری ہوگئی۔ تو حکیم ہنستا ہے کہ احمق یہ تو تیرے دوڑنے سے عارضی حرکت پیدا ہوگئی ہے چند منٹ میں دفع ہو جائے گی یہ دمہ نہیں ہے۔ ایسے ہی مبتدی وسوسہ سے ڈرتا ہے مگر محقق کہتا ہے کہ تم پرواہ نہ کرو التفات نہ کرو اور بے التفاتی سے بھی دفع کا قصد نہ کرو یہ بھی التفات ہے۔ بس یوں ہی بے فکر رہو اگر تمام عمر بھی اسی میں گزر جائے کچھ پرواہ نہ کرو خواہ اسی حالت میں موت آ جائے۔۔۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وسوسے نہ ہوتے تو اچھا تھا میں کہتا ہوں:

عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ[2] یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

مثلاً یہ سمجھ لے کہ اچھا ہوا یہ مرض ابھی ہوگیا مرتے وقت ہوتا تو بڑی پریشانی ہوتی۔ اب اگر مرنے کے وقت بھی وساوس آئے تو یہی خیال ہوگا کہ اچھا یہ تو سسرا وہی ہے جو زندگی میں دق کرتا تھا اور محض ناچیز نکلا۔

---

[1] الافاضات الیومیہ، ج اول، ص ۲۷۲۔۲۷۳، ملفوظ ۳۱۳

[2] سورۃ البقرۃ، آیت ۲۱۶

وساوس سے پریشان ہونے والے اس سے مغموم ہوتے ہیں کہ یہ کلام نفس کر رہا ہے۔ میں نے اس کا جواب دیا ہے کہ نفس متکلم نہیں بلکہ سامع ہے اور متکلم شیطان ہے اور تحدیث کی اسناد نفس کی طرف مجازی ہے۔ جب یہ ہے تو مواخذہ متکلم پر ہے نہ کہ سامع پر۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ہم کسی بادشاہ کی ملاقات کو جا رہے ہوں اور راستہ میں کوئی حاسد جو حاضری دربار سے ہم پر حسد کرتا ہے اور روکنا چاہتا ہے۔ بادشاہ کو گالی دینے لگے تا ہم ہم اس میں لگ جانے سے رک جائیں تو ہم کو چاہیے کہ اس کی طرف التفات نہ کریں۔ ایسے ہی شیطان یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص مجھ میں مشغول ہو ذکر اللہ میں مشغول نہ ہو۔ اس لیے جب بھی وساوس آویں تو یہ سمجھے کہ شیطان کہہ رہا ہے اور میرا قلب سن رہا ہے۔ چنانچہ صاف دلالت ہے کہ وسوسہ شیطان کا فعل ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ وسوسہ ڈالنے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے۔

سلیمان فارانی نے لکھا ہے کہ جب وسوسہ آئے تو خوش ہو کیونکہ شیطان مومن کا دشمن ہے جب وہ اس کو خوش ہوتا دیکھتا ہے تو اس کام ہی کو نہیں کرتا جس سے مومن خوش ہو۔ رہا یہ کہ اس ترکیب کی بھی تو شیطان کو خبر ہے۔ جواب یہ ہے کہ شیطان کو ضمائر وغیرہ کی خبر نہیں وہ عالم الغیب تھوڑا ہی ہے۔ فرشتوں کو بھی جب آدمی پختہ ارادہ کرتا ہے تب خبر ہوتی ہے ورنہ نہیں ہوتی جیسا حدیث کتابت سے معلوم ہوتا ہے اور بعض امور کی خبر پختہ ارادہ کے بعد بھی نہیں ہوتی جیسے ذکر خفی کی نسبت ایک حدیث میں ہے کہ کاتبین اعمال کو بھی اس کا پتہ نہیں ۔

میاں عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

عاشق اور معشوق کے درمیان بعض راز ایسے پنہاں ہوتے ہیں کہ کراماً کاتبین (دو فرشتے ہیں جو نیکی بدی لکھتے ہیں) کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیطان کو بھی دھوکہ ہوتا ہے۔ اسے اپنے کیے کا انجام معلوم نہیں ہوتا۔ یہی وسوسہ ڈالا تو تھا ضرر کے لیے وہاں الٹا مجاہدہ کا نفع ہو کر ثواب مل گیا۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے حضرت معاویہ ؓ کی تہجد کی نماز قضا کرا دی صبح کو انھوں نے آپ رو دیے۔ دوسرے دن تہجد کے وقت حضرت معاویہ ؓ کو خود شیطان جگانے آیا۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہ پوچھی تو بڑی لیت و لعل کے بعد بتایا کہ کل میں نے جو آپ کی تہجد کی نماز قضا کرا دی تھی جس پر آپ بہت روئے تھے تو آپ کو اس رونے سے تہجد پڑھنے سے زیادہ ثواب مل گیا اور مراتب بڑھ گئے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ جتنے ہیں اتنے ہی رہیں بڑھیں تو نہیں۔[1]

غرض انجام کی اسے بھی خبر نہیں کیا ہوگا۔ بزرگوں کے ایسے ہی علوم کی وجہ سے حدیث ہے کہ

فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ[2] — ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔

یعنی محقق ان مکائد پر مطلع کر دیتا ہے جس سے یہ پریشان ہوتا ہے کہ میری ساری ترکیب کری کرائی بیکار ہو گئی۔ اگر وہ یہ سمجھ جاتا کہ یہاں میری یہ تدبیر نہ چلے گی تو وقت کو ضائع نہ کرتا دوسرے کام میں لگ جاتا۔ وہ تو بڑا پرفن ہے وقت کو خراب نہیں کرتا۔ غرض وسوسے سے مومن کو ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

اسی طرح ایک دوسرا قصہ ہے مشابہ وسوسے کے بعضے لوگ کہتے ہیں کہ شیطان مرنے کے وقت پیشاب پلاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مومن جانتا ہے تو

---

[1] مولانا قاری قیام الدین الحسینی تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ ص ۱۱۵ مطبوعہ ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات ملتان طبع جنوری ۱۹۹۱ء، مولانا محمد ظفر اقبال: سیرت امیر معاویہ ؓ اور ان کے دلچسپ واقعات ص ۱۰۵ مطبوعہ بیت العلوم لاہور

[2] امام ترمذی: ترمذی شریف مع ترجمہ اردو جلد دوم صفحہ ۲۲۲، ابواب علم، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور سنہ طباعت اپریل سنہ ۱۹۸۸ء۔

بچے گا کیوں اور اگر نہیں جانتا تو ضرور کیا ہے بلکہ مرتے وقت ایمان بہت زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ وسوسے سے زائل نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسے امور سے ہرگز پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں۔ اگر انسان کے ہوش وحواس درست ہیں تو مومن کفر کو کیوں پسند کرے گا اور درست نہیں تو مرفوع القلم ہے معاف ہے۔ نہ معلوم لوگ اس کمبخت شیطان سے کیوں اس قدر ڈرتے ہیں۔ یہ تو کوئی ڈرنے کی چیز نہیں ہے۔ ایک شاعر نے اس حدیث کا شعر بنایا ہے۔

فان فقیها واحداً متورعاً اشد علی الشیطٰن من الف عابد — ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔[1]

مولانا وساوس کا علاج تو بتاتے ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ وسوسے سے دل کو خالی کرنے کی کوشش خود ایک مستقل وسوسہ ہے اس لئے وساوس کے دفع کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ جب ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ وساوس کے دفع کی طرف اگر متوجہ ہے تو اس میں کوئی ضرر تو نہیں فرمایا:

”وسوسہ سے قلب کو خالی کرنے کی طرف متوجہ ہونا یہ خود ایک مستقل وسوسہ ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ مضر ہے اس لئے کہ پہلے جو وساوس قلب میں آ رہے تھے وہ تو محل تفصیل ہیں کہ آیا اختیار سے آ رہے ہیں یا بدون اختیار کے اور اس کی طرف دفع کے لئے متوجہ ہونا قصد سے ہے گو دفع ہی کا قصد ہو مگر توجہ بقصد تو ہوئی اس لئے مضر رساں ہوا۔

اس کی مثال بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر دفع کی نیت سے بھی ہاتھ لگائے تب بھی وہ لپٹ جائے گا۔ اس کی فکر ہی میں نہ پڑنا چاہئے مثلاً کسی کے قلب میں کفر کا وسوسہ آئے اور وہ اس کے دفع کی فکر کرے یہ تدبیر نافع نہ ہوگی بلکہ اُس

---

[1] اشرف علی تھانوی، جدید ملفوظات، ص ۲۲۳۔ ۲۲۸، ملفوظ ۲۰۲ مطبوعہ اشرف العلوم شعبہ دارالعلوم کراچی

وقت توجہ الی اللہ کی تجدید ہو جائے یا توجہ الی القرآن کرے، توجہ الی الشیخ کر لے یہ تدبیر ان شاء اللہ نافع ہوگی"۔[1]

وساوس کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی عجیب تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے ایک ملفوظ میں فرمایا:

جو چیزیں غیر اختیاری ہیں ان پر مواخذہ نہیں اس لیے کہ انسان غیر اختیاری کا مکلف نہیں، مثلاً نماز میں خشوع ہو تو اس کے سوا دوسری چیزوں کے دیکھنے کی ممانعت ہے مگر ماحول میں جو چیزیں ہیں وہ بلا اختیار نظر آتی ہیں وہ گو مقصود نہیں مگر ان کا انکشاف ضرور ہے مگر بلا قصد ہوتا ہے اس لیے مضر نہیں۔ یہی حکم ہے وساوس غیر اختیاریہ کا اگر دفع نہ ہو تو قلق نہ کرے۔

پھر دفع کی تدبیروں کے متعلق تقریر کی۔ اس میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کیا۔ فرماتے تھے کہ اگر وساوس کا ہجوم ہو اور کسی طرح دفع نہ ہوں اس وقت یہ مراقبہ کرے کہ حق تعالیٰ کی یہ قدرت ہے کہ دل میں کیسی کیسی چیزیں پیدا فرماتی ہیں کہ دریا کی طرح امنڈ رہی ہیں رکتے نہیں تھکتے نہیں۔ بس اس مراقبہ سے وہ سب وساوس مراقبۂ جمال الٰہی ہو جائیں گے۔ واقعی عجیب بات فرمائی آلۂ بعد کو آلۂ قرب بنا دیا"۔[2]

نماز میں وساوس کا علاج یہ تجویز فرماتے ہیں

"جب نماز میں وساوس و خیالات آئیں تو فوراً تصور کرے کہ یہ بھی تو خالق ہی کی طرف سے ہیں"۔[3]

بعض دفعہ وسوسوں کے باعث انسان دعا اور عبادات سے بھی محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اس خیال سے دعا اور عبادت بھی چھوڑ دیتا ہے کہ میری دعا اور میری عبادت کیا

---

1. الافاضات الیومیہ، ج [illegible]، ص [illegible]، ملفوظ نمبر [illegible]
2. ایضاً، ج [illegible]، ص [illegible]، ملفوظ نمبر [illegible]
3. [illegible]

حقیقت ہے؟ ہم تو اس کے قابل ہی نہیں۔ ایک بار ایک شخص نے مولانا سے قرض کی شکایت کی مولانا نے فرمایا کہ دعا کرو۔ اس شخص نے کہا کہ زبان دعا کے قابل ہی نہیں! مولانا نے فرمایا کہ پھر کلمہ کیوں پڑھتے ہو، کیا کلمہ کے قابل ہے اور دعا کے قابل نہیں؟ چنانچہ وہ شخص چپ رہ گیا۔ مولانا نے ایک وعظ میں بہت ہی تفصیل کے ساتھ اس وسوسے کے اسباب پر گفتگو کی ہے اور بہت ہی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

"یہ خیال غلط ہے کہ ہم دعا کے قابل نہیں ہم کیا دعا کریں اور درحقیقت یہ بھی شیطان کا ایک وسوسہ ہے جو ان لوگوں کے دلوں میں تواضع کے رنگ میں ڈالا گیا ہے۔ درحقیقت بعض احوال باطنہ کچھ اس قسم کے ظاہر مشتبہ معلوم ہوا کرتے ہیں کہ ان کو بھلا یا برا قرار دینے میں بڑی سمجھ اور گہری نظر اور شریعت کے احکام کو جاننے کی سخت ضروری پڑتی ہے۔ چنانچہ آیت:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ [1]
اس نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے۔

میں اہل لطائف اس طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر دو امر میں التباس ہو جاتا ہے۔ ایک تو تواضع اور حیاء۔ اس کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتے ہوئے بھی اس کا خیال رہے۔ اپنی عبدیت اور خدا تعالیٰ سے شرم کرنا ملحوظ رہے ورنہ اگر صرف دعا کے وقت تو تواضع کے خیال سے دعا نہ کی جائے اور گناہ کرتے وقت بے باک اور نڈر ہو جائیں تو یہ درحقیقت تواضع نہیں ہے۔ بلکہ کم ہمتی اور سستی ہے۔ شیطان نے برکات دعا سے محروم کرنے کے واسطے ایک حیلہ سکھا دیا ہے۔ لہٰذا اس کا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہیے اور دعا بڑے اہتمام سے کرنی چاہیے کہ وہ خالی نہیں جاتی اور کچھ نہ ہو یہ کیا کچھ کم

[1] سورہ الرحمٰن: آیت ۱۹-۲۰

جب کہ آخرت کے لیے اس کا جزو بن رہے گا۔ چنانچہ واقع میں رضائے
خداوندی پیش نظر ہوتی ہے۔ اور یہ تو ہو سکتی ہے۔ ان باتوں میں فرق
کرنے کے واسطے بڑی ضرورت ہے علم شریعت کی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ بلا حضور قلب نماز نہیں ہوتی

میں بھی یہی حیلہ جو بنا میں لیا ہے نکال لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز چھوڑ
بیٹھے گا۔ لہذا ایسے وسوسوں کا قائل اعتبار نہیں جو کچھ جیسا کچھ ہو سکے کرنا
چاہیے۔ بھلا برا جو کچھ بھی ہو خدا کے دروازے پر آنا چاہیے۔

ایسا شخص ایک غلطی تو یہ کرتا ہے کہ کم ہمتی سے عبادت اور حاجت اور دعا کی
طرف نہیں آتا اور دوسری غلطی یہ کرتا ہے کہ اپنی نسبت گمان کرتا ہے کہ میں
کسی وقت پاک صاف ہو کر حق عبادت ادا کر سکتا ہوں اور ایسے وقت
عبادت کروں گا اور جو عبادت کر رہا ہے گویا زبان حال سے اس کا حق ادا کرنے
کا مدعی ہے اور یہ بڑی غلطی ہے۔ انسان کبھی پورا پاک نہیں ہو سکتا اور اللہ
تعالیٰ کی بارگاہ کے قابل بنے اور اس کا حق عبادت کرنا کیا اس سے ممکن ہے۔
پاک سمجھنے کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى[1] تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (وہی) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

پھر اور ہماری عبادت تو ایسی ہے کہ یہی غنیمت ہے کہ اس پر مواخذہ نہ ہو۔
بعض لوگ یہ سمجھ کر دعا نہیں کرتے کہ قبول تو ہوتی نہیں پھر دعا سے کیا فائدہ۔
سو خود یہی سمجھنا غلط ہے کہ خداوند تعالیٰ دعا قبول نہیں کرتے۔ واقع میں دعا
کی قبولیت میں رکاوٹ ڈالنے والے اسباب خود اپنی ذات میں ہوتے ہیں۔
مثلاً دل سے خشوع و خضوع کے ساتھ جو روح ہے دعا کی دعا نہ کرنا محض

---

[1] سورہ نجم آیت ۳۲

زبان سے کہہ دینا۔ حدیث میں ہے:

ان اللّٰہ لا یستجیب الدعاء من قلب غافل لاہ[1] بیشک اللہ تعالیٰ قلب غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

سو یہ قصور اپنا ہے ورنہ وہ ذات تو سب پر مہربان اور اس کا فیض سب پر محیط ہے اپنے میں قابلیت نہ ہو تو اس کا کیا علاج۔

اور مثلاً گناہ کی بات کی دعا کرنا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے جب تک گناہ اور قطعیہ رحم کی دعا نہ ہو۔[2]

سو بعض دفعہ اکثر دعائیں گناہ کی ہوتی ہیں۔ اب ان کا قبول نہ کرنا ہی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ مثلاً موروثی زمین کے جھگڑے میں مالکانہ قبضے کی دعا خود ایک گناہ ہے۔

ایسے ہی بعض لوگ بزرگوں سے دعا کراتے ہیں کہ ہمارا لڑکا فلاں امتحان میں پاس ہو جائے اس کو ڈپٹی کلکٹری اور تحصیلداری وغیرہ مل جائے۔ سو یہ دعا ہی سرے سے ناجائز ہے کیونکہ حکومت کی اکثر ملازمتیں خلاف شرع ہیں۔

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بزرگوں کے متعلقین بعض ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ حکومت کے عہدوں پر ہوتے ہیں۔ سو اگر یہ نوکری ناجائز ہے تو وہ بزرگ ان کو کیوں نہیں روکتے۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ ہیں تو یہ نوکریاں ناجائز مگر جو لوگ اس میں مبتلا ہیں اور ان کے روزگار کی صورت بجز اس کے اور کچھ ہے نہیں۔ اگر ان کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے گا اور وہ نوکری چھوڑ دیں گے تو بوجہ عدم سبیل معاش وہ اس سے زیادہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے۔ سو درحقیقت ان کو اجازت نہیں دی جاتی بلکہ اور بہت سے بڑے گناہوں سے بچا کر ایک چھوٹے گناہ پر رکھا جاتا ہے۔ ایسی دعا میں خود مشائخ اور علماء کو احتیاط کرنی چاہیے کہ ایسے ناجائز مقدمات اور امور ممنوعہ کے واسطے دعا نہ کیا

---

[1] مشکوٰۃ، ج اول، ص ۱۹۵، باب کتاب الدعوات

[2] ایضاً: ج اول، ص ۱۹۶

کریں کیونکہ گناہ ہوگا اور صاحب حاجت تو صاحب الغرض مجنوں ہو جاتا ہے اس پر اعتبار اور بھروسہ نہیں چاہیے۔ اگر ایسا ہی کسی کی دل شکنی وغیرہ کا خیال ہو تو یوں دعا کریں کہ یا الٰہی جس کا حق ہو اس کو دلوا دیجئے۔ باقی ایسی ناجائز دعا نہ اپنے لیے کرے نہ غیر کے لیے۔ ناجائز امور کی دعا یا دعا کا غافل دل سے کرنا منجملہ ان موانع کے ہے جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی کہ درحقیقت وہ دعا اس کے لئے بہتر نہیں ہوتی اور خلاف حکمت ہوتی ہے۔ اس لیے بوجہ رحمت قبول نہیں فرماتے۔

اس کی ایسی ہی مثال سمجھئے جیسے بچہ انگارے کو اچھا سمجھ کر منہ میں ڈالنے لگے تو شفیق ماں باپ اس کو منع کرتے اور اس کے ہاتھ سے چھین لیتے ہیں"۔[۱]

اسی طرح وساوس کی وجہ سے بعض لوگ اپنے آپ کو ذکر و طاعت کر کے بھی خدا سے دور سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ایک ملفوظ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگر تم خدا سے دور ہوتے تو وہ طاعات وذکر کی تم کو کبھی توفیق نہ دیتے اور یہ طلب تمہارے اندر پیدا نہ کرتے۔ یہ مضمون حضرت حاجی صاحبؒ نے بیان فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ فرمایا کہ جو شخص حج کر کے یہ وسوسہ رکھے کہ نہ معلوم میرا حج قبول ہوا یا نہیں وہ بڑا بدگمان ہے۔ اگر حق تعالیٰ کو قبول حج منظور نہ ہوتا تو وہ تم کو اپنے دربار تک آنے بھی نہ دیتے دور ہی سے دھکے دے دیتے جیسا کہ ہزاروں کو باوجود وسعت و دولت کے حاضری کی توفیق نہیں دی جب حق تعالیٰ نے تم کو اپنے گھر تک بلا لیا تو امید قوی رکھو کہ انشاء اللہ حج قبول ہے۔"[۲]

یہ وساوس کبھی قرب کا باعث بھی بنتے ہیں چنانچہ مولانا خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

۱۔ اشرف علی تھانوی: حقیقت عبادت، بعنوان "معیبات الدعا" حصہ دوم، ص ۳۹۲۔ ۳۹۸، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ لاہور، سن طباعت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

۲۔ اشرف علی تھانوی: رسالہ "الاحیاء" بعنوان (المعرق والمشتق للمحروق والغریق) ص ۲۲، ج اول مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد نمبر ۳ ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ

''مجھے خود اپنی حکایت یاد ہے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے حضرات کی صحبت میسر ہو گئی ورنہ باوجود علم حاصل کر لینے کے بھی اتنا جہل غالب ہوتا کہ خدا کی پناہ۔ وہ حکایت یہ ہے کہ زمانہ طالب علمی میں میں نے ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں جا کر اپنی حالت عرض کی کہ حضرت مجھ پر خشیت بہت غالب ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے کوئی ایسی تدبیر بتلایئے۔ ہم تو اپنے نزدیک بڑی دولت لینے گئے تھے لیکن مولانا نے فرمایا ہیں توبہ کرو توبہ کرو کفر کی درخواست کرتے ہو یعنی بالکل اطمینان ہو جاتا کہ بس اب کیا ڈر ہے ایسی بے فکری تو کفر ہے۔ یہ سن کر بس آنکھیں کھل گئیں کہ جسے ہم بڑی معراج سمجھے ہوئے تھے وہ تو کفر نکلا۔ ایسے ہی بہت سے کفر مزعوم واقع میں خیر ہوتے ہیں وہ کیا وسوسے طالب سمجھتا ہے کہ میں مردود ہو گیا وساوس نے تمام ناس کر دیا میرے ایمان کا ہائے میں کافر ہو گیا۔ حالانکہ ان وساوس کی بدولت دمبدم قرب خدا تعالیٰ کا بڑھ رہا ہے کیونکہ ؏

جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ   بادشاہ کا فضل وکرم بے مقصد ہوتا ہے

اور یہ شخص سخت شکستگی اور بڑے مجاہدہ میں ہے اس لیے قرب بڑھ رہا ہے چاہے مجاہدہ اضطراریہ ہی سہی بلکہ مجاہدہ اضطراریہ تو اور بھی زیادہ نافع ہے۔''[1]

بعض لوگوں کو جب شیطان گناہ کی رغبت دلاتا ہے تو انہیں وسوسے کی وجہ سے یہ دل میں ڈالتا ہے کہ ایک دفعہ جی بھر کر یہ گناہ کر لو گے تو اس سے فراغت حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ مولانا تھانوی اس مغالطہ کا ازالہ کرتے ہوئے ایک صاحب کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''ایک صاحب مجھ کو سفر میں ملے کہنے لگے کہ صاحب اگر کبھی نفس میں گناہ کا تقاضہ پیدا ہو اور تقاضہ کے روکنے سے اس میں اور زیادتی ہو تو ایسی صورت

---

[1] اشرف علی تھانوی رسالہ ''الاء'' بعنوان (آجر المرتع) ص ۶۱، ج ۲۵، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۷۲ھ بمطابق دسمبر ۱۹۵۲ء۔

ہیں اگر ایک بار اس معصیت کا ارتکاب کر لیا جاوے تاکہ قلب فارغ ہو جائے اور یکسوئی کے ساتھ ذکر و شغل میں لگ سکے تو اس میں کیا مضائقہ ہے کیونکہ جب تک وہ تقاضا قلب میں رہے گا اس وقت تک قلب ادھر ہی مشغول رہے گا۔ اور جب تقاضا جاتا رہے گا تو پھر آئندہ معصیت کا بھی اندیشہ نہ رہے گا۔ اس وقت اس معصیت سے استغفار کر لے۔ میں نے کہا توبہ کرو تم قریب بکفر ہو معاصی میں حکمتیں بیان کرتے ہو حق تعالیٰ معاصی کو حرام فرماتے ہیں اور تم اس میں حکمتیں بیان کرتے ہو۔ اگر کوئی کہے کہ معصیت بھی ایک واقعہ ہے اور ہر واقعہ میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر فعل کے اندر دو مرتبے ہوتے ہیں خواہ وہ فعل طاعت ہو یا معصیت ایک مرتبہ خلق کا ہے اور ایک کسب کا تو خلق معصیت میں حکمت بیان کرنا تو فعل حق میں حکمت بیان کرنا ہے یہ تو محمود ہے باقی کسب معصیت میں حکمت بیان کرنا تو یہ قریب بکفر ہے۔ اور درحقیقت یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ گناہ کر لینے سے تقاضا کم ہو جائے گا کیونکہ ارتکاب معصیت سے فی الحال کچھ دیر کو تقاضا کم ہو جائے گا مگر اس کا یہ اثر ہو گا کہ آئندہ کے لیے مادۂ معصیت قوی ہو جائے گا اور جڑ پکڑ جائے گا پھر اس کا ازالہ قدرت سے باہر ہو جائے گا کیونکہ انسان جب تک کوئی گناہ نہیں کرتا اس وقت تک گناہ اس کی نظر میں پہاڑ کی طرح بھاری اور خطرناک ہوتا ہے اور جب ایک دفعہ کر لیا اب ویسا خطرناک نہیں دکھائی دیتا بلکہ معمولی بات ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ارتکاب کے بعد پھر بچنا آسان نہیں۔ اسی کو شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے

شکم صوفیے را زبوں کرد و فرج — ایک صوفی کو پیٹ اور شرمگاہ نے عاجز کر دیا

دو دینار بر ہر دواں کرد خرج — دو دینار تھے دونوں خرچ کر دیئے

یک گفتش از دوستاں در نہفت	چپکے سے ایک دوست نے اس سے کہا
چہ کر دی بدیں ہر دو دینار گفت	ان دونوں دیناروں کا تو نے کیا کیا اس نے کہا
بدینارے از پشت راندم نشاط	ایک دینار سے کمر کی مستی نکالی
بدیگر شکم را کشیدم سماط	دوسرے سے پیٹ کے لیے دسترخوان بچھایا
فرومایگی کردم وابلہی	میں نے کہا کمینہ پن اور بیوقوفی کی
کہ ایں ھمچناں پر نشدواں تہی	کہ یہ تو نہ بھرا اور وہ خالی ہو گئی ہے[1]

یعنی جس چیز کو بھر لیا تھا یعنی شکم کو وہ تو پھر خالی ہو گئی اور جس کو خالی کیا تھا یعنی شرمگاہ کو وہ پھر بھر گئی تو دونوں فعل بے نتیجہ ہوئے اور بالفرض اگر تقاضا نہ بھی رہا تو پھر بھی اس پر خوش نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ تقاضا جاتا رہنا سبب ہے گناہ سے اور تقاضا کا باقی رہنا سبب تھا طاعت سے اس لیے میں جزم کے ساتھ کہوں گا کہ طاعات کے ساتھ تقاضائے معصیت موجب قرب ہے اور معصیت کے ساتھ عدم تقاضا موجب قرب نہیں ہو سکتا بلکہ ارتکاب سے پہلے جو اس تقاضے کی وہ مخالفت کر رہا تھا یہ مقاومت نفس اور مجاہدہ کی ایک فرد تھی جو موجب قرب ہے۔

جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کسی سے کہا کہ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں جب تک روح نہ ہو خالی اٹھک بیٹھک کرنے سے کیا فائدہ۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اس اٹھک بیٹھک کی قدر وہاں پہنچ کر معلوم ہو گی اور ترک نماز تو بڑی سخت چیز ہے۔ اگر اس کی کوئی سنت بھی ترک ہو جاوے تو نماز کا نور کم ہو جاتا ہے۔ گو باطنی ادب محفوظ رہے اور ادائے سنت کے ساتھ اگر باطنی کمی ہو جاوے تب بھی نور میں اتنی کمی نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر ہم مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو گو اس میں ہم کو ہزاروں وساوس آئیں مگر وہ زیادہ قیمتی

---

[1] شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی: بوستاں، ص ۱۰۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

ہوگی اس یکسوئی سے جو بلا جماعت کی نماز میں ہم کو حاصل ہو۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ایک بزرگ تھے مولوی محب الدین صاحب بڑے صاحب کشف تھے۔ انہوں نے ایک بار ارادہ کیا کہ ایک دفعہ دو رکعتیں ایسی پڑھیں جن میں کوئی وسوسہ نہ آئے۔ چنانچہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی جس میں تمام ظاہری و باطنی شرائط کا لحاظ رکھا اور شروع سے اخیر تک کوئی وسوسہ نہ آیا پوری طرح کامیاب ہو گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو عالم مثال کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے کہ دیکھوں اس کی وہاں کیا صورت ہے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک نوجوان پری پیکر حور کھڑی ہے جو حسن میں لاثانی ہے سر سے پیر تک زیورات سے مرصع ہے۔ ہر ہر عضو خوبصورت ہے مگر آنکھوں سے اندھی ہے یعنی آنکھیں تو موجود ہیں اور نہایت خوبصورت ہیں مگر روشنی نہیں۔ انہوں نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا مجملاً تذکرہ کیا۔ حضرت نے فی البدیہہ فرمایا کہ شاید آپ نے یکسوئی کے لئے آنکھیں بند کر لی ہوں گی۔ کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ بس اتنی ہی کمی رہی۔ اگر نماز سنت کے موافق ہو تو گو اس میں لاکھوں وساوس آئیں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس سے جو مسنون طریقہ کے خلاف پڑھی جاوے کیونکہ پہلی نماز اوفق بالسنۃ ہوگی اور یہ ابعد عن السنۃ ہے۔ پہلی صورت میں گو حسن اور زیورات میں کمی ہوتی مگر آنکھوں سے تو اندھی نہ ہوتی دوسری صورت میں حسن زیادہ حاصل ہوا مگر اندھی رہی اور ظاہر ہے کہ اندھی عورت سے گو کیسی ہی حسین وہ سوانکھی عورت افضل ہے گو حسن زیادہ نہ ہو۔ پس خوب سمجھ لو کہ بندہ کی ساری عمر اگر اسی کشتم کشتہ میں گزر جائے اور مقاومت نفس میں مشغول رہے اور تقاضائے معاصی اس کو پریشان کرتے رہیں۔ یکسوئی بھی حاصل نہ ہو تو موجب قرب ہے کیونکہ یہ عمل ہے اور گناہ کے تقاضے پر عمل کر لینے کے بعد جو ایک قسم کا سکون محسوس ہوتا ہے وہ ہرگز قابل قدر نہیں کیونکہ وہ کیفیت ہے عمل نہیں ہے اور کیفیت موجب قرب نہیں ہے پس گناہ سے بچنا بہت ضروری ہے اور جو مبتلا ہو گیا ہو اس کو ہمت کے ساتھ

جلد توبہ کرنا چاہیے۔ گناہ کے بعد اگر بندہ اس وجہ سے توبہ نہ کرے کہ میرے گناہ اس وجہ ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا یہ بھی حماقت اور شیطان کا جال ہے اور حقیقت میں یہ کبر ہے کہ اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ گویا اس نے اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا نقصان کر دیا ہے کہ اب وہ اس کو معاف نہیں کر سکتے۔"[1]

وساوس کے پیدا ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب نفس کو ذکر میں مشغول نہ کیا جائے تو پھر وساوس آنے لگتے ہیں کیونکہ

"علاوہ مشاہدہ کے حدیث شریف میں اس کی تصریح بھی ہے۔

الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس — ابن آدم کے قلب پر شیطان چڑھا ہوا بیٹھا ہے جب وہ ذکر اللہ کرتا ہے اس وقت تو ہٹ جاتا ہے اور جب خالی رہتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر نفس کو مشغول نہ کرو گے تو یہ خود مشغلہ تجویز کرلے گا۔ لیکن اس پر شبہ وارد ہوتا ہے کہ نماز کا تو کوئی رکن بھی ذکر سے خالی نہیں قرأت، تسبیح، تکبیر، تشہد، غرض سب ذکر ہی ذکر ہے مگر باوجود اس کثرت کے ساتھ اس کے مشتمل علی الذکر (ذکر کو مشتمل) ہونے کے سب سے زیادہ وسوسے نماز ہی میں پیدا ہوتے ہیں تو ہم یہ کیسے مان لیں کہ جب کسی کام میں مشغول ہوں تو وسوسہ نہیں آتا۔ اس مادۂ جزئیہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ صحیح نہیں کہ:

جب نفس کو کسی کام میں مشغول نہ کرو گے تب ہی وہ کسی کام میں لگ جائے گا۔

بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم بخت تو کام کے اندر بھی اپنا کام چلاتا رہتا ہے۔

مولانا تھانویؒ اس شبہ کا جواب دیتے ہیں:

---

[1] اشرف علی تھانوی: رسالہ "الابقاء" بعنوان (آثار المحبۃ فی اسرار التوبۃ) ص ۲۷۔۳۰، ج ۲۶، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی ماہ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ مطابق نومبر ۱۹۵۵ء۔

ذکر کیجئے جس یاد کو خواہ وہ قلب سے ہو خواہ زبان بھی اس میں شریک ہو مگر محض زبان سے نہ ہو اگر محض زبان سے یاد ہے تو وہ واقع میں ذکر نہیں بلکہ وہ صورت ذکر ہے۔ اب شبہ جاتا رہا یہ شک دیکھ لیجئے کہ جہاں اور جس شخص کو وساوس آتے ہیں وہاں واقع میں ذکر کا وجود نہیں بلکہ محض ذکر کی صورت ہی صورت ہوتی ہے۔ قلب اس کی طرف مشغول نہیں ہوتا۔ چنانچہ جس نماز میں وساوس آتے ہیں اس میں قلب نماز میں پورا مشغول نہیں ہوتا ورنہ:

اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ آنٍ وَّاحِدٍ — نفس ایک آن میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

(عقلی مسئلہ ہے) کے قاعدہ سے پوری مشغولی کے ساتھ وساوس آ نہیں سکتے۔"[1]

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے قلب میں دنیا کا میلان ہی نہ رہے اور انہیں کوئی گناہ کا وسوسہ بھی نہ آئے۔ مولانا تھانوی اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"بعض لوگ اس کی تمنا کرتے ہیں کہ ہمارے نفس میں دنیا کی طرف میلان ہی نہ رہے گناہ کا وسوسہ بھی نہ آئے بس بالکل پتھر بن جائیں کہ کسی حسین کو دیکھ کر میلان ہی نہ ہو۔ سو یاد رکھو یہ کمال نہیں کمال یہی ہے کہ تقاضا بشریت اور قوت میلان کے ہوتے ہوئے پھر مستقیم رہو۔

مولانا فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است — شہوات دنیا کی حقیقت اس ایندھن کی سی ہے
کہ ازو حمام تقویٰ روشن است — کہ جس سے تقویٰ کا حمام روشن رہتا ہے۔

یعنی شہوت دنیا کی ایسی مثال ہے جیسے حمام کے لیے ایندھن اور ظاہر ہے کہ حمام بدون ایندھن کے گرم نہیں ہو سکتا اسی طرح تقویٰ کے حمام کی گرم

۱۔ اشرف علی تھانوی حقوق و فرائض بعنوان (اصلاح والا صلاح) ص ۵۱۸-۵۱۹
مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ لاہور سن طباعت ۲۴ اپریل ۱۹۹۰ء

بازاری اسی شہوت دنیا سے ہے۔ تو یہ شہوات دنیا موجب نقص نہیں بلکہ یہی موجب کمال ہیں۔ ٹاٹ کا پردہ زانی نہ ہو تو کیا کمال ہے۔ اندھا نظر بد نہ کرے تو کیا کمال ہے۔ وہ تو دیکھنا بھی چاہے تو آنکھیں کہاں سے لائے۔ لنگڑا آدمی ناچ میں نہ جائے تو کیا کمال ہے۔ کمال یہی ہے کہ خدا نے تم کو آنکھیں دی ہیں اور پھر تم غیر محل میں ان کو استعمال نہیں کرتے۔ قوت رجولیت دی ہے اور محل حرام میں اس کو صرف نہیں کرتے۔ چلنے کے لیے پیر دیئے ہیں پھر بھی ناچ میں نہیں جاتے۔ حسن کا ادراک اور اس کی طرف میلان طبیعت میں ہے پھر بھی نامحرم کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے اور جس کو حسن کا ادراک ہی نہ ہو اس کا نہ دیکھنا کیا کمال ہے۔

حاجی صاحب رحمہ اللہ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی جب پیو ٹھنڈا پینا ہر بُن مو سے الحمد للہ نکلے گا اور گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر اندر سے دل ساتھ نہ دے گا۔ پھر فرمایا جس طرح ٹھنڈا پانی نعمت ہے اسی طرح پیاس بھی نعمت ہے کیونکہ اس سے نعمت کی قدر ہوتی ہے۔ اس ارشاد سے پیاس کا نعمت ہونا معلوم ہوا حالانکہ وہ بھی آثار بشریت اور شہوات دنیا میں سے ہے۔"[1]

خطرات و وساوس کا بہترین علاج یہ ہے کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے اور اس کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں:

"قلب کی مثال شاہی سڑک کی سی ہے جس پر امیر غریب شریف رذیل سب ہی چلتے ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ ایک دوسرے کو روکے۔ اگر چمار اور بھنگی بھی چل رہے ہیں تو حرج ہی کیا ہے وہ اپنے راستے جا رہے ہیں یا اپنے راستے چلتا رہے۔ اسی طرح قلب کی ساخت ہی منجانب اللہ اس طرح کی واقع

---

[1] اشرف علی تھانوی: نظام شریعت، بعنوان (الیسر مع العسر) ص ۳۳۸-۳۳۹ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ لاہور سن اشاعت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

ہوتی ہے کہ اس میں اچھے برے سبھی قسم کے خیالات کا ورود ہوتا رہتا ہے۔
کسی کو اس مطالبہ کا حق نہیں کہ میرے قلب میں اچھے ہی خیالات آیا
کریں برے خیالات بالکل آویں ہی نہیں۔ مگر بلا اختیار برے خیالات
آتے ہیں تو کیا ڈر ہے۔ ہاں قصداً برے خیالات نہ لائے نہ قصداً ان کو باقی
رکھے اور پھر اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے۔ خطرات منکرہ
کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ سالک یہ سمجھ کر پریشان ہوتا ہے کہ خطرات
قلب کے اندر سے پیدا ہو رہے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ شیطان ان
خطرات کو قلب میں ڈالتا ہے جیسے کسی کوٹھری میں غبار ہو تو یہ بات نہیں ہے
کہ وہ غبار کوٹھری کے اندر سے پیدا ہوا ہو بلکہ وہ پیدا تو کھیت میں ہوا ہے وہاں
سے لاکر کوٹھری میں بھر دیا گیا ہے۔"[1]

نماز میں وسوسے آنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہم کو ایک تو پاخانہ میں بہت وساوس آتے ہیں اور ایک نماز میں اور اس کا
راز ہے ورنہ ظاہر میں تو اس حالت سے سخت افسوس ہوتا ہے کہ ہماری حالت
نماز میں وہ ہے جو بیت الخلاء میں ہوتی ہے، مگر راز معلوم کرنے کے بعد
زیادہ وحشت نہ رہے گی گو حالت وہ بھی اچھی نہیں۔ راز یہ ہے کہ وساوس اس
کام میں آیا کرتے ہیں جس کے کرنے میں سوچ اور فکر کی ضرورت نہ ہو۔
دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جس کام کی خوب مشق ہو کیونکہ مشق کے بعد
وہ کام تو خود بخود ہوتا رہے گا قلب کو ادھر متوجہ ہونے کی ضرورت نہ ہوگی۔
اب لامحالہ وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہوگا تو ہم کو جیسی پاخانہ کی مشق ہے کہ
سوچنا نہیں پڑتا ایسی ہی نماز کی مشق ہے جس میں کچھ سوچنا نہیں پڑتا بلکہ
جہاں تکبیر کہی فوراً گھڑی کی سوئی کی طرح زبان چلنے لگی گویا تکبیر کہنا کوک
بھرنا ہے اس کے بعد گھڑی خود چلتی رہے گی۔

---

1. اشرف السوانح ج اول ص ۲۹۳۔۲۹۵

اسی لیے اکثر لوگ ہر نماز میں ہی چار سورتیں ہمیشہ پڑھتے ہیں کیونکہ وہ زبان پر چڑھی ہوئی ہیں جو قل ھو اللہ، انا اعطینا، لایلف، والعصر ہی کے اندر اندر محدود ہیں اور یہ اس لیے تجویز کی ہیں کہ ان سے چھوٹی اور کوئی نہیں۔ اگر کوئی سورۃ ان سے بھی چھوٹی ہوتی تو اسی کو تجویز کرتے۔

چنانچہ ایک شخص ہر نماز میں صرف قل ھو اللہ پڑھا کرتا تھا کسی نے اس کا سبب پوچھا کہ ہر نماز میں صرف قل ھو اللہ ہی کیوں پڑھتے ہو۔ کہنے لگا اس لیے کہ اس سے چھوٹی کوئی سورت نہیں ورنہ اسے پڑھتا۔ غرض نماز میں سب کام بے سوچے ہوتے ہیں اس وجہ سے نماز میں وسوسے زیادہ آتے ہیں اگر نماز کو بے فکری اور مشق سے نہ پڑھا جائے بلکہ ہر لفظ کو توجہ اور ارادہ سے نکالا جائے تو پھر وسوسے بہت کم آئیں بلکہ چند روز میں آنا ہی بند ہو جائیں البتہ اس طریق میں گرانی ضرور ہے وجہ یہ کہ توجہ اور فکر سے کام کرنا نفس پر گراں ہوتا ہے اس لیے ایسی نماز بہت گراں ہے۔"[1]

گناہوں کے وساوس کے متعلق یہ معیار قائم کیا کہ اگر ایک ہی گناہ کا بار بار وسوسہ آئے تو وہ نفس کی جانب سے ہے ورنہ شیطان کی طرف سے ہے کیونکہ نفس تو اسی گناہ کا بار بار تقاضا کرتا ہے جس سے اس کو لذت ملتی ہے اور شیطان کو لذت سے کچھ مطلب نہیں اسے بہکانا مقصود ہے چنانچہ ایک سلسلہ گفتگو میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"شیطان تو کم بخت مارا بدنام ہی ہو گیا ورنہ ہم جیسوں کے بہکانے کے لیے تو نفس ہی بڑی چیز ہے۔ شیطان کی بھی ضرورت نہیں۔ شتونگڑے ہی یعنی ذریت شیطان کافی ہیں۔ باقی اگر ان سب کے شرور سے بچنا ہو تو پہلے یہ معلوم کر لینے کی ضرورت ہوگی کہ دشمن مقابلہ پر کون ہے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد مقابلہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ یعنی پہلے یہ معلوم کر لو کہ اس خاص گناہ کی طرف شیطان رغبت

---

[1] اشرف علی تھانوی، رسالہ "الابقاء" بعنوان (مطابع الاقوال) ص ۲۰، ج ۳۰، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی طباعت ماہ محرم سنہ ۱۳۷۹ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۵۹ء۔

خوف ورجاء کی کیفیت

''مسلمانوں کی اصل حالت یہ ہونی چاہیے کہ خوف اور شوق ملا ہوا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر قیامت کے میدان میں یہ پکارا جائے کہ صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو مجھے یہ اُمید ہوگی کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر یہ پکارا جائے کہ صرف ایک شخص دوزخ میں جائے گا تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ وہ شخص میں ہی ہوں''۔

(مولانا اشرف علی تھانوی ؒ)

فصل چہارم

خوف و رجاء کی کیفیت

یہ انسان کی فطرت ہے کہ اگر وہ بہت زیادہ خوف زدہ ہو جائے تو اس پر مایوسی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں پھر یا تو وہ قوت عمل سے محروم ہو جاتا ہے یا ایسی حرکات کرنے لگتا ہے جو اس کی مزید تباہی کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا متوازن تعلق اسی وقت رہتا ہے جب وہ خوف اور رجاء (ڈر اور امید) کے بین بین رہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک وصف کا غلبہ ہو جائے تو توازن بگڑ جاتا ہے۔ اگر رجائیت غالب ہو جائے تو انسان اللہ تعالیٰ کے عدل سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور یہ چیز آدمی کو اباحیت (حلال و حرام کی پرواہ ترک کرنا) کی طرف لے جاتی ہے اور اگر خوف کا غلبہ ہو جائے تو اس سے اس کے اندر مایوسی اور قنوطیت راہ پاتی ہے اور یہ چیزیں انسان کے لیے بڑے خطرے کی باعث ہیں۔ اسی لیے قرآن پاک مایوس ہونے سے منع کرتا ہے جیسا کہ ایک آیت میں ہے:

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ [1] — تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو

نیز ایک دوسری آیت میں ہے:

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ [2] — بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے

نیز ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ اقوام میں سے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ اس نے ۹۹ قتل کیے تھے پھر جب اس کو اپنے جرم پر ندامت ہوئی تو وہ ایک مذہبی پیشوا کے پاس پہنچ کر اس نے دریافت کیا کہ کیا معافی کی کوئی صورت ہے؟

---

1. سورۂ زمر آیت ۵۳
2. سورۂ حجر آیت ۵۶

اس پیشوا نے جواب دیا کہ تم نے اتنے زیادہ قتل کیے ہیں اب معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ جب یہ شخص معافی کی طرف سے مایوس ہو گیا تو کہا کہ جب معافی کی کوئی صورت ہی نہیں تو چلو ایک اور سہی۔ چنانچہ اس نے مذہبی پیشوا کو بھی قتل کر کے سو (۱۰۰) کی تعداد پوری کر دی۔ اس کے بعد پھر ایک دوسرے پیشوا کے پاس پہنچا اور اپنے حالات بیان کیے تو اس پیشوا نے کہا ہاں معافی کیوں نہیں ہو سکتی ہے۔ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے۔ پھر اس کو مشورہ دیا کہ تم اپنی بستی چھوڑ کر فلاں بستی کی طرف چلے جاؤ جو نیک لوگوں کی آبادی ہے۔ چنانچہ معافی کی اُمید میں خلوصِ نیت کے ساتھ اس بستی کی طرف روانہ ہو گیا ابھی تقریباً نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ روح قبض کرنے والے فرشتے آ پہنچے۔ عذاب کے فرشتے نے چاہا کہ وہ اس کی روح قبض کرے کیونکہ اس نے سو (۱۰۰) قتل کیے تھے لیکن رحمت کے فرشتے نے کہا کہ میں اس کی روح قبض کروں گا کیونکہ خالص توبہ کر کے معافی کی اُمید میں اپنی بستی سے نکل گیا تھا۔ ان دونوں کا جھگڑا بڑھا اور معاملہ کسی طرح طے نہیں ہو رہا تھا کہ اتنے میں آدمی کی صورت میں ایک فرشتے نے آ کر ان دونوں کا جھگڑا اس طرح طے کرا دیا کہ دونوں بستیوں کے درمیان کی زمین کی پیمائش کرلو اگر وہ نیکوں کی بستی کے قریب پہنچ گیا تھا یعنی نصف سے زائد راستہ طے کر چکا تھا تو رحمت کا فرشتہ روح قبض کرے ورنہ عذاب کا فرشتہ روح قبض کرے۔ آخر زمین ناپی گئی تو معلوم ہوا کہ نصف سے کچھ زائد راستہ طے کر چکا تھا۔ چنانچہ رحمت کے فرشتے نے اس کی روح قبض کی۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب خوف اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ مایوسی کی حد تک پہنچ جائے تو انسان مزید ظلم کرنے لگتا ہے لیکن اگر معافی کی اُمید ہو تو برائی سے باز رہتا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں فطرتِ انسانی کے پیشِ نظر مولانا اشرف علی تھانویؒ

[1] امام محی الدین یحییٰ ذکریا بن شرف نووی: ریاض الصالحین، مترجم اردو، حدیث نمبر ۲۰ مطبوعہ قرآن محل کراچی

اپنے طریقِ اصلاح میں مواعظ وملفوظات کے ذریعے یا خط وکتابت کے ذریعے مختلف انداز میں یہ امر ذہن نشین کراتے ہیں کہ نہ ہی اتنا خوف دکھانے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائے اور نہ اتنی اُمید کہ گناہ پر دلیر ہو جائے۔

چنانچہ ایک وعظ میں خوف اور اُمید دونوں کی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کی اصل حالت یہ ہونی چاہیے کہ خوف اور شوق ملا ہوا ہو۔ دیکھو! نبیوں کی حالت خدا تعالیٰ بیان فرماتے ہیں

یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا[1] وہ پکارتے ہیں ہم کو شوق اور خوف سے

یہ دونوں باتیں ان میں جمع ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے میدان میں یہ پکارا جائے کہ صرف ایک شخص جنت میں جائے گا۔ مجھے یہ اُمید ہوگی کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر یہ پکارا جائے کہ صرف ایک شخص دوزخ میں جائے گا تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ غرض مسلمان کو ہر وقت شوق بھی ہونا چاہیے اور خوف بھی۔ اور جب یہ ہے تو ہر وقت توبہ و استغفار بھی کرتے رہنا چاہیے اور دین کے کاموں میں بھی پوری کوشش ہونی چاہیے"۔[2]

ایک ملفوظ کے ذریعے فرماتے ہیں کہ خوف حدِ اعتدال کے اندر مبارک ہے۔ جیسا کہ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا:

"یہ بڑی مبارک حالت ہے کہ ہر حالت میں خوف رہے اندیشہ رہے۔ یہ بڑی دولت ہے مگر قصداً خوف کا اس قدر مراقبہ نہیں کرنا چاہیے جو حدِ اعتدال سے بڑھ جاوے۔ اس میں اندیشہ ہے کہ کہیں مایوسی کی نوبت نہ آ جائے مگر اس سے تعطیل تک نوبت آ جاتی ہے۔ ہر چیز کے خواص جدا جدا ہیں اور ہر

---

[1] سورۃ الانبیاء آیت ۹۰
[2] اشرف التفاسیر ... ملفوظات بعنوان "نفس کی اصلاح" جلد سوم ص ۱۳۰-۱۳۱ مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ ... طباعت محرم ۱۳۳۵ھ

چیز کی ایک حد ہے اور حد پر رہنے کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ کسی جاننے والے کے اپنے کو سپرد کر دے۔ جو وہ کہے اس کا اتباع کرے۔ بس اسی میں خیر ہے ورنہ قدم قدم پر خطرہ ہے۔"[1]

ایک خطبہ کے دوران خوف محمود کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"خوف محمود وہی ہے جو معصیت سے روکے اور جو خوف خود باعث معصیت ہو جائے وہ معصیت کی طرح برا ہے۔ اسی واسطے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف۔ بڑھاپے میں تو ویسے ہی کچھ نہیں ہو سکتا اگر اور خوف غالب ہو جائے تو ڈر سے ہی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور امید میں کچھ نہ کچھ کیے ہی جائے گا اور جوانی میں قوت ہوتی ہے خوف کا تحمل ہو سکتا ہے جتنا خوف زیادہ ہوگا نفس کو تنبیہ ہوگی۔ معصیت سے اجتناب ہوگا اور اعمال حسنہ کی کوشش کرے گا۔ ہر وقت کے واسطے تدبیر جداگانہ ہے۔ باطن میں بھی ظاہری طب کی طرح ہے۔ کبھی دوا سرد دیتے ہیں کبھی گرم، کبھی تنقیہ کرنا پڑتا ہے، کبھی تقویت۔ اسی طرح باطنی امراض کی تدبیریں بھی مختلف ہیں۔"[2]

نیز فرمایا:

"میرے مواعظ میں امید کے مضامین بہت ہوتے ہیں۔ ترہیب بہت کم ہوتی ہے۔ میری زیادہ غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو لگاؤ اور محبت حق تعالیٰ سے پیدا ہو جائے۔ گو خیال ہوتا ہے کہ جرأت معصیت پر نہ ہو جائے لیکن لگاؤ اور محبت اگر پیدا ہو جائے تو معصیت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ حضرت حاجی صاحبؒ کا طریق ہے وہاں بس تسلی ہی تسلی تھی، کسی حال میں مایوس نہ

---

1. الافاضات الیومیہ ج ۵، ص ۲۲۴، ۲۲۵، ملفوظ ۲۶۳
2. اشرف علی تھانوی، جزء اسوا، بعنوان "مطالب جنت" ص ۲۹۳، ۲۹۴، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سن طباعت ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

ہوئے دیتے تھے۔ یوں فرماتے تھے کہ ہم لوگ عبد احسانی ہیں۔ احسان اور لطف کے بندے ہیں۔ جب تک آرام اور آسائش میں ہیں تب تو عقائد بھی درست ہیں اور تھوڑا بہت نماز روزہ بھی ہے اور جہاں کوئی مصیبت پڑی بس سب رخصت۔ اس سے بحد حتی الامکان اپنے آپ کو مباح آرام میں رکھنا چاہیے"۔ [1]

ایک وعظ کے دوران رجاء اور خوف کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا:

"طریق جنت کا مدار عمل پر ہے اور رجاء سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور نشاط موجب ازدیاد عمل ہے اور خوف سے انقباض ہوتا ہے اور انقباض موجب تقلیل عمل ہے۔ گو اصل متعلق خوف کا اعمال سیئہ ہیں جس کا مقتضی یہ تھا کہ خوف سے صرف اعمال سیئہ کی تقلیل ہوا کرتی مگر تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ غلبۂ خوف سے جبکہ وہ مفرط ہو جاوے اعمال صالحہ میں بھی تقلیل کا اندیشہ ہو جاتا ہے بلکہ تقلیل کا وقوع ہو جاتا ہے تو جو چیز تقلیل عمل کی طرف مفضی ہو سکے وہ اصل نہیں اسی لیے حضور ﷺ نے رجاء کے لیے کوئی حد نہیں بیان فرمائی اور خوف کے لیے حد بیان فرمائی ہے جو ابھی آتی ہے اور یہی کافی دلیل ہے حضور ﷺ کے افضل الناس و اکمل العقلاء و الحکماء ہونے کی کیونکہ آپ ﷺ نے جو خوف کی حد بیان فرمائی ہے وہ کسی عاقل کے کلام میں نہیں مل سکتی۔ (الا ان یکون نبیا مثلہ) (ہاں مگر وہ عاقل آپ کے نبی ہو) آپ ﷺ فرماتے ہیں

واسئلک من خشیتک ما تحول به بینی و بین معاصیک [2] اے اللہ! میں آپ سے اتنا خوف مانگتا ہوں جو میرے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے۔

یہ حد آپ نے اس لیے بیان فرمائی ہے کہ غلبۂ خوف سے تقلیل کا اندیشہ ہے۔

---

1. خواجہ عزیز الحسن مجذوب: حسن العزیز ج۴ ص ۲۵۶ ملفوظ ۲۷۳ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
2. مشکوۃ ج۱ ص ۲۰۷ باب جامع الدعاء

ہم نے تجربہ کیا ہے کہ زیادہ خوف سے مایوسی ہو جاتی ہے۔ کانپور میں ایک وکیل میرے ہم نام تھے انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تھا اُن کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ خاتمہ بالخیر ہونے سے مایوس ہو چلے اور اس کا نام سن کر تھراتے اور کانپتے تھے۔ ایک دن وہ میرے پاس کتاب لے کر آئے اور حالت یہ تھی کہ کتاب کو کھولتے ہوئے اُن کا ہاتھ کانپتا تھا۔ آخر میں نے تسلی کی جب کچھ اُن کے ہوش و حواس درست ہوئے اور مجھ سے میری اُس تقریر کے ضبط کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ وہ ضبط اور شائع ہو چکی اس کا نام ''خاتمہ بالخیر'' ہے۔

اسی طرح ایک انسپکٹر پولیس پر خوف غالب ہو گیا تھا اور وہ اس غلبہ سے اپنی مغفرت سے مایوس تھا۔ آخر کہنے لگا کہ دوزخ میں تو ضرور جاؤں ہی گا پھر ظلم و رشوت میں بھی کیوں کمی کروں مگر نہ معلوم حق تعالیٰ کو اس کا کونسا فعل پسند آ گیا ہو گا کہ آخر میں توبہ نصیب ہوئی اور خاتمہ اچھا ہو گیا''۔[1]

حجاج بن یوسف کے بارے میں حضرت حسن بصریؒ کے قول کا ایک سلسلۂ گفتگو میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''کسی کو کوئی کیا کہہ سکتا ہے اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ حجاج بن یوسف جس کا ظلم مشہور ہے مگر باوجود اس کے کہ ایک شب میں تین سو رکعت نفل پڑھنا اس کا معمول تھا۔ یہ جس وقت مرنے لگا ہے تو کہتا ہے کہ: اے اللہ! لوگ یوں کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نہیں بخشا جائے گا ہم تو جب جانیں جب ہم کو بخش دو متقیوں کا بخش دینا کوئی عجیب بات نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے تابعی سے کسی نے جا کر کہا کہ وہ یہ کہہ کر مرا ہے۔ فرمایا! بڑا چالاک ہے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں سے جنت بھی لے مرے گا۔ ایک

[1] ''ادوسرا عنوان'' جمال الجلیل'' ص ۶۴۔۶۵

شخص نے بعد مرجانے کے اس کو خواب میں دیکھا۔ دریافت کیا کہ کیا حال ہے
کہا کہ جس قدر مقتولوں میں نے قتل کیے ہیں سب کے بدلے ایک ایک مرتبہ
مجھ کو قتل کیا گیا اور سعید بن جبیر کے بدلے ستر مرتبہ قتل کیا گیا اور سخت تکلیف
میں ہوں۔ پوچھا کہ اب کیا خیال ہے۔ کہا کہ وہی خیال ہے جو سب مسلمانوں
کا خدا کے ساتھ ہے یعنی مغفرت کا امیدوار ہوں اور ضرور مغفرت ہوگی۔

یہ خیال اس شخص کا ہے جو تمہارے نزدیک مبغوض اور مردود ہے وہ بھی خدا
کی ذات سے ناامید نہیں اور یہ خیال تو آج کل کے لمبے لمبے وظیفوں
کے پڑھنے والوں کا بھی خدا کے ساتھ اتنا قوی نہیں۔ اب بتلایئے کوئی کسی کو
کیا تحقیر سے دیکھے۔

خوف حد سے زیادہ بڑھ جائے تو اس کے نقصانات واضح کرتے ہوئے ایک
وعظ میں اس کا علاج بھی تجویز کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''بعض دفعہ غلبہ خوف سے یہ حالت ہو جاتی ہے کہ انسان سمجھ لیتا ہے کہ
میری بخشش تو ہو نہیں سکتی۔ یقیناً میں جہنم میں جاؤں گا پھر گناہوں میں کمی
کیوں کروں۔ جیسے ایک دیہاتی نے کہا تھا پڑھیں تو مریں نہ پڑھیں تو مریں پھر
واتا کر کر کیوں کریں یعنی پڑھ کر بھی ایک دن مریں گے اور بے پڑھے بھی
مریں گے پھر کس لیے پڑھنے میں محنت کریں۔ غرض کہ چونکہ خوف کا افراط
مضر تھا اس لیے اس کو محدود کیا گیا اور رجاء کے لیے کوئی حد نہیں کیونکہ یہاں
یہ اندیشہ تو ہے نہیں کہ غلبۂ رجاء سے بےفکر ہو جائے گا۔ جیسے ایک دیہاتی نے
میاں جی سے کہا تھا کہ میرے لونڈے کو ڈھیر نہ پڑھائیو کہیں لوٹ پوٹ پھکر
(بےفکر) ہو جائے تو یہاں یہ اندیشہ نہیں اس لیے بزرگوں نے خوف کا نام
سوط رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ کوڑا اصل مقصود نہیں ہوتا بلکہ ضرورت کے وقت

۱؎ افاضات الیومیہ جلد پنجم ص ۱۳۲-۱۳۳، ملفوظ ۱۴۳

بقدر ضرورت استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے خوف مانع من المعاصی قبل الموت (موت سے پہلے گناہوں کا روکنے والا) تک مطلوب ہے جب تک کہ عمل ہو سکے اور موت کے وقت کہ وقت انقطاع عمل ہے وہ خوف مطلوب نہیں بلکہ اُس وقت غلبۂ رجاء مطلوب ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

لایموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللّٰہ تعالیٰ — ہرگز تم سے نہ مرتا کوئی شخص مگر وہ اچھا گمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے

شاید اس جگہ کسی کو شبہ ہو کہ بعض دفعہ غلبۂ رجاء سے دلیری و بیباکی پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کے لیے بھی ایک حد ہوئی کہ رجاء اس حد تک مطلوب ہے جس سے دلیری و بیباکی پیدا نہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز سے دلیری و بیباکی پیدا ہوتی ہے وہ رجاء نہیں ہے۔ کیونکہ رجاء بدون عمل کے نہیں ہوتی بلکہ وہ تمنا و غرور ہے پس رجاء کے لیے حد ثابت نہ ہوئی۔

اب سنئے شیوخ میں اس مسئلہ کی بابت اختلاف ہوا ہے کہ غلبۂ رجاء انفع ہے یا غلبۂ خوف۔ بعض نے اوّل کو انفع کہا بعض نے ثانی کو اور ہر ایک نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں۔ الحمد للہ مجھے اس میں فیصلہ منکشف ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ جن لوگوں میں اعمالِ صالحہ کا غلبہ ہو کہ وہ زیادہ تر اعمالِ صالحہ میں مشغول ہیں اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں گو کبھی کبھی ابتلا ہو جاتا ہے اُن پر غلبۂ رجاء انفع ہے اور جن میں اعمال سیئہ کا غلبہ ہے سیئہ کہ زیادہ تر اعمال سیئہ میں مبتلا ہیں اور اعمال صالحہ قلیل ہیں اُن کے لیے غلبہ خوف انفع ہے جب تک کہ اعمال صالحہ کا غلبہ ہو پس جب تک اعمال صالحہ کا غلبہ نہ ہو اُس وقت تک غلبۂ خوف ہی میں اُس کو رکھا جائے گا چاہے کچھ دنوں کے لیے خوف رجاء پر بھی غالب ہو جائے اور اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ میرے اندر رجاء نہیں اس کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ جیسے بعض دفعہ طبیب دوا کو غذا پر غالب کرتا ہے اور استقاط حمل میں تو غذا بالکل بند کر دی جاتی ہے اس کے بعد بھی

رجاء کو غالب کیا جائے گا۔ یہ بات بھی شیوخ کو جو مربی ہیں کہ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کریں۔ اور یہ یاد رکھو کہ غلبۂ رجاء کی حالت میں خوف بھی رہتا ہے مگر غلبِ خوف کو نہیں ہوتا یعنی وہ درجہ نہیں ہوتا جس کو عام لوگ خوف سمجھتے ہیں"۔[1]

ایک صاحب نے خط کے ذریعہ یہ شبہ لکھا کہ حکام مجازی کے سامنے بہت ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اتنا خوف نہیں معلوم ہوتا اس سے شبہ ضعف ایمان کا ہوتا ہے۔ مولانا نے اس کا یہ جواب تحریر فرمایا:

"یہ خوف طبعی ہے جس کا مدار مشاہدہ ہے تو حاکم مجازی کا زیادہ خوف بوجہ مشاہد ہونے کے ہے اور اللہ تعالیٰ کا چونکہ مشاہدہ نہیں اس لیے زیادہ خوف نہیں معلوم ہوتا مگر انسان اس کا مکلف نہیں۔ وہ خوف عقلی ہے جو سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ ہی کا ہے اس لیے شبہ ضعف ایمان کا نہ کرنا چاہیے"۔[2]

ایک موقع پر خوف کی حقیقت واضح کرتے ہوئے ایک وعظ میں فرمایا:

"بعض لوگوں کو غلبہ رجاء کی حالت میں یہ دھوکہ ہو جاتا ہے کہ ہم میں خوف نہیں ہے وہ غلبۂ خوف کے نہ ہونے سے یہ سمجھتے ہیں کہ سرے سے خوف ہی نہیں، ایسے لوگوں کے جواب میں میرا طریقہ یہ ہے کہ اوّل ان سے سوال کرتا ہوں کہ تمہارے نزدیک خوف کے معنی کیا ہیں؟ میں شروع ہی میں حقیقت کو ان پر واضح نہیں کرتا کیونکہ اس کی قدر نہیں ہوتی۔ شیوخ اس کو بھی سن لیں کہ تعلیم کا طریقہ یہ ہے اس سے مخاطب کو قوتِ مطالعہ حاصل ہوتی ہے۔ پھر وہ حقیقت کو خود ہی سمجھ لیتا ہے تمہاری تقلید پر نہیں رہتا۔ تو میں اوّل ان سے ہی پوچھتا ہوں کہ خوف کی حقیقت کیا ہے؟ اب وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارا دل وعید کو سن کر نہیں تھراتا آنسو نہیں نکلتے۔ اس پر میں لکھتا ہوں کہ

۱: جزاء و سزا بعنوان "اعمال مجلس" ص ۹۵ ـ ۹۶

۲: الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۳۳۳، ملفوظ ۵۵۵

کیا یہ امور اختیاری ہیں؟ جواب آتا ہے کہ نہیں اختیاری تو نہیں پھر میں لکھتا ہوں کہ خوف مامور بہ ہے اور غیر اختیاری شئے مامور بہ نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوا کہ جس کو تم خوف سمجھتے ہو وہ خوف ہی نہیں۔ اب وہ سوال کرتے ہیں کہ پھر خوف مامور بہ کی حقیقت کیا ہے؟ اب میں اُن کے سامنے حقیقت کو واضح کرتا ہوں۔

جبکہ وہ یہ تسلیم کر چکے کہ جس شئے کو ہم نے خوف سمجھا تھا وہ خوف نہیں ہے اور ہم نے اُس کو خوف سمجھنے میں غلطی کی۔ اس کے بعد میں بتلاتا ہوں کہ خوف کی حقیقت ہے احتمالِ عذاب کہ انسان کو اپنے متعلق یہ احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی مامور بہ ہے اس کا بندہ کو مکلف کیا گیا ہے اس کا نام خوف عقلی ہے اور اس کے مقابل رجاء کی حقیقت ہے احتمالِ نجات اور ایسا بھی کوئی مسلمان نہیں جس کو اپنے متعلق نجات کا احتمال نہ ہو۔ پس ایسا کوئی مسلمان نہیں جو خوف و رجاء کے درجۂ مامور بہ سے خالی ہو بلکہ سب اصحاب خوف و رجاء ہیں اور یہی درجہ خوف و رجاء کا جزو ایمان ہے اور یہ درحقیقت عقائد میں سے ہے"۔[1]

اسی بحث کو ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ نے ایک دوسرے اسلوب میں اس طرح پیش کیا ہے

"مومن کی ساری زندگی خوف و رجاء کے درمیان گزرتی ہے۔ ہمارے حضرتؒ رجاء کو غالب کرتے تھے اور خوف کو مغلوب فرماتے تھے کیونکہ خوف کا تعلق صرف ماضی سے ہے اور وہ محدود ہے اور رجاء کا تعلق مستقبل سے ہے اور مستقبل اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اور یہ لامتناہی ہے۔ خوف محدود ہے۔ وقتی اور عارضی ہے اور وہ اپنے ماضی سے متعلق ہے جس میں زیادہ تر اپنا ہی مشاہدہ اور مراقبہ ہے۔ اپنی پچھلی زندگی چاہے جس طرح بھی بسر ہوئی ہو اس کی کوتاہیوں سے متعلق مواخذۂ آخرت کے لیے خوف کا ہونا ضروری ہے۔

---

[1] مجموعہ ملفوظات بعنوان "کمال الکمیل" ص ۶۶۔۹۰

غیر کتنے ہوں پھر تو خوف ہونا ہی چاہیے لیکن جب اپنی عبادت پر نظر جاتی ہے تو اس کا اندازہ کر کے دل لرز جاتا ہے کہ ان میں بھی دانستہ و نادانستہ کس قدر شرمناک اور کس قدر افسوسناک خامیاں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امیدوار رہنا چاہیے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کا تدارک بھی ندامت قلبی سے اور توبہ و استغفار سے ہو جائے گا۔ ماضی ایک محدود وقت تھا جو ختم ہو گیا۔ ندامت کے ساتھ توبہ کر کے سیدھے راستے پر آ گئے۔ ماضی کے خوف و خشیت نے دل کی استعداد و صلاحیت کو درست کر دیا اب آئندہ زندگی میں نیک اعمال اور معاصی سے اجتناب کا اہتمام ہونے لگا۔"[1]

---

[1] ڈاکٹر عبدالحی عارفی، افادات عارفی، جلد اول، ص ۲۲۹-۲۳۰، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، اشاعت اول جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ

باب سوم
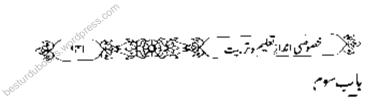
خصوصی اندازِ تعلیم و تربیت

اصلاح حال کے لیے بیعت ضروری یا شرط نہیں ہے

"بیعت سے پہلے کچھ شرائط ہیں ان کی تکمیل کے بعد بیعت کا مضائقہ نہیں اور بدون شرائط بیعت کی درخواست کرنے کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کہے کہ نماز پڑھا دو اس سے کہا جائے کہ پہلے وضو کر لو وہ نماز کے لیے شرط ہے۔ وہ کہے مہربانی کر کے وضو کو حذف کر دو اور نماز پڑھا دو سو وہ شرائط بیعت بھی مثل وضو کے ہیں جو قبل بیعت کے مکمل کرنے چاہیے دوسرے بیعت اسلام میں کوئی واجب بھی تو نہیں۔ بیعت ضروری نہیں بلکہ تعلیم بڑی چیز ہے"۔

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

فصل اول

اصلاح حال کے لیے بیعت ضروری یا شرط نہیں ہے

بیعت دراصل ایک عہد اور قول و قرار ہے جو ایک شخص کسی دوسرے سے اسی کی موجودگی میں کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی صحابہ کرامؓ سے مختلف اوقات میں اور مختلف باتوں کا عہد لیا تھا اس عہد کو بیعت کا نام دیا گیا۔ چنانچہ بیعت عقبہ اور بیعت رضوان تو اسلامی تاریخ میں شہرت رکھتے ہیں۔

قرآن پاک میں مذکور ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۚ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝[1]

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر (بعد بیعت کے) جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت میں) خدا سے عہد کیا ہے سو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گا۔

نیز احادیث میں بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے کبھی ہجرت اور جہاد پر بیعت لیتے تھے اور کبھی اسلام کے ارکان پر قائم رہنے یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے ادا کرنے پر اور کبھی کفار کے ساتھ لڑائی میں ثابت قدم رہنے اور جم کر لڑنے پر اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مضبوط پکڑنے پر اور بدعت سے بچنے پر بیعت لیتے تھے۔

اس طرح جب بیعت لینا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو بیعت آپ کی سنت قرار پائی اور آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے بھی بیعت لی ہے لیکن چونکہ

---

[1] سورہ فتح آیت ۱۰

کسی مجلس شرعی سے بیعت نہ کرنے والے پر گنہگار ہونے کا حکم نہیں لگایا گیا اور نہ ائمہ دین نے بیعت نہ کرنے پر نکیر کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ بیعت واجب تو نہیں لیکن سنت ضرور ہے۔

مولانا تھانوی نے مختلف انداز سے اپنے مواعظ و خطبات میں اور مکتوبات میں بیعت کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے اس کا صحیح مرتبہ و مقام ذہن نشین کرایا ہے اور اس کے متعلق جو غلط فہمیاں لوگوں میں پائی جاتی ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔
بیعت و سلوک کے متعلق جو غلط مقاصد یا غلط فہمیاں لوگوں کے ذہنوں میں پائی جاتی ہیں ان کو دور کرنے کے لیے مولانا فرماتے ہیں:

❀ "نہ اس میں کشف و کرامات ضروری ہے۔

❀ نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے۔

❀ نہ دنیوی کاموں برآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتلا دیا جایا کرے۔

❀ نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے۔ اس کو گناہ کا خیال بھی نہ آئے خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔ مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے یا علم دین و قرآن میں ذہن و حافظہ بڑھ جائے۔

❀ نہ ایسے باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی معیاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے۔ عبادت میں خطرات ہی نہ آویں۔ خوب رونا آوے ایسی محویت ہو جائے کہ اپنی پرائی کی خبر نہ رہے۔

❀ نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے۔

❀ نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا۔"[1]

---

۱ اشرف علی تھانوی، تربیت السالک، ج اول ص ۹، دارالاشاعت کراچی، طبع مارچ سنہ ۱۹۸۶ء

کسی چیز کی غرض و غایت اگر متعین نہ ہو اور اس کا مقصد واضح نہ ہو تو پھر انسان ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا پہلے تو بیعت کا مقصد واضح اور متعین فرما دیتے ہیں تاکہ طالب کا ذہن صاف رہے اور اس کا مقصد متعین اور واضح ہو جائے اور وہ مایوسی یا بددلی کا شکار نہ ہو جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ چونکہ اصل چیز تعلیم ہے اس لیے بیعت ضروری نہیں کہ اس کے بغیر تعلیم ممکن نہ ہو، ہاں بیعت سے اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ بیعت کی وجہ سے شیخ کو طالب سے تعلق زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کی اصلاح کو اپنے ذمہ واجب سمجھ کر اس کی جانب زیادہ متوجہ رہتا ہے چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"اصل چیز تو تعلیم ہے بیعت ضروری نہیں البتہ اس سے تعلق زیادہ ہو جاتا ہے اور شیخ اس کی اصلاح کو اپنے ذمہ واجب سمجھ کر اس کی جانب زیادہ متوجہ رہتا ہے۔ فرمایا کہ میں تو علی الاعلان وعظ کے مجمعوں میں تصوف کے دستور العمل بیان کر دیتا ہوں ہر خاص و عام کے عمل کرنے کے لیے لیکن ساتھ ہی اتنا ضروری ہے کہ خط و کتابت کے ذریعے اپنے حالات سے وقتاً فوقتاً مطلع کرتا رہے جیسا کہ مریض کو طبیب سے اپنے مزاج کا تغیر و تبدل کہتے رہنا لازمی ہے تاکہ وہ مناسب حال نسخہ میں اصلاح کرتا رہے۔"[1]

بعض لوگ اعمال کی درستگی کے لیے بیعت کو لازمی سمجھتے ہیں۔ مولانا اس خیال کی اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جو لوگ بیعت کو اصلاح کے لیے ضروری سمجھتے ہیں یہ بدعت اعتقادی ہے شیخ کو چاہیے کہ سب سے پہلے اس کی اصلاح کرے اور کسی کی خاطر حقیقت کو نہ چھپاوے اور باقی مصلحتوں کی رعایت کرے۔"[2]

نیز اس خیال کی تردید فرماتے ہیں کہ بیعت سے خیالات درست ہو جاتے ہیں اور پیر کی توجہ سے سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

---

[1] ملفوظات متعلقات تصوف و مجاہدات و عبادات حصہ سوم ص ۱۳۴۔۱۳۵

[2] خیر الافادات: ص ۸۸

"بیعت سے خیالات ٹھیک نہیں ہو سکتے۔ یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ بیعت میں کوئی خوبی نہیں اس کے متعلق لوگ بیعت کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے۔ بعض لوگ اس خیال میں ہیں کہ بیعت ہو جائیں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے۔ ان کے نزدیک بیعت ہونا ہی کافی ہے۔ اسی طرح سے بہت غلط عقیدے ہو رہے ہیں بیعت کے متعلق۔ لوگ پیر کی توجہ پر نظر کرتے ہیں کہ پیر کی توجہ سے سب کچھ ہو جائے گا میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ ابو طالب کی طرف توجہ فرماتے تھے یا نہیں؟

حضور ﷺ ان کے مرنے کے وقت تک کوشش میں رہے ہیں۔ یہاں تک فرمایا کہ کلمہ میرے کان ہی میں پڑھ دو پھر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کس کی توجہ ہوگی پھر اثر کیوں نہیں ہوا۔

اب تو اپنے قصد سے کچھ ہوتا ہے۔ پیرزادوں کی خرابی ہے یہ پیرزادے سب کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ایسے غلط خیالات پھیلا دیئے کہ سب کا ان ہی پر مدار ہے"۔ (۱)

اسی طرح ایک موقع پر بیعت کے متعلق لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا

"اس کی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جاوے اجی! کس کی پیری مریدی لیے پھرتے ہو یہ کھکھیڑ ہے بیعت کی صورت ضروری نہیں اصل چیز بیعت کی روح یعنی اتباع ہے جیسے طبیب سے رجوع کرتے وقت کوئی یہ نہیں کہتا کہ تحقیق نیت کرتا ہوں میں کہ آج سے بناؤں گا تم کو طبیب اپنا۔ اللہ اکبر اسی طرح اس کی کیا ضرورت ہے کہ پیر کہے میں نے تمہیں مرید کیا اور مرید کہے میں نے تمہیں پیر بنایا۔ اس پر اور قبولیت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر کچھ کام کرنا

(۱) تنظیم محمد یوسف بجنوری، شیخ محمد مصطفیٰ حسن العلوی، ... مطبوعہ مکتبہ تالیفات اشرفیہ ضلع مظفر نگر تھانہ بھون، ... حیات ۲۸۶ ھ

ہو گے اور طریقہ سے کاشتکاری کرو گے تو بالا پنہ اور قبولیت کے بھی غلہ پیدا ہوگا۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کر دو بس ہو گیا تعلق، واللہ وہی نفع ہوگا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے۔ اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو نہ کریں بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں۔ بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے۔ چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کر لیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے ان سے تو لوگ بہت خوش ہیں اور میں مرید تو کرتا نہیں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں۔ یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیر کے وہ انجھر ہیں پریم کے وہ مریدوں ہی کو بتائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مرید کرتے ہی پیر بس پریم کے وہ انجھر بتا دے گا اور اللہ والے ہو جائیں گے۔ دھرے تھے انجھر دھرے تھے بھید ڈلے پتھر۔ میاں خدا رسول اللہ ﷺ کا نام لو اور احکام بجا لاؤ۔ بس یہی انجھر ہیں۔ اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو یہی بھید ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم بآواز دہل کہیں گے کہ ہاں! یہی ہے اور اس طریق میں بھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئیں گے بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہوں گی۔ یہ سب ہوگا مگر یہ مقصود نہیں ہے۔"[1]

اگرچہ بیعت اسلام میں واجب نہیں بلکہ سنت ہے اس لیے اگر کوئی شخص بیعت ہونا چاہے تو اس کے کچھ شرائط ہیں جن کی تکمیل کے بعد بیعت میں مضائقہ نہیں چنانچہ ایک سلسلہ گفتگو میں فرماتے ہیں:

"بیعت سے پہلے کچھ شرائط ہیں ان کی تکمیل کے بعد بیعت کا مضائقہ نہیں اور بدون شرائط بیعت کی درخواست کرنے کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کہے کہ نماز پڑھا دو اس سے کہا جائے کہ پہلے وضو کر لو وہ نماز کے لیے شرط ہے۔ وہ

---

[1] اشرف علی تھانوی: رسالہ "الابقاء" بعنوان (طریق القلندر) ص ۳۶-۲۵، ج ۳۱، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی، ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۸ھ مطابق نومبر سنہ ۱۹۹۰ء

کہ مہربانی کر کے وضو حذف کر دو اور نماز پڑھا دو سو وہ شرائط بیعت بھی
مثل وضو کے ہیں جو قبل بیعت کے مکمل کرنے چاہییں۔ دوسرے بیعت
اسلام میں کوئی واجب بھی تو نہیں ہے۔"

بیعت کے متعلق ایک عجیب نکتہ یہ بیان کیا گیا کہ بیعت ضروری نہیں ہے بلکہ
تعلیم بڑی چیز ہے لیکن بیعت سے فائدہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ شیخ کے ساتھ اعتقاد بھی ہو
اور اس اعتقاد سے بھی فائدہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کا سلسلہ بھی صحیح ہو اور صحیح سلسلہ کا
اثر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نسب کے صحیح سلسلہ ہونے کا ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"بیعت ضروری نہیں، تعلیم بڑی چیز ہے اور معلم کے ساتھ اعتقاد، کیونکہ اگر
اعتقاد ہو تو چاہے وہ خود کسی قابل نہ ہو لیکن اس کا (یعنی تعلیم حاصل کرنے
والے کا) کام بن جاتا ہے۔ بشرطیکہ صحیح سلسلہ ہو اگر صحیح سلسلہ نہ ہو تو نرے
اعتقاد سے کچھ نہیں ہوتا۔ صحیح سلسلہ ہونے کی صورت میں چونکہ سلسلہ دور تک
متعدی ہوتا ہے اس کے واسطے سے بزرگوں کا فیض پہنچ جاتا ہے۔"[1]

ایک بار فرمایا کہ صحیح سلسلہ کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نسب کے صحیح سلسلہ ہونے
کا ہوتا ہے۔[2]

یہ خیال غلط ہے کہ صرف بیعت سے امراض باطنی دفع ہو جائیں گے بلکہ بیعت
کے ساتھ شیخ کے اتباع کی کوشش اور عمل ضروری ہے عمل میں اس کی خاصیت ہے کہ اس
سے باطنی امراض دفع ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"یہ گمان کرنا کہ صرف بیعت میں اثر دفع امراض باطنی کا ہے بالکل غلط
ہے۔ بیعت صرف معاہدہ اتباع کا نام ہے۔ آگے اتباع کی ضرورت ہے اور
اتباع کا مکمل عمل ہے اور عمل میں البتہ خاصیت دفع امراض باطنی کی ہے۔"[3]

ایسے لوگوں سے متعلق جو صرف بیعت ہی کو کافی سمجھتے ہیں اور کچھ کرنا نہیں چاہتے

---

۱ الافاضات الیومیہ، ج ۹، ص ۱۹ ملفوظ۔
۲ ... حسن العزیز، ص ۳۲۷، ملفوظ ۵۰۲
۳ مولانا سید محمد حسن امروہوی، انفاس عیسیٰ، ص ۲۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، سن طباعت ۱۹۸۹ء

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:

''بہت لوگوں نے مجھ سے پیری مریدی کے متعلق خط و کتابت کی جب دیکھا کہ کچھ کرنا پڑتا ہے بیٹھ گئے۔ آج کل یہی ہو رہا ہے چاہتے یہ ہیں کہ جنت میں پہنچ جائیں اور کچھ کرنا نہ پڑے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جو کام کرنے سے ہوتا ہے۔ اس میں تو کرنا ہی پڑے گا تب ہی کوئی نتیجہ مرتب ہوگا اور اس مرض میں اہل علم تک کو ابتلاء ہے عوام بیچاروں کی تو شکایت ہی کیا ہے'' [1]

مولانا تھانویؒ کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ بیعت بڑی مشکل سے کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے مولانا کو لکھا تھا کہ اس کا بہت شہرہ ہے کہ آپ بیعت بڑی مشکل سے کرتے ہیں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

''پیرزادوں نے قصداً دلوں میں یہ جملا رکھا ہے کہ بدوں بیعت کے نفع ہی نہیں ہوتا، تاکہ پھنس جاوے اور کہیں نہ جا سکے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مریض طبیب کے پاس جاوے اور وہ کہے کہ میں علاج کے لیے تیار ہوں لیکن وہ مریض کہے کہ نہیں صاحب میں تو جب تک علاج نہ کراؤں گا جب تک کہ آپ ایک دستاویز میں نہ لکھ دیں کہ میں علاج کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت ہے جبکہ طبیب ویسے ہی ہر طرح توجہ کے ساتھ علاج کرنے کا وعدہ کر رہا ہے۔

اصل میں بیعت اسی قسم کا ایک معاہدہ ہے مرید کی جانب سے یہ عہد ہوتا ہے کہ میں آپ کا اتباع کروں گا اور پیر کی طرف سے اس کا وعدہ ہوتا ہے کہ ہاں میں تمہاری نگرانی اور اصلاح کروں گا۔ ہاتھ میں ہاتھ دینا اسی معاہدہ کی تاکید کے لیے ہے۔ اگر زبانی ہی ہو جاوے تو بالکل کافی ہے اور نفع میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں۔ اس تعلیم کے لیے ہر مسلمان کے واسطے حاضر ہوں لیکن بیعت نہیں کرتا تاکہ آزادی رہے کہ اگر اور جگہ سے کوئی مقصود حاصل کرنا چاہے تو کر سکے۔ خواہ مخواہ پابند نہ ہو جاوے۔ ہاں جب باہم مناسبت پیدا ہو

---

[1] آپ بیتی: ص ۳۱۷، حصہ ششم

جاوے اور دل مل جاویں تو اس کا بھی مضائقہ نہیں بغیر دل ملے اور مناسبت ہوئے بیعت سے کچھ فائدہ بھی نہیں۔"[1]

جب بیعت کرنا ہو تو خود اپنی رغبت سے بیعت کرنا چاہیے نہ کہ کسی دوسرے کے کہنے سننے پر یا رغبت دلانے پر اس سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں

"بیعت اپنی رغبت سے کرنا چاہیے نہ کہ دوسروں کے کھینچنے سے اور دوسروں کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ خواہ مخواہ کسی کو کیوں ذبح کیا مگر آج کل تو خود پیروں کی بھی یہ حالت رہ گئی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف ترغیب دلاتے ہیں کہ بیعت ہو جائے اس سے مقصود مجمع کا بڑھانا ہوتا ہے تاکہ نام ہو کہ فلاں بڑے شخص ہمارے یہاں آگئے اور لوگ بھی پھنسیں۔ یہ پیری مریدی کی گت بنائی ہے۔"[2]

اسی طرح بیعت میں خلوص اور طلب کا ہونا بہت ضروری ہے ایک خطبہ میں مولانا تھانوی نے تفصیل کے ساتھ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا

"پیری مریدی کی آج کل گت بن رہی ہے حالانکہ اس کا مدار سراسر خلوص ہی پر ہے اور کاموں میں تو بدون خلوص بھی کام تو ہو جاتا ہے گو ثواب نہ ہو مگر یہاں تو اس کے بغیر کام بھی نہیں ہوتا لیکن آج کل اس میں بھی خلوص نہیں رہا نہ مریدوں کی نیت درست ہے نہ مشائخ کی۔ بعضے مشائخ ہر شخص کو مرید کر لیتے ہیں نہ طلب کی تحقیق کرتے ہیں نہ نیت کی بس یہ سمجھتے ہیں کہ اچھا ہے ایک خادم تو بڑھا۔ پھر اس کے افعال پر اس لیے روک ٹوک نہیں کرتے کہ کہیں بددل ہو کر ہم سے الگ نہ ہو جائے پھر آمدنی کم ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک ایسے پیر کے ایک مرید نے اُن سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے یہ دیکھا کہ حضور کی انگلیاں تو شہد میں بھر رہی ہیں اور میری انگلیاں

---

[1] خواجہ عزیز الحسن مجذوب۔ حسن العزیز، ص ۳۳۸۔۳۳۹، ملفوظ ۴۲۷

[2] حکیم محمد یوسف بجنوری۔ حسن العزیز، جلد سوم، ص ۱۲۹

پاخانہ میں، اتنا کہہ کر وہ ذرا خاموش ہو گیا تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کیوں نہ ہو، بحمد للہ ہم دین کے کام میں رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور تم سگ دُنیا ہو رات دن دُنیا کے قصوں میں پھنسے ہوئے ہو۔ مرید نے کہا حضور یہ سب سچ ہے مگر ابھی خواب پورا نہیں ہوا میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ تو میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی انگلیاں چاٹ رہا ہوں۔ بس یہ سُن کر شیخ چلا اُٹھے کہ نالائق مردود کیا بکتا ہے۔ اُس نے کہا حضور میں نے خواب عرض کیا ہے، اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا جو دیکھا تھا وہ بیان کر دیا۔ اگر یہ خواب تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ مرید تو شیخ سے دین کے لیے تعلق رکھتا تھا اور وہ حضرت اس دُنیا کے لیے تعلق رکھتے تھے۔ غرض ایسے لوگ اسی واسطے مجمع بڑھاتے ہیں تاکہ بہت سے خادم ہو جائیں۔ ارے کیا ان کو لام پر بھیجنے کو بھرتی کر رہے ہو آخر یہ فوج کس لیے بڑھائی جاتی ہے اور اس کے لیے تدبیریں کیوں کی جاتی ہیں۔ حق تعالیٰ تو حضور ﷺ کو فرماتے ہیں۔

أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝[1] کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس سے وہ ایمان ہی لے آویں

''حضور ﷺ شفقت کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ سارے کافر مسلمان ہو جائیں اور بظاہر یہ خواہش ہر طرح محمود ہی تھی کیونکہ اس میں مخلوق کو جہنم سے نجات حاصل ہوتی تھی مگر حق تعالیٰ نے اس میں بھی کاوش کرنے سے جا بجا منع فرمایا ہے کہ کیا آپ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا چاہتے ہیں۔ تو جب اصل دین میں بھی ایسی کاوش سے روک دیا تو پھر مشائخ کا یہ جماعت بڑھانا کیسا؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت اہل حق بھی اپنا مجمع بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور سلسلہ بڑھانے کی تدبیریں نکالتے رہتے ہیں یاد رکھو یہ سب فضول ہے۔

---

[1] سورہ یونس: آیت ۹۹

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار ۔ احمد تو عاشق ہے مشیخت سے تجھ کو کیا کام ہے

دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد ۔ دیوانہ رہو سلسلہ جاری ہوا ہوا نہ ہوا نہ ہوا

اور فضول تو اس وجہ سے ہے کہ جب اس سے ضروریات اور معمولات میں خلل
نہ ہو اور اگر اس کی بھی نوبت آنے لگے تو پھر تو مضر زیادہ ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں
کہ ہماری نیت تو مخلوق کی ہدایت ہے سو یاد رکھو کہ اصل مقصود اپنا وصول الی
اللہ ہے دوسروں کا ایصال بالذات مطلوب نہیں بلکہ یہ بھی اسی لیے مطلوب
ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم کو وصول تام ہو جائے حق تعالیٰ راضی ہو جائیں
ورنہ ایصال خلق خود بالذات مطلوب نہیں مقصود جب کہ وصول ہونے لگے
تب اصلی کوشش اپنے وصول کے لیے کرنا چاہیے البتہ اگر بدون کاوش اور
بدون کھیر کھار کے کوئی طالب آجائے اور اس کی طلب محقق ہو جائے تو اس
کی خدمت کر دینے کا بھی مضائقہ نہیں بلکہ طاعت ہے باقی یہ کیا واہیات ہے
کہ ساری کوششیں سلسلہ بڑھانے ہی کے لیے کی جاتی ہیں اور اپنے وصول
کی فکر نہیں کی جاتی اگر تم اپنے کام میں لگے رہو اور ایک شخص بھی تم سے
بیعت نہ ہو تو وصول میں ذرہ برابر کمی نہ ہوگی کیونکہ وصول کوئی اسی میں منحصر
نہیں ہے اس کے اور بہت طریق ہیں۔ اس زمانہ کے امام العارفین حضرت
حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے گو اس موقع کی کہ ہم حج تک
پہنچنے کے قابل نہیں ہے مگر اللہ پر توکل کر کے کہتا ہوں۔ اے اللہ سامعین کو
غلطی سے محفوظ رکھیے! حضرت کے پاس ایک دفعہ ایک نیاز آیا اور رو کر عرض
کرنے لگا کہ حضرت اس کا افسوس ہے کہ مجھے کئی روز سے حرم کی نماز بھی
نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت نے تسلی فرمائی اور بعد میں فرمایا کہ یہ شخص عارف
نہیں ہے اگر عارف ہوتا تو اس حالت میں بھی خوش رہتا کیونکہ وصول و قرب
حق حرم کی نماز ہی میں منحصر نہیں بلکہ طرق وصول بے شمار ہیں ان میں سے

بحالت مرض یہ بھی وصول کا ایک طریق ہے کہ جو کہ جرم کی نماز سے محروم ہونے پر صبر کرے اور اسی حال میں راضی رہے تو اس شخص کو اس حالت میں نماز جرم سے کم قرب نہ ہوگا۔ جیسا احادیث میں تصریح ہے کہ عذر کی حالت میں جو معمولات میں کمی ہو جاتی ہے تب بھی پورا اجر ملتا ہے۔ سو ایسی حالت میں تم کو کیا حق ہے کہ اپنے لیے ایک طریق کو متعین کرو کہ ہمیں تو جرم کی نماز ہی سے وصول کرایا جائے"۔ [1]

---

[1] اشرف علی تھانوی، رسالہ "التکشف" بعنوان (الاوصال و الفصل) ص ۱۹-۲۰ ج ۱ مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی، سنہ طباعت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۵۳ء

بیعت کے شرائط

"میں بیعت میں جلدی نہیں کرتا بلکہ بہت سے شرائط کے بعد کرتا ہوں اس میں ہمارے بعض احباب کی رائے یہ ہے کہ اتنی سختی نہ کرنی چاہیے جہاں تک ہو سکے لوگوں کو اپنے سے وابستہ کرنا چاہیے میں کہتا ہوں کہ وابستہ کر کے اصلاح کرو تب تو فائدہ بھی ہے ورنہ تو وابستہ ہو کر طریق سے بیکار اور پابستہ ہو جائے گا کیونکہ جلدی بیعت کر لینے سے وہ یہ سمجھے گا کہ اس طریق میں عمل کے اہتمام کی ضرورت نہیں اور جب اس سے شرطیں کی جائیں گی تو عمل کی ضرورت ابتداء ہی سے اس کے ذہن نشین ہو جائے گی پھر وہ عمل کا اہتمام کرے گا"۔

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

فصل دوم

بیعت کے شرائط

بیعت کی اصل غرض و غایت کی وضاحت کرتے ہوئے گو مولانا تھانویؒ نے اس پر زور دیا کہ بیعت اصل مقصود نہیں اور نہ اصلاح احوال اس پر موقوف ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کا انکار بھی نہیں کیا اور یہ طریقہ کار مولانا نے محض اس سبب سے اختیار کیا کہ بیعت کے متعلق لوگوں کے غلط خیالات کی اصلاح ہو جائے۔ چنانچہ مولانا یہ بتاتے ہوئے کہ بیعت اصل مقصود نہیں ہے خود بیعت کرتے بھی تھے۔ لیکن اس کے لیے بہت سی باتوں اور کڑی شرطوں کا لحاظ بھی رکھتے تھے تاکہ طالبین کے ذہن میں بیعت کی اہمیت قائم رہے اور یہ سلسلہ بے وقعت نہ ہونے پائے۔

مولانا تھانویؒ بیعت سے پہلے تعلیم کی شرط لگاتے ہیں اور اس کی وجہ بیان کرتے ہیں:

"آج کل لوگ بیعت کو اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ آیا بیعت ہونا چاہتے ہو بدون تعلیم یا تعلیم چاہتے ہو بدون بیعت کے تو یہی کہیں گے کہ بیعت ہونا چاہتے ہیں اور یہ خیال ایک غلطی پر مبنی ہے جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ بدون بیعت ہوئے تعلیم کا اثر نہ ہوگا اور نہ کوئی نفع ہوگا۔ میں اسی جہل سے نکلنے کے لیے بیعت سے قبل تعلیم کی شرط لگاتا ہوں تاکہ عقیدہ صحیح ہو جاوے اور جہل سے نجات ہو اور رسمی مشائخ کے یہاں تو بدون بیعت کے تعلیم ہی نہیں دیتے۔ وہ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ اگر جال میں اب پھنس گیا ورنہ معلوم کل کو اس کا کیا خیال بدل جائے۔ بحمد اللہ میرے یہاں یہ بات نہیں۔ کل کو تو کیا خیال بدلتا وہ ابھی بدل لے ہمارا کیا ضرر۔ اگر سو مرتبہ جی چاہے اور اپنا نفع سمجھے تو تعلیم پر عمل کرے ورنہ جہاں چاہے جائے۔ ایسے بدفہموں کے ساتھ یہی برتاؤ

ضروری ہے"۔[1]

بیعت میں سختی کرنے اور شرط لگانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"بزرگوں کے اخلاق بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں بہت نرمی برتی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کسی کی روک ٹوک نہیں کرتے اس سے مسلمان کو ضرر ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی اصلاح کے خیال سے میرے یہاں ایک گونہ سختی برتی جاتی ہے۔ پس جس کو جیسا مذاق پسند ہوتا ہے وہ وہاں چلا جاتا ہے۔ دوسروں کے ہاں نہ بیعت میں تنگی، نہ مریدین کے افعال پر گرفت اور نہ معمولات وقواعد معین ہوتے ہیں۔ مگر میرے ہاں ہر بات قاعدے سے ہوتی ہے جو بعض طبائع پر ناگوار گزرتی ہے۔

نیز فرمایا:

"لوگوں نے بیعت کو خراب کر دیا ہے۔ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ اس میں کچھ قیود رکھنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ جو آئے انکار ہی نہیں۔ میں نے اس غرض کے لیے ایک پرچہ ہدایات چھپوا رکھا ہے جو آتا ہے اس کو یہ پرچہ دے دیتا ہوں۔ اگر اس نے منظور کیا تو بیعت سے انکار نہیں ورنہ جہاں چاہے جائے۔ یہ اچھا ہے کہ بجائے سو (مریدوں) کے دس ہوں۔ مگر ہوں کام کے"۔[2]

اسی طرح فرمایا:

"میرا اصلی مذاق یہ ہے کہ مجھے تو لوگوں کے اعتقاد ہی سے وحشت ہوتی ہے مگر جسے ہجوم خلائق سے محبت ہو جو ہر وقت اپنے گرد مجمع چاہتا ہو وہ تو یقیناً معتقدین کی قلت سے گھبرائے گا اور وہ طریق اصلاح کو اختیار نہ کرے گا۔ اسی واسطے میں بیعت میں جلدی نہیں کرتا بلکہ بہت سے شرائط کے بعد کرتا

---

1. الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۲۵۴، ملفوظ ۳۱۰
2. سیرت اشرف ج اول ص ۳۰۹، ۳۰۴

ہوں اس میں ہمارے بعض احباب کی رائے یہ ہے کہ اتنی سختی نہ کرنی چاہیے۔ جہاں تک ہوسکے لوگوں کو اپنے سے وابستہ کرنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ وابستہ کرکے اصلاح کرو تب تو فائدہ بھی ہے ورنہ تو وہ وابستہ ہو کر طریق سے بیکار اور پابستہ ہوجائے گا کیونکہ جلدی بیعت کر لینے سے وہ یہ سمجھے گا کہ اس طریق میں عمل کے اہتمام کی ضرورت نہیں۔ اب بتلاؤ وہ طریق سے پابستہ ہوگا یا نہیں اور جب اس سے شرطیں کی جائیں گی تو عمل کی ضرورت ابتداہی سے اس کے ذہن نشین ہوجائے گی پھر وہ عمل کا اہتمام کرے گا اور بار بار روک ٹوک کرنے سے اس میں ترقی ہوگی اگر وہ روک ٹوک کا تحمل کرتا رہا تو انشاء اللہ بہت جلد اصلاح پذیر ہوجائے گا اور بدوں اس کے تو فضول بھرتی کرنا ہے۔"[1]

نیز ایک مجلس میں فرمایا:

"حضرت اکثر پیری مریدی آج کل دوکانداری ہو رہی ہے۔ اسی لیے مصلحت یہ ہے کہ پیری مریدی چھوڑ دے ہاں تعلیم کردے یہی وجہ ہے کہ پیری مریدی کا سلسلہ مدت سے جاری ہے مگر خیالات نہیں بدلے۔ وجہ کیا ہے رسم پرستی ہے اور کچھ بھی نہیں میں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے دو چار جملے سنے تھے اب اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ حضرتؒ ایک جملہ فرماتے تھے کہ میرے پاس جتنا تھا میں نے اس سے دریغ نہیں کیا، اگر کسی کو اس سے زیادہ کا شوق ہو تو دوسری جگہ سے لے لے۔ میں اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا دوسری جگہ بیعت کرلو اجازت ہے۔

یہ جملہ اصل ہے آگے اسی کے تصریحات ہیں۔ ہم خدمت کرنے کو تیار ہیں مگر کسی کو لپٹتے نہیں، اپنے مریدین کو یہ اجازت تھی اور اگر دوسرے کا مرید ہوتا تو حضرت حاجی صاحبؒ اس کو مرید نہ کرتے یہ ہے علامت سچے ہونے کی۔ یہی

---

[1] اشرف علی تھانوی: اشرف الجواب، حصہ دوم، ص ۲۷۹-۲۸۰ مطبوعہ مکتبہ تھانیہ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

وجہ ہے کہ شیوخ تک مرید ہوتے تھے اور ایک بچہ تک وہاں سے دوسری جگہ نہیں جاتا تھا۔ یہ آزادی اپنے مریدوں کو دے رکھی تھی۔ خریدار کو تو وہ پھنسائے گا جس کا سودا اچھا نہ ہو اور جس کا سودا بے نظیر ہے تو گاہک خود ہی پھر کر نہیں جاتا۔

چونکہ حضرتؒ کے یہاں سودا کھرا تھا اس لیے کوئی پھر کر نہیں جاتا تھا اگر باوجود اس کے کہ سودا کھرا ہو پھر کر جائے تو اس خریدار کو کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں۔ ایسے کا نکل جانا ہی بہتر ہے۔ فہیم کا رہنا اچھا اور بدفہم کا نکل جانا اچھا۔ سمجھدار کہیں جا ہی نہیں سکتا۔ باوجودیکہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمادیا کرتے تھے کہ یہاں کیا رکھا ہے نہ کشف ہے نہ کرامت ہے۔ صادق کو تو کوڑ مغز کو داخل کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جو فہیم و بصیرت سے آئے گا اگر اس کو دوسری جگہ کے لیے ترغیب بھی دے دی تو گو بعض دفعہ اور جگہ چلا تو جائے گا مگر چونکہ فہیم ہے اس لیے پھر صادق ہی کے یہاں آئے گا۔ ہمارے حضرتؒ کے ایک خلیفہ کی یہ رائے تھی کہ وہ دوسری جگہ لوگوں کو بھیجتے تھے اور کہتے تھے کہ جب دوسری جگہ ترغیب ہم نے دی تھی اور وہ چلا گیا مگر ویسا سودا نہ دیکھا اور پھر پھرا کر آیا تو وہ کبھی ملے گا بھی نہیں۔ کیونکہ دوسری جگہ دیکھے گا کہ روغن قاز مل کر کہیں طلب مال ہے اور کہیں طلب جاہ ہے اور کہیں صدق ہے مگر تحقیق نہیں۔ بعض جگہ اس کی کوشش ہے کہ امراء کو کھینچا جائے حالانکہ خاک نشینوں کا ہونا یہ علامت ہے شیخ کے کامل ہونے کی اور دُنیادار امراء کا متوجہ ہونا علامت ہے خود شیخ کے دنیادار ہونے کی، کیونکہ

"الجنس یمیل الی الجنس" ہم جنس کا میلان اپنی جنس کی طرف ہوتا ہے

جھکتا وہی ہے جس میں مناسبت ہے۔ کہیں قاز اور مور جا رہے تھے لوگوں کو

دیکھ کر تعجب ہوا کہ دونوں غیر جنس پھر ساتھ کیسے۔ کسی فہیم نے کہا بدون اس کے ہو نہیں سکتا کہ دونوں میں کوئی امر مشترک ضرور ہے۔ غور کر کے دیکھا تو لنگڑے تھے اور اگر اہل حق کے یہاں امراء بھی آتے ہیں تو مٹ کر آتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی غرباء ہی رہے۔ بڑا ہو کر چھوٹا ہو جائے یہ ہے کمال۔ یہ باتیں ہیں سمجھنے کی''۔[1]

جب کوئی شخص مولانا تھانویؒ سے بیعت کی درخواست کرتا تو پہلے اس کو کتابیں مطالعہ کے لیے دیتے اور خصوصاً مواعظ کے مطالعہ کا مشورہ دیتے چنانچہ فرمایا:

''جو شخص مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اس کو کتابیں دیکھنے کو لکھ دیتا ہوں بالخصوص مواعظ کے مطالعہ کو تو میں اکثر لکھتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور اگر کسی شخص نے یہ لکھا کہ ہم نے کتابیں دیکھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ کتابیں دیکھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر کیا۔ اس سے وہ نفع ہوتا ہے جو کہ برسوں کے مجاہدہ میں بھی نہیں ہوتا۔ میں تو اول روز ہی کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے۔ اصل چیز فکر ہے جب فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے۔ بس میں اول ہی گفتگو یا خط و کتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھ دیتا ہوں۔ بس اس کی وجہ سے اسے ایک فکر پیدا ہوتی ہے اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے''۔[2]

سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ سلف پھر اکابر متاخرین کا تربیت کے متعلق جو طریقہ تھا، اس زمانے کے طالبین کے حالات دیکھ کر اس میں مولانا تھانویؒ نے جو ترمیم کی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ سلف کے یہاں تو سلوک کی اصل ترتیب یہی تھی کہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ کی تکمیل کے بعد اذکار و اشغال شروع کراتے

---

[1] حسن العزیز: ص ۱۰۵، ۱۰۶

[2] عبدالمجید بچھرایونی: سیر المجید ص ۵۷ مطبوعہ مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر، یوپی

تھے لیکن اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ اس زمانہ میں عمریں اور ہمتیں دونوں کوتاہ ہیں کہ اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا بلکہ اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرنے لگے اور دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے لگے اور میں نے اپنے زمانے کے طالبین کی مصالح پر نظر کر کے اکابر سلف کے طریق اور اکابر متاخرین کے طریق کے بین بین طریق اختیار کیا ہے۔ یعنی کچھ دن تک تو میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں اور جب یہ دیکھتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو گئی ہے اور اس کے اندر اس کا خاص اہتمام پیدا ہو گیا اس وقت اذکار و اشغال بھی بتلا دیتا ہوں اور پھر دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلاتا رہتا ہوں۔ غرض میں نے اکابر متاخرین کی طریق میں اپنے زمانے کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بقدر ضرورت صرف اتنی ترمیم کر لی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی سے ساتھ ساتھ چلاتے تھے اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں"۔[۱]

ذکر و شغل سے قبل اصلاح اعمال کی اہمیت ذہن نشین کرانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"طالب کے اندر اصلاح اعمال کا اہتمام پیدا کر دینے سے قبل اس کو اذکار و اشغال میں مشغول کر دینا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے۔ خاص کر اگر کہیں اتفاقاً اذکار و اشغال سے یکسوئی ہو کر اس پر کیفیات کا بھی ورود ہونے لگا تو گویا اس کے نزدیک بزرگی کی رجسٹری ہو گئی حالانکہ اس قسم کی کیفیات کو بزرگی سے کیا تعلق۔ ایسی کیفیات تو بعض ریاضات اور مشق سے فساق و فجار بلکہ کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں اور جب وہ ان کیفیات ہی کو بزرگی سمجھ لیتا ہے تو پھر اس کو اصلاح نفس اور اصلاح

---

[۱] اشرف السوانح ج دوم ص ۱۴۱_۱۴۲

اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی، نہ کبھی ادھر توجہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ جہل ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اصل مقصود یعنی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے۔ جس کا طریق تحصیل نصوص نے صرف اصلاح اعمال ہی کو بتلایا ہے"۔ [۱]

ایسے لوگوں کو بھی مرید نہیں کرتے تھے جو کسی کو سفارش کے لیے ساتھ لائے۔

چنانچہ سفارش پر مرید کرنے میں جو خرابی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

"آج کل ایک مرض یہ بھی ہے کہ مرید ہونے کے لیے لوگوں کو اپنے بزرگ کے پاس لاتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں۔ اس لیے مجھے تو ایسی چڑ ہے کہ ذرا بھی معلوم ہو جاوے کہ کسی کا لایا ہوا ہے تو اسے مرید کرتا ہی نہیں تاکہ وہ ترغیب دینے والوں کو گالیاں دے اور پھر انہیں سفارش کا حوصلہ نہ رہے۔ جناب طلب وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی کی سفارش کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسری یہ بات ہے کہ جو سفارش کے ذریعہ سے بیعت ہونا چاہتا ہے تو اس کا ایہام ہوتا ہے۔ گو یہ نیت نہ ہو لیکن اس کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ اس کو نیازمندی سے عار ہے"۔ [۲]

یہ ظاہر ہے کہ مرید کو اپنے شیخ کی پیروی کرنا ہوتی ہے کہ شیخ جو کچھ کہے اس پر مرید عمل کرے اور شیخ بوقت ضرورت زجر و توبیخ بھی کر سکے لیکن اگر مرید ایسا ہو کہ شیخ کو اس کا ادب کرنا پڑے تو ایسی صورت میں شیخ اصلاح کا کام انجام نہیں دے سکتا اسی لئے ایسے شخص کو مرید نہیں کرتے تھے چنانچہ فرمایا:

"میں ایسے کو مرید نہیں کرتا جس کا مجھے ادب کرنا پڑے بلکہ ایسے کو کرتا ہوں جس کو جو جی چاہے کہہ سکوں"۔ [۳]

اسی طرح بعض لوگ اپنے شیخ کی رکی خوش اخلاقی کو اچھا سمجھتے ہیں جو ان کے

---

۱ اشرف السوانح: ج دوم، ص ۱۹۰۔۱۹۱

۲ آداب المعاشرت، ص ۱۴۶

۳ ملفوظات مقالات حکمت و مجادلات معدلت، مع مختصر، ص ۳۲۷

لئے بالکل مفید نہیں، چنانچہ فرمایا:

''بعض لوگ اپنے پیر سے محض اس بناء پر منحرف ہو جاتے ہیں کہ وہ مریدوں کے ساتھ رسمی خوش اخلاق کا معاملہ نہیں کرتا۔ یہ محض نادانی ہے چنانچہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں پیر تو سخت مزاج ہیں، کسی خوش اخلاق پیر سے مرید ہونا چاہئے یہ بڑی سخت غلطی ہے اور ایسی پیری مریدی محض برائے نام ہے کچھ بھی نافع نہیں۔ پیری مریدی کا حاصل اصلاح نفس ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ تم اپنے کو پیر کے بالکل سپرد کر دو کہ وہ حسب حال جس تدبیر سے چاہے اصلاح فرمائے سب کو قبول اور برداشت کرنا چاہئے ورنہ اگر اس کی تدبیر اصلاح کی برداشت کی قوت نہ ہو تو کسی پیر سے مرید ہی نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر کسی وقت پیر نے اصلاح کے لئے زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) فرمائی اور مرید کے نفس متکبر نے برداشت نہ کیا تو پیر کی برائی اس کے دل میں آئے گی پھر بجائے اصلاح کے طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا ہو جائے گا ایسے شخص کو یہی بہتر ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے ۔

تو بہر زخمے تو پر کینہ شوی	ہر زخم پر تو ناگواری کا اظہار کرتا ہے
پس کجا بے صیقل آئینہ شوی	بھلا کہیں بغیر رگڑے آئینہ بھی بنتا ہے

جس شخص کو آپریشن کا تحمل نہ ہو اس کو ڈاکٹر کے پاس جانا ہی نہ چاہئے اور اگر جاؤ اور اس کے نزدیک آپریشن کی ضرورت ہے تو وہ ضرور ایسا کرے گا ورنہ وہ ڈاکٹر نہیں بلکہ رہزن ہے۔''[1]

جب تک شیخ اور مرید کا دل نہ مل جائے اس وقت تک بیعت کا تعلق مفید نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا بیعت کرنے میں نہ تو عجلت کرتے تھے اور نہ حالت سفر میں کسی کو مرید کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے اسٹیشن پر بیعت کے لئے اصرار کیا تو فرمایا:

---

[1] اشرف علی تھانوی: سنت ابراہیم ص ۸۰۔ ۸۱، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، سنہ طباعت ذیقعدہ سنہ ۱۴۱۳ھ

''جب تک جانبین کا دل نہ مل جائے یہ تعلق مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ شیخ کو یا مرید کو جلدی کرنے میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ پچھتانا پڑتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ کہاں پھنس گئے۔ بیعت کا تعلق کرنا جانبین کو تمام عمر کے لئے قید میں آجانا ہے۔ ہرگز بلا اطمینان طرفین کے اس قید میں نہ پڑنا چاہئے اور یوں میں تمام مسلمانوں کا دعا گو اور خادم ہوں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تعلیم اور نفع بیعت پر موقوف ہے یا اس میں دریغ ہوگا بلا بیعت کے۔ میں ایسے شخص کو راہزن اور ڈاکو سمجھتا ہوں جو بلا بیعت کے تعلیم میں طالب سے دریغ کرے اور سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کسی طالب سے دریغ نہیں کرتا۔ رہا بیعت کرنا سو وہ ایسا ہے جیسے کسی کو متبنی بنالیا۔ خدمت تو آدمی پڑوسیوں تک کی اور پڑوسیوں کے بچوں اور نوکروں تک کی اور محض اجنبیوں کی بھی کرتا ہے لیکن بیٹا کسی کو نہیں بناتا۔''[1]

نیز فرمایا:

''میں یہ عملی تعلیم دینا چاہتا ہوں کہ سفری پیروں سے لوگ بچیں اور صاف فرما دیتے کہ جو اعتقاد محض وعظ سن کر پیدا ہو وہ معتبر نہیں کیونکہ وعظ میں تو اچھی ہی اچھی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ہاں اعتقاد وہ معتبر ہے جو روزمرہ کے افعال اور عادات دیکھنے کے بعد پیدا ہو اور ان کا کماحقہ مشاہدہ معتقد فیہ کے مستقل جائے قیام ہی پر ہوسکتا ہے، جس کو بیعت کا شوق ہو وہ میرے وطن آئے تاکہ جانبین کو ایک دوسرے کی جانچ کا اطمینان سے موقع مل سکے۔ نیز اس سے طلب کا بھی امتحان ہو جائے گا۔ غرض امر بیعت میں ہرگز عجلت نہ چاہئے۔ یہ گاجر مولی کی بیع نہیں ہے کہ پیسہ ڈالا اور جھٹ خرید لی۔''[2]

ایک صاحب نے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

---

[1] حسن العزیز: جلد چہارم، ص ۴۷۔ ۴۸

[2] اشرف السوانح: ج دوم، ص ۷

"ہمارا یہ طریقہ ہے کہ جب دل خوب مل جاتا ہے تب بیعت کرتے ہیں۔ بیعت سے انکار نہیں لیکن جب ہمارا دل قبول کرے گا تب بیعت کریں گے جب دیکھیں گے کہ ہاں تم اپنے کام میں مشغول ہو اور تم کو مجھ سے اور مجھ کو تم سے مناسبت ہوگئی ہے تب بیعت کا بھی مضائقہ نہیں بغیر دل ملے بیعت کا لطف بھی کچھ نہ کچھ فائدہ۔

اور یہ بھی سمجھو کہ بیعت کی ضرورت بھی نہیں۔ بس اتباع اور محبت بالکل کافی ہے۔ یہ وہم ہرگز نہ کرنا کہ بیعت نہ ہوں گے تو فائدہ نہ ہوگا۔ خوب سمجھو کہ بیعت کرنے سے باطن کا کچھ نفع بڑھ نہ جاوے گا۔ بس یونہی ایک تسلی سی ہے عمر بھر بھی بیعت نہ ہو تب بھی فائدہ میں ذرہ برابر کمی نہ ہو۔"[1]

بیعت کا حقیقی لطف بھی جبھی ہوتا ہے جب شیخ و مرشد سے محبت ہو جائے۔ مولانا اس کو ایک مثال سے بیان فرماتے ہیں:

"بیعت میں جلدی اچھی نہیں، جب خوب محبت ہو جائے پیر سے اس وقت بہت زیادہ نافع ہے۔ اس کی ایک مثال ہے اور ہے تو فحش مگر بیان کئے دیتا ہوں۔ ایک تو ہے نکاح کرنے کے بعد بیوی پر عاشق ہونا کہ ماں باپ نے نکاح کر دیا۔ اس کے بعد محبت ہو جاتی ہے اور ایک ہے عاشق ہو کر نکاح کرنا۔ دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جیسی قدر دوسری صورت میں ہوتی ہے پہلی میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں، کیونکہ دوسری صورت میں مدتوں بیٹھے بیٹھے ہجر کی تکالیف اٹھا کر نکاح ہوگا تو وہ شخص جیسی بیوی کی قدر کرے گا پہلی صورت والا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح بیعت بھی ہے کہ ایک تو وہ شخص کہ آتے ہی بیعت ہو جائے اور ایک وہ جو عاشق ہو کر بیعت ہو پوری قدر اس کی ہوگی بیعت کی۔"[2]

---

[1] حسن العزیز ص ۱۹۹ ملفوظ نمبر

[2] سوانح محمد شفیع ملفوظات اشرفیہ ص ۱۵۹ ملفوظ ۳۶۲ مکتبہ تھانوی دفتر رسالہ الابلاغ کراچی

ایک پیرزادہ صاحب نے مولانا تھانویؒ سے بیعت کی درخواست کی۔ یہاں پر مولانا صاحب اور پیرزادہ صاحب کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ سوال و جواب کے طور پر مکالمہ کی صورت میں درج کی جاتی ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ مولانا کے نزدیک اسلام میں بیعت کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ نیز اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ وہ کس طرح اپنے مخاطب کو نہ صرف یہ کہ خاموش کردیتے تھے بلکہ اس کو مطمئن بھی کردیتے تھے۔

مولانا تھانویؒ: پیرزادہ کی بیعت کی درخواست پر فرمایا بیعت تو خیر ایک رسم ہے بزرگوں کی۔ بڑا نفع تو پاس رہنے میں ہے خواہ بیعت نہ بھی ہو۔ یہ تو ایک رسم سی ہوگئی ہے۔ آج کل جس کی ضرورت کو میں نے عملاً بھی مٹا دیا ہے۔

پیرزادہ صاحب: بیعت میں برکت بھی تو ہوتی ہے۔

مولانا صاحبؒ: اس کو میں زیادہ جانتا ہوں یا آپ؟

پیرزادہ صاحب: میں حضور کے سامنے کیا جان سکتا ہوں؟

مولانا صاحبؒ: آپ اس کے مصالح کو تو میرے سامنے بیان کر رہے ہیں اس کے معنی تو صاف یہی ہیں کہ آپ زیادہ جانتے ہیں۔

پیرزادہ صاحب: میں حضور سے یہ پوچھتا تھا کہ بیعت کیوں ضروری نہیں۔

مولانا صاحبؒ: آپ نے استفسار کے طور پر نہیں پوچھا آپ نے فرمایا کہ بیعت میں برکت ہوتی ہے۔ یہ تو دعویٰ ہے سوال نہیں۔ سوال کا دوسرا رنگ ہوتا ہے اس سے سوال کا اور جواب ہے دعویٰ کا اور جواب ہے۔ اگر آپ سوال کے رنگ سے پوچھیں گے میں جواب دوں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ نے دعویٰ کے طور پر کہا تھا کہ بیعت میں برکت ہوتی ہے اس کا میں نے جواب دیا کہ آپ کیا جانیں برکت کیسی ہوتی ہے کیونکہ آپ نے برکت دیکھی ہی نہیں۔

پیرزادہ صاحب: مجھے سمجھا دیا جائے کہ بیعت کیوں ضروری نہیں؟

مولانا صاحبؒ: آپ کوئی شبہ پیش کیجئے۔

پیرزادہ صاحب: جب سے میں خط کے ذریعے سے حضور سے بیعت ہوا ہوں تب سے مجھے بہت کچھ نفع محسوس ہو رہا ہے۔

مولانا صاحبؒ: آپ صرف بیعت ہوئے ہیں یا میں نے کچھ پڑھنے کو بھی بتلایا تھا؟

پیرزادہ صاحب: ذکر بھی بتلایا تھا جس کو میں کرتا ہوں۔

مولانا صاحبؒ: ایک شخص نے دو دوائیں استعمال کیں اُن کے استعمال کے بعد اُسے نفع محسوس ہوا اس میں دونوں احتمال ہیں کہ شاید اس دوا سے نفع ہوا ہو یا شاید اُس دوا سے نفع ہوا ہو۔ یہ کیسے مریض تجویز کرسکتا ہے کہ فلاں دوا سے نفع ہوا یہ تو طبیب ہی متعین کرسکتا ہے۔ آپ نے دو کام کیے بیعت بھی ہوئے اور اللہ کا نام بھی لیا اور کتابیں بھی پڑھیں۔ مثلاً آپ کو جو نفع ہوا تو کیا خبر یہ کس کا اثر ہے یہ آپ نے کیسے تشخیص کرلیا کہ بیعت ہی کا یہ نفع ہے۔ یہ تو آپ کا تجربہ غلط ہے اس پر تو حکم لگانا محض آپ کا خیال ہے میں ایسے لوگ آپ کو دکھلا دوں جو بیعت نہیں لیکن اچھی حالت میں ہیں۔ اسی طرح بہت سے ایسے بھی ہیں جو بیعت ہیں لیکن جن کی حالت نہایت بُری ہے آپ اس کی وجہ بتلایئے کہ بیعت ہونے والے کی حالت تو بُری ہے اور بیعت نہ ہونے والے کی حالت اچھی ہے یہ کیوں ہے؟ اس میں آپ غور کریں کہ اگر صرف بیعت کوئی چیز ہے تو اُس شخص کی حالت جو بیعت ہے اُس سے جو بیعت نہیں اچھی ہونی چاہئے تھی۔ پس معلوم ہوا کہ بیعت میں زیادہ برکت نہیں بلکہ کام ہے مبارک۔ جو بیعت ہیں ان کی حالت اچھی ہے تو یہ بھی کام ہی کی برکت ہے۔ جس درجہ کا لوگ سمجھے ہوئے ہیں بیعت کو ہرگز اس درجہ کی چیز نہیں۔ اس بدگمانی کی وجہ سے ہزاروں لوگ غلطی میں مبتلا ہیں یہ جو آپ کو بیعت پر اصرار ہے یہی ظاہر کر رہا ہے کہ آپ اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ نے میری کتابیں دیکھی ہیں آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ غیر ضروری بات کا اہتمام اور اس کو ضروری قرار دینا بدعت ہے۔

(جب پیرزادہ صاحب نے اس کو تسلیم کرلیا تو) پھر مولانا نے فرمایا:

جب بیعت شریعت سے ضروری نہیں تو پھر اس پر اصرار کرنا اور اس کو ضروری

سمجھنا بھی بدعت ہے اور یہ میرا تجربہ ہے اور میں تو کوئی چیز نہیں گو آپ پر تو میرا تجربہ بھی حجت ہو سکتا ہے۔ خیر میرا تجربہ کہئے یا اکابر محققین کا قول سمجھئے۔

یہ بات یقیناً ثابت ہو گئی ہے کہ بیعت کوئی ضروری چیز موقوف علیہ نفع کی نہیں پھر اس کو ضروری یا مہتم بالشان سمجھنا بدعت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم نے بدعات کو چھوڑا ہے میں کہتا ہوں کہ سب بدعات کو ابھی کہاں چھوڑا ہے؟ پوری توبہ تو جب ہے جب اس بدعت کو بھی چھوڑ دیجے پکا یہ اعتقاد کیجئے کہ بیعت ضروری نہیں نہ کسی نفع کی شرط۔ اس کا اچھی طرح تجربہ ہو چکا ہے۔ بہت لوگوں نے مجھ سے ذکر و شغل پوچھ کر شروع کیا مگر بیعت نہیں ہوئے برابر کام میں لگے رہے یہاں تک کہ میرے نزدیک وہ اس قابل ہو گئے کہ ان کو خود بیعت و تلقین کی میں نے اجازت دے دی۔ جس وقت میں نے اجازت دی اس وقت انہوں نے کہا کہ ابھی ہم خود تو بیعت ہوئے ہی نہیں۔ میں ہنسا۔ میں نے کہا تو خیر لاؤ اب کر لوں تو اجازت تو دی پہلے اور بیعت کیا پیچھے کیا وجہ؟ اب سمجھ لیجئے کہ بیعت کو نفع میں کچھ بھی دخل نہیں۔ جو شبہ ہو پیش کیجئے مگر اتنے بڑے تجربہ کے بعد کیا شبہ رہ سکتا ہے میرا تو خود اتنا بڑا تجربہ ہے یا تو میری نسبت یوں کہئے کہ میں نے اس شخص کو یوں ہی خلافت دے دی۔ دراصل وہ خلافت کا اہل نہیں تھا اور اگر آپ یہ نہیں کہتے تو طے ہو چکا تجربہ سے کہ بیعت کوئی ضروری چیز نہیں۔ پھر استفسار فرمایا کہ شبہ پیش کیجئے تاکہ شبہ صاف ہو جائے۔

پیرزادہ صاحب: اس تجربہ کا جواب میرے پاس کچھ نہیں۔

مولانا صاحبؒ: اس تجربہ کا جواب آپ کے پاس کچھ نہیں اور تجربہ حجت ہے تو ایسی حجت سے بیعت کا غیر ضروری ہونا ثابت ہو گیا، جس کا آپ کے پاس جواب نہیں۔ اب آپ اور شبہات پیش کیجئے۔

پیرزادہ صاحب: جب بیعت ضروری نہیں ہے تو پھر مشائخ کیوں بیعت لیا کرتے ہیں؟

مولانا صاحبؒ: میں نے یہ کب کہا ہے کہ بیعت مضر ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ بیعت کے

بعد جو نفع ہوتا ہے وہی بلا بیعت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر کام کرتا رہے۔ نفع کا دار و مدار بیعت پر نہیں۔

پیرزادہ صاحب: جب بیعت بدعت ہے تو اس کو قطعاً ترک کر دینا چاہیے۔

مولانا صاحبؒ: بیعت بدعت نہیں بیعت کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ بیعت بدعت ہے۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ بیعت کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

پیرزادہ صاحب: ہم لوگ تو بیعت کو ابھی تک تو ضروری ہی سمجھتے رہے ہیں۔

مولانا صاحبؒ: تو کیا علماء عوام کی رعایت سے احکام بدل دیں۔

آخر پیرزادہ صاحب کو کہنا پڑا کہ سب شبہات رفع ہو گئے۔"[1]

اس طرح مولانا تھانویؒ کسی کو مرید کرنے میں جن باتوں کا لحاظ رکھتے تھے ان میں سب سے پہلے طالب بیعت کے ذہن میں اس کے متعلق تمام غلط فہمیوں کو دور کرتے تھے اور جب یہ یقین ہو جاتا کہ طالب نے بیعت کا صحیح مقام و مرتبہ جان لیا ہے تو اس کو حلقہ ارادت میں داخل کرتے تھے۔

❋❋❋❋❋

ل حسن العزیز ص ۹۸، ج ۳، ملفوظ ۳۲۱

باب چہارم

آدابِ معاشرت

ادب و تعظیم کی حقیقت

"بادشاہوں کا ادب آسان ہے اور اہل اللہ کا ادب مشکل ہے۔ بڑوں کا ادب یہ ہے کہ ان کے حقوق کی اس طرح رعایت کی جائے کہ ان کو راحت ہو تعب نہ ہو۔"

(مولانا اشرف علی تھانوی)

فصل اول

ادب وتعظیم کی حقیقت

یہ مقولہ مشہور ہے کہ ''باادب بانصیب'' اور ''بے ادب بے نصیب'' اور یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے بزرگوں کا ادب کرتا ہے اور ان کی تعظیم کو اپنے لیے سعادت بھی تصور کرتا ہے لیکن اپنی نادانی کے باعث ادب اور تعظیم کا اظہار اس طور پر کرتا ہے کہ بزرگوں کے لیے اذیت کا باعث بن جاتا ہے اور ان کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ مولانا تھانویؒ کبھی تو اس مروجہ طریقہ ادب وتعظیم کی اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں مذمت کرتے ہیں اور کبھی مثالوں اور واقعات کے ذریعے ادب وتعظیم کی اصل حقیقت بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ادب اصل میں رعایت حقوق کو کہتے ہیں۔ بزرگوں کا ادب یہ ہے کہ ان کے حقوق کی اس طرح رعایت کی جائے کہ انہیں راحت ہو اذیت نہ ہو اور یہ ادب اہل اللہ ہی کو میسر ہے۔ جیسا کہ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا:

''ادب حقیقی اور رعایت حقوق جس کو اصل ادب کہتے ہیں وہ اہل اللہ کو میسر ہے اور لوگ تو صرف زبانی ہی جمع خرچ رکھتے ہیں اور ادب کی حقیقت سے محض بے خبر اور ناآشنا ہیں۔ اس پر ایک قصہ بیان فرمایا۔ حضرت شاہ ابو المعالیؒ کے یہاں ان کے پیر شیخ محمد صادق صاحب محبوب الٰہیؒ مہمان ہوئے۔ شاہ صاحبؒ موجود نہ تھے ان کی بیوی نے کچھ کھانے کا انتظام کرنا چاہا مگر گھر میں کچھ نہ تھا اور اس روز گھر میں فاقہ تھا۔ ان بیچاری نے محلّہ میں پڑوس میں کسی کو بھیجا کہ کہیں سے کچھ مل جاوے وہ خادم کئی بار آیا گیا۔ شیخ نے اس آدمی سے دریافت کیا کہ تم بار بار کہاں آتے جاتے ہو جو بات تھی اس نے کہہ دی۔ شاہ صاحب نے ایک روپیہ دیا کہ اس کے گندم منگا لو چنانچہ گندم لائی گئی۔ آپ نے گھر میں سے ایک مٹکی منگا کر اس میں گندم بھر کر اور ایک

تعویذ لکھ کر اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ جس قدر ضرورت ہوا کرے اس میں سے نکال لیا کرو اور کبھی منکی کو لوٹنا مت اور نہ اس میں سے تعویذ نکالنا۔ یہ فرما کو خود چل دیئے۔ گھر میں کھانا پکانے کی رونق ہوگئی۔ دس پانچ روز کے بعد شاہ ابوالمعالی صاحبؒ مکان پر تشریف لائے دیکھا کہ گھر میں رونق ہو رہی ہے وجہ دریافت کی۔ بیوی نے کہا حضرت شیخ آئے تھے وہ ایک روپیہ کی گندم ایک منکی میں بھر کر اور ایک تعویذ لکھ کر اس میں رکھ گئے ہیں۔ اس سے یہ سب کام چل رہے ہیں۔ اب شاہ صاحب کو خیال ہوا کہ تعویذ کے تو ہم مستحق ہیں یہ منکی اور مکان اس کے مستحق نہیں۔ یہ کہہ کر اور منکی منگائی اس کو کوٹ کر اور تعویذ تو ٹوپی میں رکھ لیا اور اناج خیرات کر دیا۔ دیکھئے توکل اور شیخ کے تبرک دونوں کے ادب کو کیسے جمع کیا۔ واقعی اہل اللہ ادب کے پتلے ہیں۔ پھر ادب کی تفسیر کی کہ ادب کہتے ہیں رعایت حقوق کو۔ مگر آج کل ادب تعظیم وتکریم کو اور سامنے نہ بولنے کو اور نیچی گردن کر کے اوپر نہ اٹھانے کو اور پچھلے پیروں ہٹنے کو ادب سمجھتے ہیں جو سب ڈھونگ ہے۔ اصل چیز خلوص اور فکر ہے ان سے سب کام ٹھیک ہو جاتا ہے مگر آج کل یہی دونوں چیزیں لوگوں میں مفقود ہیں۔

ادب اور خلوص پر ایک اور واقعہ یاد آ گیا۔ دیوبند میں ایک صاحب تھے دیوانجی اللہ دیا۔ انہوں نے حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے تو تم سے کہا تھا کہ گنگوہ جا کر مولانا سے بیعت ہو جاؤ۔ عرض کیا کہ میں بیعت ہو آیا اور جہاں جہاں آپ فرمائیں گے وہاں جا کر بیعت ہو آؤں گا مگر دل سے بیعت ہوں گا آپ ہی سے۔ کیا ٹھکانہ ہے اس تعلق اور محبت کا۔ آخر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرما لیا۔ دیکھئے کیا لطیف ادب اور اطاعت ہے۔ ایک اور واقعہ یاد آ گیا بنگرام کے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے مرید جو شاگرد بھی تھے حاضر ہوئے دیکھا کہ شیخ کا چہرہ مشغول ہے۔ قرینہ سے

معلوم ہوا کہ کئی وقت کا فاقہ ہے اٹھ کر چلے گئے، مکان پر گئے اور بہت سا کھانا اور کچھ نقد خوان میں لگا کر لے کر آئے اور پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ تمہارا ہدیہ ایسے وقت میں آیا ہے کہ مجھے اس کی حاجت ہے مگر اس وقت لینا سنت کے خلاف ہے، اس لیے کہ حدیث میں یہ قید ہے:

ما اتاك من غير مسئلة ولا اشراف فخذوه ومالا فلا تتبعه نفسك۔[1]

جو کچھ تیرے پاس بغیر سوال اور بغیر اشراف نفس کے آئے تو اس کو قبول کر لے اور جس میں یہ ہو (یعنی سوال کر کے آئے یا اشراف نفس کے بعد) تو اس کے اندر اپنے نفس کی پیروی مت کرو۔

اور یہاں یہ شرط نہیں پائی گئی کیونکہ جس وقت تم اٹھ کر گئے تھے مجھے احتمال ہوا کہ شاید کچھ لینے جا رہے ہو اور اس احتمال کی وجہ سے مجھ کو انتظار رہا تو ہدیہ ایسے وقت آیا اس لیے میں نہیں لے سکتا۔ مرید نے عرض کیا کہ بہت اچھا حضرت جیسے خوشی ہو، یہ کہا اور ہدیہ اٹھایا اور لے کر چل دیئے۔ لوگوں نے بڑے دانت پیسے کہ یہ کیسا ہدیہ لایا تھا کچھ بھی تو اصرار نہ کیا کہتے ہی لے کر چل دیا۔ مگر جب نظر سے اوجھل ہو گیا تو پھر لے کر آیا کہ لیجئے حضرت اب تو انتظار نہ رہا اب قبول فرما لیجئے۔ اب بتلایئے دوسرا ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں کر سکتا جن کے قلب میں ادب اور اطاعت کا نور ہو وہی کر سکتے ہیں۔ بس یہ ہے حقیقی ادب۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ بادشاہوں کا ادب آسان ہے اور اہل اللہ کا ادب مشکل ہے۔[2]

اسی طرح واقعہ ہجرت کے حوالے سے ایک بار فرمایا:

۱ دیکھیں صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۴۰۵ [illegible]

۲ ملفوظات الیوسفیہ ج ۹ ص ۲۲۱_۲۲۲ ملفوظ ۳۰۵

""مسجد قبا میں آنے والے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے دھوکہ میں مصافحہ کرتے رہے۔ جب دھوپ چڑھ آئی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے تب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ یہ ہیں۔ سو حضور ﷺ اس قدر سادگی سے رہتے تھے۔ اب یہاں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ معلوم ہونے پر دوبارہ حضور ﷺ سے کسی نے مصافحہ نہیں کیا۔ نیز یہ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو تکلیف سے بچانے کے لیے خود ہی مصافحہ کیا۔[1]

کیا ادب ہے! حقیقی ادب اس کو کہتے ہیں۔ کس جان نثاری سے لوگ آئے تھے اور ان کے لیے مصافحہ کس درجہ نعمت غیر مترقبہ تھا، مگر اپنی خواہش پوری کرنے کے مقابلہ میں حضور ﷺ کی تکلیف کا زیادہ پاس کیا""۔[2]

ادب و تعظیم سے اصل مقصود راحت پہنچانا ہے گویا جس سے دوسرے کو راحت ہو وہی کرنا مناسب ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

""دیکھئے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ کون ادب کرنے والا ہوگا۔ مؤرخین نے بھی لکھا ہے کہ دنیا میں نظیر نہیں پائی گئی اس محبت، تعظیم اور جاں نثاری کی مگر باوجود اس کے جب حضرات صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ناگوار ہوتا ہے تو کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم کھڑے نہیں ہوتے کہ ناگوار نہ ہو۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جب آتے ہم کھڑے ہو جاتے۔ مولانا کو تکلیف ہوتی بہت دن صبر کیا۔ ایک دن فرمایا کہ بھائی مجھے تکلیف ہوتی ہے کھڑے مت ہوا کرو۔ اس کے بعد سے بے اختیار جی چاہتا تھا کہ کھڑے ہو جائیں کیونکہ محبت بھی، ادب بھی، عظمت بھی لیکن یہی خیال ہوتا تھا کہ مولانا کو تکلیف ہوگی جوش کو ضبط کیے بیٹھے رہتے۔

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ﷺ، ج اول، ص ۹۰، ج اول، مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، مئی سنہ ۱۹۹۱ء۔

[2] حکیم محمد یوسف، حکیم محمد مصطفیٰ، حسن العزیز، جلد چہارم، ص ۳۲۹۔۳۳۰

پھر فرمایا کہ اس صورت میں میرے نزدیک بیٹھا رہنا زیادہ نافع ہے کیونکہ اپنا جی چاہتا ہے کہ اٹھیں لیکن شیخ کی کلفت کے خیال سے طبیعت کو روک کر بیٹھے رہے۔ مخالفت طبیعت مجاہدہ ہے۔ اب یوں چاہتے ہیں کہ خود پیر صاحب مجاہدہ کریں۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو فارغ ہے مجاہدہ سے یعنی ان کے اعتقاد میں وہ تو مجاہدہ کرے اور جنھیں حاجت ہو مجاہدہ کی وہ نہ کریں"۔[1]

اسی طرح اہل اللہ نہ صرف یہ کہ بزرگوں کا ادب کرتے ہیں بلکہ علم دین کا بھی ادب کرتے ہیں چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب اور بے مثال ادب کا واقعہ بیان کیا ہے اور فرمایا:

"حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کے لیے لگا لیا جاتا ہے۔ فوراً گھبرا کر باہر آ گئے اور اس کے دھونے کے بعد تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ اس نقطہ کو بھی علم کے ساتھ ایک تلبس ونسبت ہے۔ بے ادبی معلوم ہوئی اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں۔

جو لوگ ہر وقت اپنے دل کو بری چیزوں سے صاف رکھنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ہر وقت اہتمام رکھتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ ادنیٰ کوتاہی سے بھاگتے ہیں اور ادنیٰ سی نیکی کو بھی چھوڑتے نہیں کیونکہ بعض اوقات ادنیٰ سی چیز محبوب حقیقی کی خاص توجہ سے حجاب بن جاتی ہے۔

فراق دوست اگر اندک ست اندک نیست   دوست کی جدائی اگر تھوڑی بھی ہے تو
درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است   اسے تھوڑی نہ سمجھو کیونکہ اگر آنکھ میں ذرا سی بھی خرابی پیدا ہو جائے تو وہ بہت زیادہ ہے۔

یہ ثمرات وبرکات عشق کے ہیں"۔[2]

---

[1] تواجد عزیز الحسن مجذوبؒ۔ حسن العزیز، ص ۳۰۰۔ ۳۰۱

[2] مجالس حکیم الامت، ص ۳۰۵

مزید فرمایا:

"ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ اور ایک اور شخص نہر میں وضو کر رہے تھے۔ امام صاحب نیچے کی طرف تھے اور وہ شخص اوپر کی طرف۔ اس شخص نے خیال کیا کہ امام صاحب مقتدائے وقت ہیں، میرا مستعمل پانی ان کے پاس جاتا ہے یہ بے ادبی ہے، اس لیے وہ اٹھ کر دوسری طرف ان کے نیچے جا بیٹھا۔ بعد انتقال کے اس کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ مغفرت ہوئی یا نہیں؟ کہا کہ میرے پاس کوئی عمل نہ تھا اسی پر مغفرت ہوئی کہ تو نے ہمارے ایک مقبول بندہ احمد بن حنبل کا ادب کیا تھا ہم کو یہ پسند آیا یہ بھی کوئی بات تھی۔ اسی واسطے حدیث میں ہے کہ لا تحقرن کسی نیک عمل کو حقیر نہ سمجھو ہر نیک عمل میں خاصیت مغفرت کی ہے۔ اسی طرح ہر گناہ میں خاصیت عذاب کی ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔

میں تو کہا کرتا ہوں کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ چھوٹا گناہ ہے یا بڑا، کہ اگر چھوٹا ہو تو کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"[1]

بعض لوگ ایسا ادب کرتے ہیں جس سے بجائے راحت کے گرانی اور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت والا ادب و تعظیم کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ادب وہ ہے جس میں دوسرے کو راحت ہو، بعض مرتبہ تعظیم سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ میرے پاس ایک شخص آئے آ کر سامنے کھڑے رہے بیٹھے نہیں۔ میں نے کہا کہ تم بیٹھتے کیوں نہیں؟ کہنے لگے کہ بلا اجازت کس طرح بیٹھ جاؤں۔ میں نے کہا کہ اچھا تو بغیر اجازت کیوں کھڑے ہو؟ فوراً بیٹھ گئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ کب جاؤ گے؟ کس قدر ٹھہرو گے؟ کہنے لگے کہ جب حکم ہو گا۔ میں نے کہا کہ اچھا اور کس قدر ٹھہرو گے؟ کہنے لگے کہ جس قدر کام ہے اس قدر تو ضرور ٹھہروں گا۔ میں نے کہا بندۂ خدا پہلے ہی کیوں نہ کہہ

---

[1] مجالس حکیم الامت ص ۲۴۳ ... ۲۳۵

دیا کر اتنا ٹھہروں گا۔ اس تکلف سے کیا فائدہ، اور اگر واقعی جی تفویض محض کی نیت تھی تو پھر بدلی کیوں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ باتیں نہ تھیں بالکل بے تکلف سب کے ساتھ ہنستے بولتے تھے۔ آج کل بزرگی کے معنی یہ ہیں کہ منہ چڑھا کر بیٹھ جاؤ نہ کسی سے بولو نہ ہنسو۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے مزاج میں مزاح تھا جہاں بیٹھتے تھے لوگوں کو ہنسایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ کرتہ اتارے بیٹھے لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کوکھ میں انگلی چبھو دی انہوں نے کہا میں بدلہ لوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا لے لو۔ انہوں نے کہا کہ میرے بدن پر تو کرتہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن پر کرتہ ہے۔ آپ ﷺ نے کرتہ مبارک اٹھالیا وہ لپٹ گئے اور بدن مبارک پر بوسہ دینے لگے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا تو یہ مقصود تھا۔[1]

دیکھئے! کہ ان کے اس کہنے سے کہ میں بدلہ لوں گا حضور ﷺ نے ذرا برا نہیں مانا بلکہ بدلہ دینے کے لیے تیار تھے۔ اس کا نام ہے بے تکلفی۔ آج کل پیر و مرید میں تکلف ہے ادب و محبت اور بے تکلفی نہیں ہے۔ مرید پیر کے سامنے بولتے نہیں، ہنستے نہیں۔ بے اجازت بیٹھتے نہیں۔ یہ کیا ادب ہے اچھا خاصا جیل خانہ ہے اور جب تک تکلف رہتا ہے دل نہیں ملتا اور جب تک دل نہیں ملتا تو نفع نہیں ہوتا"[2]

بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت زیادہ تکلیف پہنچتی ہے اور اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا ان تکالیف کا ذکر کرتے ہوئے مولانا تھانوی فرماتے ہیں

"بعض لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ جن کو بزرگ سمجھتے ہیں ان کے پشت کھڑے ہو کر نماز شروع کر دیتے ہیں کہ اگر وہ کسی ضرورت سے اٹھنا چاہیں

---

1. مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۳، باب المصافحہ والمعانقہ
2. آداب انسانیت بعنوان "التعصب" ص ۲۳۱_۲۳۳

تو اٹھ ہی نہ سکیں۔ معلوم ہوا یہ کیا ادب ہے کہ ایک شخص کو مقید کر کے بٹھا دیا۔ فرض کیجئے کہ نماز کی نیت باندھنے کے ساتھ ہی ان بزرگ کو تقاضہ حاجت کی ضرورت ہو اور تقاضہ بھی شدت سے ہو تو وہ کیا کریں یا تو نمازی کے سامنے سے اٹھ کر جائیں یا ان کی چار رکعتیں پوری ہونے تک جبراً و قہراً بیٹھے رہیں۔

نیز بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بزرگوں کے پاؤں باوجود ممانعت کے پکڑتے ہیں اور ان کی تکلیف کی ذرا پرواہ نہیں کرتے اور اگر روکا جاتا ہے تو اس کے روکنے کی تصنع اور تکلف پر محمول کرتے ہیں اور باز نہیں آتے۔ حالانکہ غور کرنا چاہئے کہ جب ان کے روکنے کو تصنع پر محمول کیا تو ان کو متصنع سمجھا تو پھر وہ بزرگ نہ ہوئے پھر پاؤں کیوں پکڑتے ہیں۔[1]

اسی طرح بعض بزرگوں کو اپنی خدمت سے تکلیف اور گرانی ہوتی ہے اور وہ اس کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی جوتیاں اٹھائے۔ چنانچہ اپنے استاد مولانا فتح محمد صاحب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا تھانوی فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ تھانہ بھون کی جامع مسجد سے استاذی مولانا فتح محمد صاحب مرحوم جمعہ کی نماز پڑھ کر چلے۔ وسط فرش تک پہنچے تھے کہ ایک شخص نے آ کر ہاتھ سے جوتے لینا چاہے۔ مولانا نے براہ تواضع انکار فرمایا۔ لیکن اس نے نہ مانا آخر قیل و قال میں بہت دیر ہو گئی اور اس احمق کی بدولت مولانا کو تیز آفتاب میں کھڑا رہنا پڑا۔ جب اس نے دیکھا کہ مولانا کسی طرح نہیں مانتے تو ایک ہاتھ سے مولانا کی کلائی پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے جھٹکا مارا اور جوتے لے لئے اور دوڑ کر کنارہ فرش پر رکھ آیا۔ اور اپنی اس کامیابی پر بہت خوش ہوا۔ میں نے جو یہ حرکت دیکھی تو مجھے سخت ناگوار ہوئی اور اس شخص کو

---

[1] ملفوظات حکیم الامت ج ۱ ص ۲۹۸، ۲۹۹

میں نے بہت ہی برا بھلا کہا اور میں نے کہا کہ ظالم تو نے جوتے لے کر چلنے کو تو ادب سمجھا لیکن اس بدتمیزی اور بے ادبی کا خیال تجھ کو نہ ہوا کہ تو نے تپتے ہوئے فرش پر مولانا کو کھڑا کیے رکھا اور ہاتھ کو جھٹکا دے کر جوتا چھین لیا"۔[1]

اور ادب جو رعایت حقوق کا نام ہے اس کا اعلیٰ اور مثالی مقام یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے لیے اذیت کو پسند نہیں کرتا ہے تو پھر ایسا آدمی دوسروں کے لیے اذیت کو کیونکر پسند کر سکتا ہے اور اس ظاہری ادب کو ادب کیونکر کہا جا سکتا ہے جبکہ وہ اذیت کا سبب بن جائے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:

"مصیبت یہ ہے کہ دین صرف نماز روزہ کا نام سمجھ لیا ہے۔ دین کا ایک جزو یہ بھی تو ہے جو حدیث میں ہے:

واحب لاخیك المسلم ما تحب لنفسك تكن مسلما[2]	دوسرے مسلمان کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے واسطے کرتے ہو تب مسلمان ہو گے۔

جب اپنی تکلیف گوارا نہیں ہوتی ہے تو دوسرے کی تکلیف کیوں گوارا کی جائے۔ اس کی تعلیم سے حدیثیں بھری پڑی ہیں کہ اپنے کسی فعل سے بھی دوسرے کو تکلیف نہ دی جائے نہ قولاً نہ فعلاً مسلم میں حدیث ہے مقداد بن اسود اس کے راوی ہیں۔"[3]

---

[1] علم وعمل، بعنوان "العلم والعمل" ص ۳۹۶۔۳۹۸

[2] صحیح مسلم، ص ۵۰، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان الی آخرہ

[3] حکیم محمد یوسف، حکیم محمد مصطفیٰ، حسن العزیز، جلد چہارم، ص ۳۲۶۔۳۲۷

مجلس کے آداب

’’جن لوگوں کا مجھ سے اصلاح کا تعلق ہے ان کی معمولی کوتاہی پر بھی میری نظر رہتی ہے ان کی کسی حالت سے بھی کسی معیوب یا منکر بات کا صادر ہونا مجھ کو سخت ناگوار ہوتا ہے اور اس معاملہ میں سخت دارو گیر کرتا ہوں۔‘‘

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

❋❋❋❋❋

فصل دوم

مجلس کے آداب

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ مولانا تھانویؒ کے نزدیک ادب رعایت حقوق کا نام ہے۔ اس طور پر کہ اپنے رویہ سے کسی کو اذیت نہ ہو اور یہ ادب شیخ کامل کی صحبت ہی میں سیکھا جا سکتا ہے۔ اسی لیے مولانا مرید کرنے سے پہلے طالبین بیعت کو اپنی صحبت میں بیٹھنے کا مشورہ دیتے تا کہ ان کی مجلس میں بیٹھ کر ادب سیکھ سکیں۔ مولانا اپنی مجالس میں ایسی ایسی جزئیات اور حرکات پر نظر رکھتے جو بظاہر چھوٹی اور معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن آپ اُن کی طرف توجہ دلاتے اور ٹوکتے جس سے مقصود صرف اصلاح احوال ہی ہوتا تھا۔

چنانچہ ایک بار آپ نے مجلس میں بیٹھ کر پاؤں یا ہاتھ کو فضول ہلانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اگر سب اسی طرح اپنے اپنے پاؤں ہلانے لگیں تو ساری مجلس میں ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس عادت کو بہت اہتمام کے ساتھ ترک کرنا چاہیے کیونکہ علاوہ لغویت کے اس میں آزاد خیال لوگوں کے ساتھ تشبیہ بھی ہے"۔[1]

نیز بعض لوگ مجلس میں باوجود قریب جگہ ہونے کے دور بیٹھتے یا قریب کی جگہ خالی ہو جانے کے بعد بھی دور ہی بیٹھے رہتے تو اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے ایک بار فرمایا:

"آپ تو اس طرح بیٹھے ہیں کہ آنے والے دیکھ کر خواہ مخواہ مرعوب ہوں کہ اُفوہ بڑی پر رعب مجلس ہے۔ کسی کو پاس بیٹھنے کی بھی ہمت نہیں تو کیا آپ مجھ کو لوگوں کی نظر میں بھیڑیا بنانے چاہتے ہیں"۔[2]

---

[1] اشرف السوانح ج دوم ص ۲۲۳-۲۲۴

[2] ایضاً ج دوم ص ۲۷۱

مجلس میں جہاں مولانا بیٹھتے تھے اس کی پائنتی جو فرش تھا وہ صرف ان لوگوں کے لیے تھا جن کو کوئی بات کہنی ہوتی یا صرف ملاقات کرنی ہوتی جب بعض لوگ وہاں بھی مستقل طور پر بیٹھنے لگے تو تنبیہ فرمایا

''یہ تو دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ مستقل طور پر بیٹھنے کی جگہ ہوتی تو خالی کیوں ہوتی۔ لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں وہ یہاں کیوں نہ بیٹھتے۔ ایسی باتوں کی طرف خیال نہ کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے۔''[1]

ایک بار مجلس میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور مولانا سے مصافحہ کرنے کے بعد تمام مجلس سے مصافحہ شروع کر دیا تو اس پر مولانا نے فرمایا:

''یہ طریقہ کس نے سکھایا ہے اگر مجلس میں پچاس آدمی ہوں تو اچھا خاصا مشغلہ ہو جائے گا۔ سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر تمہاری طرف متوجہ ہوں۔ ایک شخص سے مصافحہ کر لیا سب کی طرف سے ہو گیا۔ آخر سلام سب کو الگ الگ کیوں نہیں کیا؟ معاشرت تو لوگوں کی برباد ہی ہو گئی۔ غرض ہر چیز کے اصول ہیں اور کسی بات جیسے پنکھا کھینچنا اس کے بھی آداب ہیں۔ مثلاً اگر کوئی پنکھے کے قریب آنے لگے یا جانے لگے اس وقت پنکھا روک دینا چاہیے ورنہ مشین میں اور آدمی میں فرق ہی کیا رہا۔ ایسی باتوں پر لوگ مجھ سے خفا ہیں۔
ایک شخص نے بطور اعتراض کہا کہ آپ کے مزاج میں تو انگریزوں کا سا انتظام ہے۔ میں نے کہا کہ یوں کیوں نہیں کہتے کہ انگریزوں میں ہمارا سا انتظام ہے۔ انگریزوں نے بھی تو اسلام ہی سے یہ سبق سیکھا ہے وہ اور کہاں سے لائے تھے۔''[2]

اسی معاملہ کو ایک بار وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا

''طبیب کے پاس دو قسم کے لوگ آتے ہیں ایک تو وہ جو محض ملاقات کے لیے آتے ہیں۔ ان کو تو معزز جگہ بٹھایا جاتا ہے۔ دل خوش کن باتیں کی جاتی ہیں

۱ اشرف السوانح ج ۲، ص ۱۸۲

۲ الافاضات الیومیہ ج ۲، ص ۹۵، ملفوظ ۹۵

شربت پلایا جاتا ہے، پان کھلایا جاتا ہے، الائچی دی جاتی ہے عطر پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنا علاج کرانے آتے ہیں۔ ان کو مریضوں کی صف میں بٹھایا جاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ بولنے نہیں دیا جاتا۔ کڑوی کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں۔

اگر کوئی چوں وچرا کرے تو مطب سے نکال دیا جاتا ہے۔ تو اگر کوئی مریض یہ ہوس کرے کہ میرے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کیا جاوے جیسا ملاقاتی کے ساتھ کیا جاتا ہے تو یہ اس کی حماقت ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی وہ غرض تو نہ حاصل ہوگی جس غرض سے وہ طبیب کے پاس آیا ہے یعنی صحت، بلکہ اگر اس کو مرض تو ہو پیچش کا اور پلایا جاوے روزانہ شربت تو پیچش اور بھی بڑھ کر ہلاکت تک نوبت پہنچ جائے"۔[1]

مصافحہ یوں تو ایک بہت ہی مستحسن فعل ہے خصوصاً جب کہ کسی بزرگ سے اس کا موقع میسر آ جائے۔ لیکن لوگ نادانی کے باعث اس کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ جن بزرگ سے مصافحہ مقصود ہوتا ہے ان کی اذیت کا سبب بن جاتا ہے۔ موقع اور محل نہیں دیکھتے بس پل پڑتے ہیں کہ کسی طرح مصافحہ کرلیں خواہ ان بزرگ کو یا دوسرے لوگوں کو اذیت ہو۔ چنانچہ مولانا تھانویؒ خود اپنا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"بعضے مسجد کے اندر عین اس وقت جب میں نماز پڑھانے کے لیے جاتا ہوا ہوتا ہوں مصافحہ کرنے لگتے ہیں جس سے میں محبوس ہو جاتا ہوں اور بعض دفعہ وقت بھی تنگ ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں اُدھر جانا چاہتا ہوں جلدی اور اِدھر ان کو ایسے وقت سوجھتی ہے مصافحہ کی جس سے قلب میں سخت تنگی واقع ہوتی ہے اور بعضے نماز ہو چکنے کے بعد جب میں کچھ وظیفہ پڑھنے لگتا ہوں محض میرے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں جس سے وظیفہ میں یکسوئی نہیں رہتی۔ ایک بار ایک صاحب نے وظیفہ میں آ کر مصافحہ کرنا چاہا جب میں

---

[1] اشرف السوانح: ج دوم، ص ۵۸۔۵۹

متوجہ نہ ہوا تو آپ نے زور سے کہا معافی، میں نے بھی بلا متوجہ ہوئے اپنی
انداز سے کہہ دیا وعلیکم۔

میں اس کی بڑی احتیاط رکھتا ہوں کہ کسی کے وظیفہ میں خلل انداز نہ ہوں
کیونکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی غیرت آتی ہے۔ جو
بندہ اس کے ذکر میں مشغول ہو اس کو دوسری طرف متوجہ کیا جائے اور بعضے
وظیفہ پڑھنے میں آ کر میرے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک ایسے ہی شخص کا میں
نے خوب علاج کیا۔ وہ میرے پیچھے آ کر بیٹھا تو میں اٹھ کر اس کے پیچھے جا
بیٹھا۔ وہ اٹھنے لگا تو میں نے ڈانٹا کہ خبردار ہو اپنی جگہ سے ہٹے۔ اب تو وہ بڑا
گھبرایا اور بہت کسمسایا لیکن کیا کرتا مجبوراً بیٹھا رہا۔ میں بھی خوب ترتیل کے
ساتھ اپنا وظیفہ بہت دیر تک پڑھتا رہا جب اطمینان سے اپنا وظیفہ پورا کر چکا
اس وقت میں نے اس کو اٹھنے کی اجازت دی پھر میں نے پوچھا کہ کچھ
تکلیف بھی ہوئی۔ اس نے کہا جی بڑی تکلیف ہوئی لیکن ڈر کے مارے بیٹھا
رہا۔ میں نے کہا کہ بس ایسے ہی کسی کے پیچھے بیٹھنے سے مجھے بھی تکلیف ہوتی
ہے۔ اس نے کہا کہ آپ تو بزرگ ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ بھی بزرگ ہیں
کیونکہ مسلمان ہیں۔ اور میں ہر مسلمان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ خبردار! جو پھر
کبھی ایسی حرکت کی۔[1]

ایک موقع پر مولانا تھانویؒ کی مجلس میں ایک صاحب نے رخصت کے وقت عرض
کیا کہ حضرت دعا میں یاد رکھئے گا جس پر مولانا نے فرمایا:

”میں یاد رکھنے کا وعدہ نہیں کر سکتا کیونکہ دعا کرنا یاد کیسے رہے گا“۔

پھر فرمایا:

”رسموں کا ایسا غلبہ ہو گیا ہے کہ حقائق بالکل نظر سے غائب ہو گئے ہیں۔ اب

---

[1] اشرف السوانح، ج دوم ص ۲۶۹، ۲۷۰

اس کو دیکھ لیجئے کہ چلتے وقت بھی کہنے کی رسم پڑ گئی ہے کہ دعا میں یاد رکھئے گا۔ میں تو جھوٹا وعدہ نہیں کرتا کبھی نہیں کرتا صاف کہہ دیتا ہوں کہ اس وقت تو دعا کیے دیتا ہوں کہ اللہ ہر طرح کا فضل کرے باقی آئندہ کے لیے عام دعا تو ہر بھلائی کی سب مسلمانوں کے لیے پانچوں وقت ہوں ہی کرتا رہتا ہوں۔ چنانچہ اس کے لیے ایک خاص دعا بھی تجویز کر رکھی ہے:

اللھم کل خیر لکل مسلم ومسلمۃ — اے اللہ ہر مسلمان مرد اور عورت کو ہر قسم کی خیر عطا فرما۔

بجائے اس کے کہ دوسرے کے اوپر یاد رکھنے کا بوجھ رکھا جائے جب جی چاہا کرے خود ہی دعا کے لیے کیوں نہ خط لکھ دیا کریں اب ان سے کسی کو تعجب ہو گا کہ بھلا یہ نیا شخص نکلا اور کسی نے تو کبھی انکار کیا ہی نہیں تھا۔ میں تو اپنے انکار کا ایک معقول سبب بیان کر رہا ہوں، جنہوں نے انکار نہیں کیا ان کے فعل کا سبب ان سے دریافت کیا جائے اور کچھ نہیں جب رسموں کا غلبہ ہو جاتا ہے تو کم و بیش سب ہی ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ہم تو بہت بزرگوں کی مجلس میں گئے لیکن کہیں ایسی باتوں پر روک ٹوک نہیں ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ بھائی! میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا۔ آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں۔[1]

مجلس میں ادب و تعظیم کے خلاف کسی سے کوئی حرکت سرزد ہو جاتی اور اس پر ٹوکتے تو ان کا یہ ٹوکنا اس بناء پر نہیں ہوتا تھا کہ دوسروں سے اپنی تعظیم کرانا چاہتے ہوں یا اپنے کو قابل تعظیم سمجھتے ہوں بلکہ یہ ایک عجیب نکتہ ان کے پیش نظر ہوتا کہ جب ایک شخص کسی کے قابل تعظیم ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو پھر اپنے اعتقاد کے مطابق عمل کیوں نہیں کرتا ہے چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

---

۱ الافاضات الیومیہ ج ۹ ص ۹ ملفوظ ۸۰

''اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ میں اپنے آپ کو قابل تعظیم سمجھتا ہوں یا میں اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہوں اول تو میں کیا چیز ہوں جو میری تعظیم کی جائے لیکن اس عدم تعظیم پر اس لیے نکیر ہے کہ جب کسی نے ایک شخص کو اپنے اعتقاد میں معظم سمجھ لیا ہے تو پھر وہ اب اپنے اعتقاد وعظمت کا حق کیوں نہیں ادا کرتا۔ اپنے اعتقاد کے خلاف اس کے ساتھ کیوں معاملہ کرتا ہے ورنہ مجھ کو تو واقعۃً اس قبیح معاملہ کی تعلیم کرتے ہوئے بھی نہایت خجلت ہوتی ہے مگر بضرورت اصلاح کہنا ہی پڑتا ہے۔''[1]

بعض لوگ اپنے ہمراہ دوسروں کو بھی ساتھ لے آتے ہیں چنانچہ دوسرے کو ساتھ لانے میں خرابی ہوتی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک سلسلہ گفتگو میں آپ نے فرمایا:

''آج کل یہ بھی آنے والوں کی قریب قریب ایک عام عادت ہوگئی ہے کہ دوسروں کو اپنے ساتھ لگا کر لاتے ہیں۔ یہ طرز بہت برا ہے اور اس میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مرادآبادی نے مولوی محمد علی صاحب سے فرمایا تھا کہ کسی کو ساتھ مت لایا کرو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حاصل یہ تھا کہ تمہارے ساتھ اور معاملہ ہے اور آنے والے کے ساتھ نہ معلوم کیا برتاؤ مناسب ہے۔ تمہارے ساتھ ہونے کی وجہ سے اس کی رعایت کرنی پڑتی ہے۔ کیسی اصولی بات فرمائی حالانکہ مجذوب تھے مگر نہ معلوم کس طرح یہ اصول قلب میں آتے تھے۔ اب تجربہ کے بعد معلوم ہوا ہے کہ واقعی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس میں دو صورتیں ہیں اگر ایسے شخص کے ساتھ آئے کہ جس سے پہلے سے بے تکلفی یا مناسبت نہیں اور اس شخص نے کچھ بے عنوانی کی اور اس پر سیاست جاری کی گئی تو اس کے ساتھ اس کے ساتھی بھی بہت سی باتوں سے محروم ہو جاتے ہیں جیسا کہ آج ہی کا

---

1 اشرف السوانح: ج دوم، ص ۲۲۸

واقعہ ہے کہ وہ شخص ایک صاحب کے ہمراہ آئے تھے ان صاحب کی بعض کوتاہیوں پر جو ان سے برتاؤ کیا گیا وہ دونوں بھی کچھ نہ کہہ سکے اور اگر ایسے شخص کے ساتھ آئے کہ اس سے بے تکلفی اور مناسبت ہے اور اس وجہ سے ان کے ساتھ بھی معاملہ خوش خلقی کا برتا گیا تو اس میں دو خرابی ہیں، ایک تو یہ کہ جس کے پاس آئے بعض اوقات باوجود خلاف مذاق ہونے کے ان سے وہ برتاؤ کیا گیا تو اس کو کلفت اور گرانی ہوئی اور ایک یہ کہ ان کو اس برتاؤ سے اس لیے کوئی نفع نہ ہوا کہ ان کی حالت کے مناسب یہ برتاؤ نہ تھا اس لیے کہ ہر شخص کے ساتھ جدا برتاؤ پیدا ہوتا ہے۔ جس میں اس کی حالت کی رعایت ہوتی ہے۔''[1]

چونکہ پیر اور مرید کا تعلق بالکل مریض اور طبیب کا سا ہے اسی بناء پر مولانا تھانویؒ کی روک ٹوک اور سختی صرف انہیں لوگوں سے تھی جن کا اصلاحی تعلق مولانا سے تھا چنانچہ فرماتے تھے:

''جن لوگوں کا مجھ سے اصلاح کا تعلق ہے اس کی معمولی معمولی کوتاہی پر بھی میری نظر رہتی ہے۔ ان کی کسی حالت سے بھی کسی معیوب یا منکر بات کا صادر ہونا مجھ کو سخت ناگوار ہوتا ہے اور اس معاملہ میں سخت دارو گیر کرتا ہوں خواہ کتنا ہی قوی تعلق محبت کا ہو ہرگز مروت یا مسامحت سے کام نہیں لیتا۔ لیکن جن لوگوں سے ایسا تعلق نہیں بحمد اللہ! میری نظر ان کے کسی عیب پر نہیں پڑتی بلکہ تعلق بنانے کے لیے ان کی خوبیاں ہی میرے سامنے رہتی ہیں۔''[2]

یہ روک ٹوک اور سختی جسے مولانا لفظ سیاست سے تعبیر کرتے تھے اس پر جب بعضوں نے کہا کہ اور حضرات کا تو یہ طریقہ نہ تھا اس پر مولانا نے فرمایا:

''یہ بات تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ حد عمرنہ حضور اقدس ﷺ

---

[1] الافاضات الیومیہ: ج دوم، ملفوظ ۵۲۰
[2] مآثر حکیم الامت ص ۱۲۹

کے زمانہ میں تھی نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی۔ صرف تعزیر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بجائے تعزیر کے یہ حد کیوں مقرر کر دی۔ بس جو وہاں جواب ہے وہی یہاں بھی ہے۔ یعنی پہلے طبائع میں سلامتی تھی اس لیے واقعات میں قلت تھی لہٰذا صرف تعزیر کافی تھی حد مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی بعد کو طبائع کا رنگ بدل گیا اور واقعات زیادہ ہونے لگے۔ اس لیے حد مقرر کرنے کی ضرورت واقع ہوئی جو فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا وہی ایک فاروقی نے بھی کیا۔"[1]

اسی طرح ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا:

"ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تمہارے بزرگوں نے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا ہے جیسا تم دوسروں کے ساتھ کرتے ہو۔ میں نے کہا یہ بھی تو پوچھا ہوتا کہ میں نے بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے جیسا یہ لوگ میرے ساتھ کرتے ہیں۔ بس ختم آگے کچھ نہیں بولے۔ ہر ضرورت کے جواب کو اللہ تعالیٰ دل میں پیدا فرما دیتے ہیں۔ یہ ان کا فضل ہے۔ کہیں کا ذہن نہیں انکی وہی دستگیری فرماتے ہیں۔"[2]

نیز اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا:

"سیاست کے اسی طریق ہی میں کیا ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے چنانچہ میاں جیوں (استادوں) کا اپنے شاگردوں کو، ورماں باپ کا اپنی اولاد کو تادیب کے لیے مارنا پیٹنا اور حاکموں کا اپنے محکومین مجرمین کو سزائیں دینا اور محض فہمائش کو کافی نہ سمجھنا عام طور پر بلانکیر معمول ہے۔"[3]

---

[1] اشرف السوانح ج ۴ ص ۵۳
[2] الافاضات الیومیہ ج ۸ ص ۹۵ ملفوظ ۹۰
[3] اشرف السوانح ج ۴ ص ۵۹

فیض مناسبت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے

"جب کوئی شخص کسی مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرے تو فیض اسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ اس سے مناسبت ہو، ورنہ اس بیعت سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور اس مقصد کے حصول کے لیے مرشد کی صحبت ضروری ہے۔"

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

*****

فصل سوم

فیض مناسبت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے

مرشد سے فیض اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ اس سے مناسبت ہو اگر مناسبت نہ ہوگی تو پھر فیض نہیں ہوسکتا چنانچہ مولانا تھانوی کسی کو اس وقت تک مرید نہیں کرتے تھے جب تک ان کو یہ یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ اس کو مناسبت حاصل ہے اور یہ مناسبت معلوم کرنے کے لیے کبھی براہ راست گفتگو کا طریقہ اختیار کرتے کہ کچھ دنوں اپنی صحبت میں رہنے کا مشورہ دیتے یا مراسلت کا طریقہ اختیار کرتے۔ چنانچہ جب شرح صدر ہو جاتا تو پھر مرید کرتے۔ اس مناسبت کے معلوم کرنے کے لیے مولانا جو طریقہ اختیار کرتے اس کی وجہ سے بعض لوگ گمان کرتے کہ ٹالنا مقصود ہے۔ حالانکہ ایسا نہ تھا بلکہ مولانا کا مقصود تو یہ ہوتا تھا کہ کسی طرح لوگوں کی اصلاح ہو جائے۔ اس لیے جو لوگ ان سے اصلاح کے طالب ہوتے اور اگر ان سے مناسبت محسوس ہوتی تو ان کو حلقہ ارادت میں داخل کر لیتے لیکن جن سے مناسبت نہ ہوتی تو ان کو بھی محروم نہیں کرتے تھے بلکہ یہ سمجھ کر کہ عدم مناسبت کی وجہ سے فیض حاصل نہ ہوگا چند مصلحین کا نام تجویز کر دیتے اور فرما دیتے کہ ان کے پاس جاؤ ان ہی سے تم کو فائدہ ہوگا اور چونکہ محض مریدین و معتقدین کی تعداد بڑھانا یا خواہ مخواہ کسی کو بے فائدہ لٹکائے رکھنا مقصود نہ تھا اس لیے جن سے نفع کی امید ہوتی ان کے پاس بھیج دیتے یہ بھی گویا خیر خواہی ہی ہوتی تھی۔ چنانچہ مولانا نے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا:

"عدم مناسبت کی حالت میں فیض نہیں ہوسکتا فیض مناسبت ہی سے ہوتا ہے

اور اس کو مثالوں کے ذریعے واضح کرتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام میں جو افتراق ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نعوذ باللہ کون سا گناہ کیا تھا مگر افتراق کی بناء وہی عدم مناسبت تھی اس کی نظیر بھی مسئلہ ہے کہ توافق انزالین سے حمل قرار پاتا ہے اگر یہ توافق نہ ہو تو اولاد نہ

ہو گی۔ اسی طرح جب تک شیخ سے توافق مزاج نہ ہو گا جس کا نام مناسبت ہے نفع نہیں ہو سکتا۔

ایک شخص تھے بیعت کرنے سے قبل مناسبت کا عجیب امتحان لیتے تھے وہ یہ کہ اس کے لئے کھانا بھیجتے اور اندازہ سے زیادہ بھیجتے اور جب کھانے کے بعد برتن واپس آتے تو دیکھتے کہ سالن تناسب سے بچا ہے یا نہیں اگر تناسب سے بچتا تب تو آگے بیعت کی گفتگو کرتے ورنہ صاف انکار فرما دیتے کہ ہم میں تم میں مناسبت نہیں تم میں انتظامی مادہ نہیں اس لیے کوئی نفع نہ ہو گا اور میں تو اس قدر امتحانات بھی نہیں لیتا صرف گفتگو ہی سے معلوم کر لیتا ہوں اور اس میں اس لیے توسع نہیں کرتا کہ کوئی فوج بھر کے کہیں لام باندھنا تھوڑا ہی مقصود ہے۔ اصل چیز اصلاح ہے سو وہ مناسبت ہی کے بعد ہو سکتی ہے اس لیے میں ایسے موقع پر یہ کہا کرتا ہوں کہ چند مصلحوں کا نام بتلا دیتا ہوں تا کہ جہاں اور جس سے مناسبت ہو وہ وہاں اپنی اصلاح کرا لے۔ لوگ اس کو اپنی بدفہمی کی وجہ سے ٹالنا سمجھتے ہیں یہ ٹالنا مقصود پر لگانا اور کامیاب بنانا ہے۔ لیکن اگر کوئی نہ سمجھے اس کا میرے پاس کیا علاج ہے۔''[1]

اسی طرح ایک اور سلسلہ گفتگو میں فرمایا:

''اس طریق میں اعظم شرائط نفع کے لیے مناسبت ہے بدون مناسبت کے نفع نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی حکومت سے صرف اسی مصلحت سے معزول کیا تھا کہ حاکم ومحکوم میں مناسبت نہ ہونا محقق ہو گیا تھا ورنہ اہل کوفہ کی تمام تر شکایات محض غلط ثابت ہو گئی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام نے اسی بناء پر اپنے سے جدا کیا یعنی عدم مناسبت پر جس کو موسیٰ علیہ السلام نے بھی جائز رکھا ورنہ آپ بھی تو تکمیل کر

---

[1] الافاضات الیومیہ: ج چہارم، ص ۹۰، ملفوظ ۹۱

امراض نفس تم کو اپنے اندر محسوس ہوں ان کا علاج جہاں تک ہو سکے اپنی سمجھ کے موافق بطور خود کرتے رہو اور جو موٹے موٹے گناہ ہیں ان سے بچتے رہو اور بقیہ سے استغفار کرتے رہو اور دعا بھی کرتے رہو کہ اے اللہ ان کا بھی مجھے احساس ہونے لگے اور ان کے معالجات بھی میری سمجھ میں آنے لگیں اور اگر مجھ میں سمجھنے کی استعداد نہ ہو تو بلا اسباب ہی محض اپنے فضل سے ان عیوب کی اصلاح کر دے۔

بس یہ بھی نجات کے لیے بالکل کافی ہے اور نجات ہی مقصود ہے اس سے زیادہ کے تم مکلف ہی نہیں۔ جب میرے یہاں اتنی آزادی ہے اور میرا طریق تحقیق کا یا نرمی کا جیسا کچھ بھی ہے وہ سب کو معلوم ہے تو پھر بھی جو شخص میرے پاس آ کر اپنی اصلاح کرتا ہے وہ اپنے ہاتھوں تنگی میں پڑتا ہے جس کو یہ تنگی گراں ہو وہ میرے پاس آوے ہی کیوں۔

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں[1]

اس طریق باطنی میں چونکہ فیض کا مدار شیخ و مرید کی باہم مناسبت پر ہے اس لیے جب کسی شخص کے بارے میں مولانا کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کو مجھ سے مناسبت نہیں تو مولانا اس پر فرما دیتے کہ تم کسی دوسرے شیخ سے اپنی اصلاح کا تعلق پیدا کر لو کیونکہ تم میں اور مجھ میں مناسبت نہیں لہٰذا تم کو مجھ سے نفع نہ ہو گا اس سلسلہ میں فرمایا:

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ طالب کو کسی سے صاف جواب کیوں دے دیا جاوے بلکہ انتظار کرنا چاہیے ممکن ہے کہ مناسبت اس کے اندر اگر اس وقت نہیں ہے تو رفتہ رفتہ آئندہ پیدا ہو جائے۔ تو میں کہتا ہوں کہ طالب کو اپنے شیخ سے مناسبت پیدا کرنے کا یہ طریق نہیں کہ اول صاحب شیخ سے اپنی اصلاح کا تعلق قائم کرے اس کے بعد پھر اپنے شیخ سے مناسبت پیدا کرنے

۱۔ اشرف السوانح ج دوم ص ۵۰

کی کوشش نہیں کرے بلکہ طریق یہ ہے کہ طالب کو چاہیے کہ اگر اس کو مناسبت پیدا ہونے کی امید ہو تو وہاں رہ کر اپنے شیخ سے مناسبت پیدا کر لے جب مناسبت پیدا ہو جائے تو اس کے بعد اس سے اپنی اصلاح کا تعلق قائم کرے۔ قبل مناسبت تعلق بالکل بیکار ہے اور شیخ مرید میں جو مناسبت شرط نفع ہے اس کا لحاظ گو اس زمانے کے لوگوں نے ترک کر دیا گیا ہے مگر بزرگانِ سلف اس کا بے حد خیال رکھتے چنانچہ مختلف بزرگوں کی حکایتوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کوئی طالب سفر کر کے دور دراز سے فلاں شیخ کے پاس حاضر ہوا اور ان بزرگ سے بیعت کی درخواست کی تو ان بزرگ نے بجائے اس کے کہ وہ اس کی درخواست کو قبول کرتے صاف صاف کہہ دیا کہ تمہارا حصہ ہمارے یہاں نہیں تم فلاں بزرگ کے پاس جاؤ وہاں سے تم کو فیض ہوگا۔"[1]

نیز فرمایا کہ:

"اس مناسبت کے شرط ہونے پر یہ یاد آیا کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ کے پاس ایک عالم مرید ہونے آئے ان کی داڑھی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ حضرت مرزا صاحبؒ کی لطافتِ طبع مشہور ہے حضرتؒ نے ان صاحب کی صورت دیکھ کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہو میاں کیا کہتے ہو اور کیا چاہتے ہو جلدی کہو۔ عرض کیا کہ مرید ہونے آیا ہوں۔ فرمایا کہ فیض کے لیے مناسبت شرط ہے آدمی اور ریچھ میں کیا مناسبت! یہ صاحب وہاں سے غصہ ہوتے ہوئے چل دیئے کہ یہ کیا بزرگی ہے۔ مگر تھے طالب بہت جگہ پھرے مگر جیسا شیخ چاہتے تھے کہیں نظر نہ آیا تو داڑھی ٹھیک کرا کر پھر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دریافت فرمایا کون ہو عرض کیا کہ فلاں شخص ہوں۔ فرمایا ہاں دیکھو اب آدمیوں کی سی صورت ہوئی اب ہم مرید کر لیں گے۔

لوگ مجھ کو بدنام کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ ایسا کرنے والا میں ہی اکیلا

[1] الافاضات الیومیہ ج ہفتم ص ۲۲۵-۲۲۰

نہیں ہوں مجھ سے پہلے بھی ایسے گزرے ہیں کہ محض ظاہری صورت پر عدم مناسبت کا حکم لگا دیا اور یہ کہہ دیا کہ فیض نہ ہوگا میں تو ایسی جلدی فیصلہ بھی نہیں کرتا اپنے اس عدم تفرد پر ایک شعر یاد آیا۔

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم　　میں اس میخانے میں اکیلا مست نہیں
جنیدو شبلی و عطار شد مست　　ہوں بلکہ یہاں جنید و شبلی اور عطار بھی مست ہیں۔[1]

اور صرف یہی نہیں بتایا کہ بغیر مناسبت کے فیض حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس مناسبت کی علامت بھی تفصیل سے بتا دی چنانچہ فرماتے ہیں:

''شیخ سے مرید کو مناسبت کی علامت یہ ہے کہ شیخ کے کسی فعل پر مرید کے دل میں اعتراض نہ پیدا ہو۔ شیخ کوئی فرشتہ تو ہوتا نہیں کہ جس سے کبھی کسی وقت کسی غلطی کا صدور ہو ہی نہ سکے بلکہ وہ ایک انسان ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے کبھی کوئی فعل ایسا سرزد ہو جو شرعاً قبیح ہو تو ایسے موقع پر مرید کے دل میں شیخ کے فعل پر اعتراض نہ پیدا ہو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرید شیخ کے اس ناجائز فعل کو ناجائز نہ سمجھے اور اس کے اس بُرے فعل کو بُرا نہ سمجھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ شیخ سے ایسا فعل سرزد دیکھ کر مرید کے دل میں تردد نہ پیدا ہو کہ میں اب اس شیخ سے تعلق رکھوں یا نہ رکھوں اور بیعت باقی رکھوں یا توڑ دوں بلکہ جب شیخ سے ایسا فعل جو شرعاً قبیح ہو سرزد ہوتا دیکھے تو گو اس کو ناجائز اور بُرا سمجھے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی سمجھے کہ شیخ کوئی فرشتہ نہیں بلکہ بشر ہے اور بشر سے غلطی کا ہونا لازمی ہے تو اگر شیخ سے اتفاقاً کوئی ایسا فعل سرزد ہو گیا تو کیا ہوا۔ بشریت کے اقتضاء کا ظہور ہوا۔ جس کا ظہور ہر شیخ سے ممکن ہے تو اگر ہم نے اپنے شیخ سے محض اس بناء پر تعلق قطع کر دیا تو نتیجہ ہمیشہ کی محرومی ہے کیونکہ کوئی شیخ اس سے خالی نہ

---

[1] الافاضات الیومیہ: ج ہفتم ص ۲۳۵-۲۳۶، ملفوظ ۳۳۰

ملے گا اور جب شیخ سے کوئی ایسا فعل جو شرعاً قبیح ہو اتفاقاً سرزد ہو جائے تو سوچے کہ اگر کوئی ایسا ہی فعل میرے کسی خاص عزیز اور پیارے سے سرزد ہوتا تو اس وقت میں کیا کرتا پس جو برتاؤ اس وقت اپنے خاص عزیز کے ساتھ کیا ہوتا وہی اپنے شیخ کے ساتھ ایسے موقع پر ہونا چاہیے۔

مثلاً اپنا بیٹا ہے جب اس سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو یہ نہیں کرتے کہ اس سے محبت و تعلق بالکل قطع کر دیں بلکہ جتنا اس کی حالت کو بگڑتا دیکھتے ہیں اتنا ہی زیادہ اس پر دل ہی دل میں کڑھتے ہیں اور ہر وقت اسکی تدبیر سوچتے رہتے ہیں کہ جس سے وہ راہ راست پر آ جائے۔ بزرگوں سے دعا کراتے ہیں کہ اس کی حالت سنور جائے۔ بس یہی حالت طالب صادق کی اپنے شیخ کے ساتھ ہونا چاہیے۔

اور ایک بات یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر شیخ سے کسی قبیح فعل کے صدور کے وقت طالب کے ذہن میں یہ تردد پیدا ہو جائے کہ میں اب ان سے تعلق رکھوں یا نہ رکھوں اور وہ اپنے اس تردد کو دفع نہ کر سکے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس طالب کو اس شیخ سے مناسبت نہیں لہٰذا ایسی حالت میں بہتر یہی ہے کہ اس شیخ سے قطع تعلق کر کے کسی دوسرے شیخ سے تعلق پیدا کر لے۔

اور ایک بات یہاں بھی قابل خیال ہے کہ اگر کسی طالب نے اپنے شیخ سے محض اس بناء پر تعلق ترک کیا ہے کہ ان دونوں میں مناسبت نہ تھی تو ایسی حالت میں شیخ کو بھی چاہیے کہ وہ برا نہ مانے بلکہ اگر اس شیخ نے برا مانا تو وہ شیخ نہیں البتہ مرید کو بھی چاہیے کہ باوجود ترک تعلق کے ایسی کوئی حرکت بھی نہ کرے کہ جو ادب سے نکلی ہوئی ہو کیونکہ یہ شیخ اس کا تو محسن ہی ہے اور اسی نے تو اس کو راہ پر لگایا ہے۔[1]

---

[1] الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۲۸۵ ملفوظ ۱۰

مناسبت پیدا کرنے کے لیے صحبت ضروری ہے

"میں لوگوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ کچھ روز یہاں پر آ کر قیام کریں اور زمانہ قیام میں مکاتبت اور مخاطبت نہ ہو اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ مناسبت پیدا ہو جائے۔ لوگ اس کو بہت ہی سخت شرط بتلاتے ہیں حالانکہ اس کی ہی سخت ضرورت ہے۔"

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

*****

فصل چہارم

مناسبت پیدا کرنے کے لیے صحبت ضروری ہے

گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا تھانوی طالبین اصلاح کو مناسبت پیدا کرنے کے لیے براہ راست گفتگو کا طریقہ اختیار کرنے کی بجائے کچھ دنوں اپنی صحبت میں رہنے کا مشورہ دیتے۔ مولانا کے یہاں آنے والوں کے واسطے یہ اصول تھا کہ زمانہ قیام مجلس کے اندر خاموش بیٹھا رہنا ہوگا۔ مکاتبت اور مخاطبت کی اجازت نہ ہوگی جو کہا جائے اس کو بغور سنیں اور اپنے وطن پہنچ کر غور وفکر کے بعد جو رائے قائم ہو بذریعہ مراسلت اطلاع دیں۔

اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ مناسبت پیدا ہو جائے مگر بعض ناسمجھ لوگ اس کو بڑی سخت شرط سمجھتے حالانکہ اس کی بہت سخت ضرورت تھی۔ نیز چونکہ فیض مناسبت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اس لیے مولانا مناسبت پیدا کرنے کے لیے طالبین اصلاح کو اپنی صحبت میں رہنے کا مشورہ دیتے تھے چنانچہ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا:

''اس طریق میں نفع کا مدار مناسبت پر ہے۔ پہلے مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ میں جو لوگوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ کچھ روز یہاں پر آکر قیام کرو اور زمانہ قیام میں مکاتبت اور مخاطبت نہ ہو اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ مناسبت پیدا ہو جائے۔ لوگ اس کو بہت ہی سخت شرط بتلاتے ہیں حالانکہ اس کی تو سخت ضرورت ہے جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضات، مراقبات، مکاشفات سب بیکار کوئی نفع نہ ہوگا۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا:

حضرت کیا طبعی مناسبت نہ ہو اور عقلی پیدا کر لی جاوے۔

فرمایا: ''کوئی بھی ہو ہونا چاہیے نفع اسی پر موقوف ہے۔''[1]

---

[1] ملفوظات اشرفیہ ص ۲۶۳، ملفوظ ۴۲۸

مجلس میں خاموش بیٹھنے میں طالب اصلاح کو جو نفع حاصل ہو سکتا ہے اس کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''یہاں پر خاموش بیٹھا رہنا طالبین کو بے حد مفید ہوا ہے۔ جو لوگ چند روز خاموش بیٹھ کر واپس جاتے ہیں۔ وطن پہنچ کر اس کا نفع لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس وقت تو یہ معمول تلخ معلوم ہوتا تھا مگر اس قدر نفع طویل مجاہدات سے بھی شاید نہ ہوتا جو دس دن کے اندر خاموش بیٹھنے سے ہوا۔ بدفہم لوگ اس کو ٹالنا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی مجاہدہ کی ایک قسم ہے اور قسم بھی وہ جو سلف سے خلف تک معمول ہے، کیونکہ مجاہدہ کی چار قسمیں ہیں:

قلت الطعام (کم کھانا)، قلت الکلام (کم بولنا)، قلت المنام (کم سونا)، قلت الاختلاط مع الانام (کم ملنا) ان میں سے محققین نے اس وقت کے لوگوں کی قوت اور صحت کو دیکھتے ہوئے دو کو حذف کر دیا قلت الطعام (کم کھانا) اور قلت المنام (کم سونا) اور دو کو باقی رکھا ہے قلت الکلام (کم بولنا) اور قلت الاختلاط مع الانام (کم ملنا)۔ سو کم بولنا نہایت مفید چیز ہے، خصوص مبتدی کے لیے اور عام طور پر بھی کم بولنا نہایت مفید ہے۔ زیادہ بولنا یعنی بلا ضرورت بولنا نہایت مضر چیز ہے۔ اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اور نورانیت فنا ہوتی ہے۔ چنانچہ بلا ضرورت اگر کوئی کسی سے اتنا بھی نہ پوچھ لے کہ کہاں جاؤ گے اس سے بھی قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور قلب مردہ ہو جاتا ہے اور اگر کسی کو حس ہی نہ ہو تو اس کا کیا علاج ہے اور ضرورت میں اگر شب و روز کلام کرے مثلاً ایک شخص ہے کنجڑا وہ بیوی بچوں کی وجہ سے تجارت کرتا ہے اور سر پر خربوزوں کا ٹوکرا لیے دن بھر آواز لگاتا ہے کہ لے لو خربوزے لے لو خربوزے۔ اس سے ایک ذرہ برابر بھی قلب پر ظلمت نہ ہو گی۔ غرض فضول گوئی اس طریق میں سم قاتل ہے۔ اس سے قلب برباد ہو جاتا ہے۔ باقی فضول کو ضروری پر قیاس کرنا مع الفارق ہے مثلاً شیخ اپنے کو

قیاس کرنے لگے کیونکہ اس کو بوجہ ضرورت ہے جس پر قیاس ایسا ہوگا جس کو فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر	نیک لوگوں کے اعمال کو اپنے اعمال پر قیاس
گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر	نہ کرو دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسے
آں یکے شیرے کہ مردم می خورد	شیر (یعنی چوپایہ) اور شیر (یعنی دودھ) میں
واں یکے شیرے کہ مردم می خورد	کہ لکھنے میں تو ایک سے ہیں معنی اور

حقیقت کے اعتبار سے بہت فرق ہے۔

باقی فضول وضروری کے امتیاز کے لیے خود الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے کو جس کے سپرد کیا ہے وہ جو تعلیم کرے اس پر عمل کرتا رہے، کیونکہ اس کو وہی سمجھتا ہے کہ ہر چیز کا موقع کون سا ہے۔ چنانچہ سکوت بھی مطلق فضیلت کی چیز نہیں بعض جگہ نطق سکوت سے افضل ہے بلکہ سکوت کی فضیلت تو بولنے ہی کی بدولت معلوم ہوئی ہے۔ جیسے خلوت کی فضیلت کہ یہ بھی بدولت جلوت ہی کے معلوم ہوئی۔ غرض یہ ہے کہ موقع ہے ہر چیز کا، کہیں سکوت مناسب ہے کہیں بولنا مناسب ہے۔ کبھی خلوت کی ضرورت ہے کبھی جلوت کی ضرورت ہے۔ اس اختلاف موقع کی ایک مثال ذکر کرتا ہوں۔ یہ مثالیں مقصود کی توضیح کے لیے ہوتی ہیں۔ ایک بھولی حکایت ہے کہ نئی شادی ہو کر سسرال میں آئی مگر بولتی نہ تھی۔ ساس نے کہا کہ بہو تو بولتی کیوں نہیں۔ کہنے لگی میری ماں نے مجھے منع کر دیا تھا کہ ساس کے گھر بولنا مت۔ ساس نے کہا کہ ماں تیری بیوقوف ہے ضرور بولا کر۔ بہو نے کہا کہ تو پھر کچھ بولوں؟ ساس نے کہا ضرور بول اب بہو بولتی ہیں۔ تو دیکھو کیا خوب برساتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ اماں ایک بات تم سے پوچھتی ہوں وہ یہ کہ اگر تمہارے لڑکے کا انتقال ہو جائے اور میں بیوہ ہو جاؤں تو میری کہیں اور شادی کر دو گی یا یوں ہی بٹھلائے رکھو گی۔ ساس نے کہا کہ بہو! ایسی تو خاموش

ہی رہا کرو، تیری ماں کا منع کرنا عین شیخ رائے ہے۔

امام ابو یوسفؒ املا لکھوایا کرتے تھے۔ طلباء میں سے ایک شخص بالکل نہ بولتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میاں تم کبھی نہیں بولتے کچھ پوچھتے پاچھتے نہیں؟ عرض کیا کہ اب پوچھا کروں گا۔ ایک مجلس میں امام صاحب نے مسئلہ فرمایا کہ آفتاب غروب ہونے پر روزہ فوراً افطار کر لینا چاہئے تو وہ شخص کہتا ہے کہ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں! فرمایا پوچھو۔ کہتا ہے کہ اگر کسی روز آفتاب غروب ہی نہ ہو تو کیا کرے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ بس بھائی تمہارا نہ بولنا ہی مناسب ہے۔ حاصل یہ کہ موقع اور محل ہوتا ہے ہر چیز کا جس چیز کو مربی مناسب سمجھے گا اسی کی تعلیم کرے گا۔[1]

نیز فرمایا:

"سے آدمی کو جس قدر نفع یہاں پر خاموش بیٹھنے میں ہو سکتا ہے مکاتبت اور مخاطبت سے وہ نفع قیامت تک بھی نہیں ہو سکتا اور اگر خاموش بیٹھنے سے نفع نہ ہو تو اسی سے قابلیت اس کی معلوم ہو جائے گی تو ایسے شخص سے تعلق رکھنا ہی بیکار ہے۔ اس لیے کہ جس میں اس قدر بے حسی ہو اس کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے۔ اسی لیے یہاں نئے آنے والے سے یہ شرط کر لی جاتی ہے کہ اگر مخاطبت و مکاتبت نہ کرو اور خاموش مجلس میں بیٹھے رہو تو آنے کی اجازت ہے۔ اگر کسی کو یہ طرز پسند نہ ہو یہاں نہ آئے کہیں اور تعلق پیدا کرے اگر بولنا چاندی ہے تو سکوت سونا ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اس بارے میں یہ ہے کہ شیخ کو زبان ہونا چاہیے یعنی افادات کا ناطق ہو اور مرید کو کان ہونا چاہیے یعنی انصاف واستماع (خاموش رہنے اور صرف سننے) پر عامل ہو۔"[2]

باہمی مناسبت پیدا کرنے کے لیے مولانا اپنے یہاں آنے والوں پر اپنا طرز عمل

---

[1] اشرف علی تھانوی، الافاضات الیومیہ، حصہ سوم، ص ۱۹۶، ۱۹۷، ملفوظ ۲۱۳، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
مرزا محمد بیگ روڈ کراچی

[2] الافاضات الیومیہ، ج ۳، ص ۱۲۵، ۱۲۶، ملفوظ ۲۰۳

ظاہر کرنے کے لیے بعض دفعہ شرعی رخصتوں پر قصداً عمل فرماتے تاکہ آنے والوں پر پوری حالت ظاہر ہو جائے چنانچہ فرمایا:

"میں آنے والوں کے سامنے بھی قصداً بھی نقل بیٹھ کر پڑھنے لگتا ہوں اور بچوں سے خوب باتیں کرتا ہوں۔ غرض ہر طرح بے تکلفی کے ساتھ ان کے سامنے رہتا ہوں تاکہ ان کو میرا کچا چٹھا معلوم ہو جاوے اور جو کچھ ہو اول ہی دن اپنے سب اسرار کے پردے کھول دیتا ہوں، جو بہ بھی ہو اور تو بچکہ کر مجھ سے رجوع کرے اور بعد کو میں بھی اور نیابت ہوں۔ اسی واسطے قبل بیعت میں کچھ دن قیام کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ جو اسرار عمر بھر میں آنے والے ہوں وہ سب ایک دم آ جائیں اور ختم بھی ہو جائیں۔ اس کے بعد بیعت کا لطف اور ہی ہے۔ ورنہ جب کوئی نئی بات دیکھتا تیا وسوسہ دل میں پیدا ہوتا۔ عمر بھر یکسو نہ رہتا اور کبھی باہم مناسبت پیدا نہ ہوتی اور بلا مناسبت کے کچھ نفع نہیں ہو سکتا۔"[1]

مولانا کے ان اصول اور قواعد کی بنا پر ایک طالب علم نے یہ اعتراض کیا کہ قرون اولیٰ میں ایسے قواعد اور ضوابط نہ تھے اس لیے یہ بدعت ہیں۔ مولانا نے اس کا یہ جواب دیا:

"اول تو یہی صحیح نہیں کہ قواعد اور ضوابط نہ تھے ضروری قواعد ہمیشہ رہے ہیں۔ دوسرے میں یہ پوچھتا ہوں کہ جس مدرسہ میں ان طالب علم صاحب نے کتابیں ختم کی ہیں خود وہاں ایسے قواعد تھے کہ صبح چھ بجے فلاں سبق اور سات بجے فلاں سبق تو انہوں نے خود علم بطریق بدعت حاصل کیا ہے خرافات اعتراض ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے کہا تھا کہ فلاں چیز حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی اس لیے بدعت ہے میں نے کہا کہ اگر یہی مدار ہے تو تم بھی حضور ﷺ کے سامنے نہ تھے لہٰذا تم خود بھی بدعت ہو۔"[2]

○○○

---

[1] حسن العزیز ص ۲۵۸ ملفوظ ۴۸

[2] الافاضات الیومیہ ج ۷ ص ۵۵ ملفوظ ۸۵

مکاتبت کے اصول وآداب

''میں نے بہت سے لوگوں کو مشورہ دیا ہے کہ میرے اصلاحی خطوط جمع کر کے مطالعہ کرتے رہا کریں یہ بہت ہی مفید ہے''۔

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

*****

فصل پنجم

مکاتبت کے اصول وآداب

مشہور ہے کہ خط نصف ملاقات ہے۔ یعنی براہ راست ملاقات میں تو آمنے سامنے گفتگو ہوتی ہے اور جب دو شخص آمنے سامنے بیٹھے ہوں تو دونوں اپنے دل کی بات ایک دوسرے پر ظاہر کرتے ہیں اسی طرح مکاتبت میں بھی کاتب اور مکتوب الیہ دونوں اپنے دل کی بات ایک دوسرے پر ظاہر کرتے ہیں لیکن دونوں آمنے سامنے نہیں ہوتے۔ چنانچہ اس لحاظ سے خط کو نصف ملاقات کہا جاتا ہے۔ نیز براہ راست ملاقات میں ایک دوسرے کو سمجھنے میں بہت زیادہ مدد ملتی ہے کیونکہ دوران گفتگو اشاروں کنایوں اور حرکات وسکنات کے ذریعے بھی اپنے خیالات وجذبات دوسرے تک پہنچائے جاسکتے ہیں جو خط وکتابت کے ذریعے ممکن نہیں۔ لیکن اس کے باوجود مکاتبت کو مخاطبت پر ایک فوقیت حاصل ہے۔ وہ یہ کہ براہ راست ملاقات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب کے احترام وعظمت یا رعب ودبدبہ کے باعث زبان سے جذبات وخیالات کے اظہار پر آدمی قادر نہیں ہوتا اور پوری بات ظاہر نہیں کرپاتا۔

لیکن خط وکتابت میں یہ نہیں ہوتا بلکہ دوران تحریر بے تکلفی اپنے دل کی بات بیان کرتا جاتا ہے کیونکہ کوئی سامنے نہیں ہوتا۔ گو مکاتبت میں بھی کاتب اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ اس کے قلم سے کوئی ایسی بات نہ تحریر میں آجائے جو مکتوب الیہ کی دل آزاری اور رنج وتکلیف کا باعث ہو۔ اسی وجہ سے مولانا طالبین کو کثرت مکاتبت کا مشورہ دیتے تھے۔ کیونکہ یہ مناسبت پیدا کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے اور نفع کے لیے شرط اعظم ہے۔ چنانچہ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا:

”میں کثرت مکاتبت کا جو مشورہ دیا کرتا ہوں اس سے یہ مقصود نہیں کہ دوا بتلا دیا جاتا ہے بلکہ وہ بڑا ذریعہ ہے مناسبت کا جو شرط اعظم ہے نفع کی۔“[1]

---

[1] الافاضات الیومیہ ج ۳ص ۲۹۵، ملفوظ ۵۱۲

اور یہی نہیں بلکہ لوگوں کو اپنے اصلاحی خطوط کو جمع کر کے مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے اور اس کو مفید بتایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا:

''میں نے بہت سے لوگوں کو مشورہ دیا ہے کہ میرے اصلاحی خطوط جمع کر کے مطالعہ کرتے رہا کرو یہ بہت ہی مفید ہے۔''[1]

لیکن چونکہ مکاتبت سے بھی مقصود اصلاح ہی ہوتا ہے اس لیے قطع نظر مکتوبات کے مضامین کے کہ وہ تو اصلاحی ہی ہوتے تھے لیکن اپنے تجربات کی بنیاد پر مولانا نے مکاتبت کے کچھ اصول مقرر کر رکھے تھے اور یہ اصول بھی خود کاتب کی اصلاح کا ذریعہ بن جاتے تھے۔ ان اُصولوں میں یہ بنیادی نقطہ نظر کارفرما تھا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے نہ کاتب کو اور نہ مکتوب الیہ کو بلکہ سب کو راحت پہنچے۔ چنانچہ ان اصول میں ایک تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اصلاح کی غرض سے اپنے حالات لکھ بھیجے تو اس کو حکم تھا کہ اگر اس نے پہلے کوئی خط بھیجا ہے تو پہلے خطوں میں سے جو سب سے بعد کا خط ہوتا وہ بھی بھیجے اور اس کی مصلحت یہ بیان فرمائی:

''یہ جو میرا معمول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حالات کا خط بھیجے تو اگر اس نے کوئی خط اس سے پہلے بھی میرے پاس بھیجا ہے تو ان پہلے خطوں میں سے جو سب سے بعد کا خط ہو وہ بھی ساتھ منگاتا ہوں۔ سو اس کے اندر دو مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ شاید کسی گزشتہ حالت کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو۔ دوسری مصلحت یہ کہ مجھ کو معلوم ہو جائے کہ اس شخص سے میرا تعلق کیسا ہے اور یہ شخص اصلاح کے کس درجہ تک پہنچا ہوا ہے۔''[2]

مولانا کی ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ بہت سے سوالات ایک خط میں لکھ کر نہ بھیجے جائیں بلکہ دو تین سے زیادہ نہ ہوں کیونکہ اتنی فرصت نہیں۔ چنانچہ جب ایک صاحب

---

[1] الافاضات الیومیہ: ج اول، ص ۲۱۸، ملفوظ ۳۳۱

[2] ایضاً: ج ۱۰، ص ۲۵۷، ملفوظ ۴۰۹

نے بہت سے سوالات ایک خط میں لکھ کر بھیجے تو آپ نے ان کو لکھ بھیجا کہ ایک خط میں دو تین سوالوں سے زیادہ نہیں ہونے چاہیے۔ اس پر ان صاحب کا نہایت خفگی کا خط آیا کہ کیا یہی اخلاق محمدی ہے۔

مولانا نے اپنے اس قاعدہ کی حکمت ایک بہت ہی عمدہ مثال سے واضح کی۔

"عدالت میں اگر دو آسامیوں کی درخواست ایک کاغذ میں لکھ کر پیش کی جائے اور وہاں سے حکم ہو کہ نہیں علیحدہ علیحدہ درخواست دو اور علیحدہ علیحدہ ٹکٹ لگاؤ تو وہاں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ فوراً دو درخواستیں لکھ کر اور دو ٹکٹ لگا کر لے آتے ہیں اور یہاں اعتراض کرنے کے لیے تیار ہیں۔

بات یہ ہے کہ دین کی وقعت قلب میں نہیں اور طالب نہیں۔ وہاں وقعت بھی ہے اور طلب بھی ہے حالانکہ وہاں تو دو درخواستیں لکھوائی جاتی ہیں، جس میں خود عدالت کی ایک منفعت بھی ہے جو کہ دو ٹکٹوں کے دام وصول ہوں اور یہاں تو محض مصلحت دینیہ سے ایسا کیا جاتا ہے کوئی مالی غرض نہیں"۔

نیز فرمایا:

"دو تین سوالات ایک خط میں ہوں تو طبیعت پر بار نہیں ہوتا ورنہ اگر پچاس سوالات کے دو خط بھی ہو گئے تو ان ہی کا ختم کرنا مشکل ہے۔ بقیہ ڈاک یوں ہی بلا جواب پڑی رہے اور نہ معلوم کب تک جوابوں کی نوبت نہ آیا کرے بعضوں نے یہ بھی رائے دی کہ جس خط میں بہت سے سوالات ہوں اس کو رکھ لیا جایا کرے اور دو دو تین تین سوالات کے جوابات روز لکھ کر جب سوالات ختم ہو جایا کریں تب بھیج دیا جایا کرے۔ اس میں ظاہر ہے کہ کس قدر طوالت اور پریشانی ہے۔ دوسرے کو بھی انتظار جواب کی سخت تکلیف ہو کیونکہ نہ معلوم سب کے جوابات کب تک ختم ہوں اور خطوط محفوظ رکھنا اور روز روز جواب لکھنا اور روز مرہ کا کام ختم کر کے پھر اس کو یاد کر کے لے کر بیٹھنا اور

اتنے دنوں تک طبیعت پر بوجھ علیحدہ اس میں مجھے کس قدر پریشانی اور انتظام کی وقت ہے۔ روز کی نئی ڈاک ہو تو اس کا روز کے روز ختم کرنا سہل ہے اور طبعاً بھی گراں نہیں ہوتی۔ چاہے وہ سائل روزانہ ایک خط بھیج دیا کرے۔ لیکن ہر ایک میں ہوں دو ہی سوال تو اس طرح چاہے ساری عمر پوچھے جاؤ۔ لیکن وہاں تو کنجوسی ہے کہ دو پیسہ میں کام چلانا چاہتے ہیں"۔[1]

یہ بھی ہدایت تھی کہ خط میں جواب کے لیے ٹکٹ لگا ہوا لفافہ رکھا جائے جس پر پتہ صاف صاف درج ہو بعض خط لکھنے والے تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ خط میں ٹکٹ نہیں رکھتے تھے اور یہ لکھ دیتے تھے کہ جواب بیرنگ بھیج دیجیے گا لیکن بعض لوگ بیرنگ جواب مانگتے اور خود کہیں چلے جاتے۔ چنانچہ وہ بیرنگ مولانا کے پاس واپس آ جاتا اور مولانا کو اس کے دام دینے پڑتے اس لیے آپ بیرنگ جواب نہیں دیتے تھے۔ کسی نے مولانا کو مشورہ دیا کہ آپ اس بیرنگ پر اپنا پتہ تحریر کیا کریں تو مولانا نے فرمایا:

"اس میں محکمۂ ڈاک کا نقصان ہے جو کہ دینداری کے خلاف ہے"۔[2]

خود مولانا کا بھی یہی طریقہ تھا کہ اگر اپنے شاگردوں کو بھی اپنے کام کے لیے کوئی خط بھیجتے تو جوابی خط بھیجتے چنانچہ فرماتے:

"میں اپنے شاگردوں کو بھی اگر خط لکھتا ہوں تو اپنے کام کے لیے جوابی خط بھیجتا ہوں۔ بعض لوگ کسی کو اپنے ہی کام کے لیے خط لکھتے ہیں تو بھی ٹکٹ کا بار مکتوب الیہ پر ڈالتے ہیں جو خلاف عقل ہے کہ ایک تو وہ جواب دینے کی زحمت گوارا کرے دوسرے ٹکٹ کا بار بھی برداشت کرے"۔[3]

بیرنگ خط کے سلسلے میں مولانا نے خود اپنا ایک بہت ہی دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے:

"بریلی سے میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا۔ اس میں انہوں نے اپنے

---

1. حسن العزیز: ص ۴۲۵ ـ ۴۲۶، ملفوظ ۳۴۸
2. ایضاً: ص ۳۲۸، ملفوظ ۲۰۲
3. سیرت اشرف ج اول، ص ۲۹۷

نام کے ساتھ "مہتمم یتیم خانہ" لکھا تھا۔ مجھے تہذیب یہ کہ خط میں استفتاء تھا اور
جواب کے لیے ٹکٹ ندارد۔ میں نے یہ رعایت کی کہ جواب لکھ کر بیرنگ
روانہ کر دیا۔ ان حضرت نے میری اس رعایت کی یہ قدر کی کہ بیرنگ کو فوراً
واپس کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد میں نے بیرنگ خط بھیجنے سے توبہ کر لی۔ پھر
جلدی ہی میرا وہاں جانا ہو گیا تو میں نے وہ بیرنگ خط اپنے ساتھ لے لیا کہ
اگر ان حضرت سے ملاقات ہوئی تو ان سے ایک آنہ وصول کروں گا۔ چنانچہ
وہاں پہنچ کر میں نے ایک مجلس میں بھائی سے اس کا ذکر کیا کہ یہاں یتیم خانہ
کے مہتمم کون صاحب ہیں؟ انہوں نے ایسی بدتہذیبی کی کہ میرے پاس
استفتاء بھیجا اور جواب کے لیے ٹکٹ بھی نہ رکھا۔ قاعدہ کے موافق تو اس کا
مقتضاء یہ تھا کہ میں خط ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا مگر میں نے رعایت کر
کے ان کے خط کا جواب بیرنگ بھیج دیا تو انہوں نے میرے ساتھ یہ تہذیب
برتی کہ بیرنگ خط واپس کر کے مجھے تاوان ادا کرنے پر مجبور کیا۔ میں ان
حضرت سے یہ آنہ وصول کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تاوان ناحق میرے ذمہ
پڑا۔ بھائی نے بہت تعجب کیا۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد بھائی نے کہا
کہ آپ نے غضب کیا۔ یہ صاحب جو آپ کے سامنے بیٹھے تھے یہ گورنر
صاحب کے صاحبزادے تھے۔ میں نے کہا اچھا ہوا گورنر صاحب کو اپنی
حرکت کا علم تو ہو جائے گا۔"[1]

ڈاک کے ٹکٹ کے سلسلے میں مولانا کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ڈاک سے آنے
ہوئے لفافوں میں ٹکٹ پر ڈاک کی مہر نہ ہوتی تو ایسے ٹکٹوں کو پھاڑ کر چاک کر دیتے۔
چنانچہ ایک موقع پر فرمایا:

"مجھ کو یہ تو بخوبی معلوم ہے کہ ڈاک میں اکثر خطوط اڑ جاتے ہیں

[1] اشرف علی تھانوی، حقیقت عبادت، مجموعہ (اصل العبادۃ) ص ۱۱۸۔۱۱۹، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ، لاہور

[illegible]

جن کی ٹکٹوں پر مہر نہیں ہوتی گھر میں سب سے پہلے ایسی ٹکٹوں کو چھڑا کر چاک کر ڈالتا ہوں اس کے بعد خط پڑھتا ہوں گو میں خلوت میں ہوتا ہوں۔ اگر میں اس ٹکٹ کو دوبارہ استعمال کروں تو کسی کو پتہ بھی نہ چل سکے مگر خدا تو دیکھتا ہے۔"[1]

بعض لوگ لفافہ نہیں رکھتے بلکہ صرف پانچ پیسے کا ٹکٹ خط میں ڈال دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک بار فرمایا:

"ایک صاحب کا خط آیا ہے جواب کے لئے بجائے اندر لفافہ رکھنے کے پانچ پیسے کا ٹکٹ رکھا ہے۔ میں اس پر اکثر شکایت لکھا کرتا ہوں کہ اگر بجائے ٹکٹ رکھنے کے لفافہ رکھ دیتے تو مجھ کو پریشانی نہ ہوتی۔ اس لیے کہ بعض اوقات ٹکٹ گر جاتا ہے اس کی تلاش میں تکلیف ہوتی ہے۔ ان کو یہی لکھا تو جواب میں ٹکٹ بھیجنے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ وزن زائد ہو جانے کی وجہ سے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ یہ عذر عجیب ہے وزن کر کے دیکھ لیا ہوتا۔ پھر لکھتے ہیں کہ لفافہ موجود بھی نہیں۔ میں نے لکھا کہ موجود کرنے سے موجود ہو سکتا تھا۔ کچھ نہیں اس کی پرواہ ہی نہیں کہ ہماری اس حرکت سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔"[2]

سادہ لفافہ بلا پتہ لکھے ہوئے بھیجنے والوں کے متعلق ایک عجیب ذہنی مرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"بعض لوگ یہ عقلمندی کرتے ہیں کہ جواب کے لیے سادہ لفافہ بلا پتہ لکھا ہوا بھیج دیتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے اس کی وجہ پوچھی۔ لکھا کہ آپ کا لکھا ہوا ہوگا تو برکت ہوگی۔ میں نے لکھا کہ سارا جواب بھی تو میرا ہی لکھا ہوا ہے اس سے برکت نہیں ہوتی۔ زیادہ تر وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے لیے

---

[1] سیرت اشرف ج اول ص ۳۹۸

[2] الافاضات الیومیہ ج ۸ ص ۲۳۲، ملفوظ ۳۵۹

القاب کے طالب ہوتے ہیں جو دوسرے کے لکھنے میں متوقع ہے اور اپنے ہاتھ سے پھر لکھنے میں یہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے وہ مرض جس کی وجہ سے سادہ لفافہ بھیجتے ہیں۔ نہ برکت ہے نہ حرکت ہے چور ہے۔"[1]

جواب طلب خطوط کے سلسلے میں مولانا کی ہدایت تھی

"خط لکھنے والوں کو چاہیے کہ دعا کالم جواب کے لیے خالی چھوڑ دیا کریں ورنہ بعض اوقات جواب لکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔"[2]

نیز فرمایا:

"اکثر لوگ خطوط میں کوئی حاشیہ جواب کے لیے نہیں چھوڑتے۔ یہ بڑا ظلم ہے سخت تکلیف اور دقت ہوتی ہے۔ کم از کم ایک ثلث ہر صفحہ پر حاشیہ چھوڑ کر لکھنا چاہیے تا کہ سوال ہی کے متصل جواب لکھا جا سکے۔ علیحدہ جواب لکھنے میں مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔"[3]

مولانا تھانوی کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ دستی خط کا جواب نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ اس میں اکثر تکالیف ہوتی ہیں جس پر بعض لوگ اسے بے مروتی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب کسی کو جاتا ہوئے دیکھا ایک دستی خط کسی کے نام دے دیا۔ اس میں بھی اکثر اوقات بہت تکالیف ہوتی ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مرسل (خط بھیجنے والا) مطمئن ہو جاتا ہے کہ خط مکتوب الیہ کو پہنچ گیا مگر اتفاق سے خود وہ مسافر بھی درمیان ہی میں رہ جاتا ہے۔ کبھی خط ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ تو خود مرسل کی مضرت (خط بھیجنے والے کا نقصان) ہے۔ کبھی مکتوب الیہ (جس کو خط لکھا ہے) کو تنگی ہوتی ہے کہ جلدی تقاضا

۱۔ الافاضات الیومیہ ج ششم ص ۲۱۱، ملفوظ ۳۹۹

۲۔ حسن العزیز ص ۲۴۳، ملفوظ ۳۳۰

۳۔ ایضاً ص ۲۸۹، ملفوظ ۳۲۲

جواب کا کرتا ہے کہ میں ابھی جاؤں گا۔ بعض اوقات تو فرصت نہیں ہوتی اور بعض اوقات جواب بے تحقیق لکھ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے پاس بعض دقیق فتوے آتے ہیں اور لانے والا تقاضہ کرتا ہے کہ میں ابھی واپس جاؤں گا۔ آخر دوسرے کام کا حرج کر کے لکھنا پڑتا ہے۔ اس میں بعض مرتبہ جلدی کی وجہ سے کسی پہلو سے نظر چوک جاتی ہے اور جواب میں غلطی ہو جاتی ہے۔ بعض مرتبہ جواب لکھنے کے لیے کتاب دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور عین وقت پر روایت نہیں ملتی۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اسی طرح ایک شخص کو میں نے ایک مسئلہ فرائض کا جواب لکھ کر دیا جب وہ لے کر چلا گیا تب یاد آیا کہ جواب غلط لکھا گیا۔ سخت تشویش ہوئی۔ اس شخص کو تلاش کرایا تو نہ ملا اور یہ پوچھا نہ تھا کہ کدھر جاؤ گے۔ آخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا الٰہی میرے اختیار سے تو یہ خارج ہو چکا ہے۔ اب آپ کے اختیار کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ پندرہ منٹ نہ گزرے تھے کہ وہ شخص واپس آیا۔ کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے مہر تو کی ہی نہیں۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ میں نے کہا کہ ہاں بھائی لے آؤ۔ اس سے لے کر جواب کو صحیح کیا اور اس سے کہا کہ بھائی مہر تو میرے پاس ہے نہیں۔ اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر تجھے واپس بھیجا ہے کیونکہ مسئلے میں ایک غلطی ہو گئی تھی۔ اس واقعہ کے بعد سے میں نے عہد کر لیا کہ کبھی دستی فتوے کا جواب نہ دوں گا۔ اکثر لوگ ایسے امور پر مجھے بے مروت کہتے ہیں۔ لیکن بتلایئے کہ ان واقعات پر کیوں کر خاک ڈال دوں۔

اب میں نے یہ معمول کر رکھا ہے کہ جب کوئی شخص دستی فتویٰ لاتا ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ اپنا پتہ لکھ کر اور دو پیسے کا ٹکٹ دے کر رکھ جاؤ میں اطمینان

سے جواب لکھ کر تمہارے پاس ڈاک میں بھیج دوں گا۔ میرے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب تو کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جب ان کو کوئی دق خط دیتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو لفافے میں بند کر کے پورا پتہ اس پر لکھ دو تاکہ پہنچانے میں سہولت ہو۔ اس کے دو پیسے کا ٹکٹ لگا کر اس کو ڈاکخانہ میں چھوڑ دادیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دق خط دینے کی زیادہ غرض یہی ہے کہ دو پیسے بچیں۔ سو ہم اپنے پاس سے یہ دو پیسے صرف کر دیں گے مگر ان خلجانوں سے تو بچیں گے اور شاذ و نادر جہاں بے تکلفی ہو وہ موقع تو مستثناء ہے لیکن عام طور پر ایسا کرنا بڑی تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔"[۱]

مولانا تھانویؒ کا معمول تھا کہ روز کی ڈاک روزانہ ختم کر لیتے اور جب تک روز کی ڈاک روز ختم نہیں فرما لیتے چین نہیں پڑتا۔ چنانچہ اکثر بعد مغرب بلکہ بعد عشاء بھی چراغ جلا کر لکھتے اور ختم کر کے گھر تشریف لے جاتے۔ خواہ بعد وعظ وغیرہ قیلولہ بھی نہ کیا ہو اور سر میں درد بھی ہو، نیند کا غلبہ بھی ہو فرماتے:

"اگر میں قبل کام ختم کر لینے کے سونا بھی چاہوں تو فضول ہے نیند ہی نہیں آسکتی کیونکہ کام کا خیال ہی سونے نہ دے گا۔"

اکثر سر دبا دبا کر کام کرتے۔ قلت نوم اور درد سر کی اکثر شکایت رہتی مگر فرماتے۔

"اس کی وجہ سے کام میں بفضلہٖ حرج نہیں واقع ہوتا نہ تکلیف ہوتی ہے بلکہ ایک طرح کا نشہ اور سرور سا رہتا ہے۔ جس سے اور بھی یکسوئی کے ساتھ دماغ کام کرتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے جیسے سان رکھ دی گئی ہو۔ ہر کام کے لیے اوقات مقرر ہیں خلاف اوقات کوئی کام لیتا ہے تو سخت کلفت ہوتی ہے۔"

مولانا نے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا اور نظام الاوقات کی بہت زیادہ پابندی کرتے تھے۔ اسی لیے مولانا فرماتے:

---

[۱] علم و عمل: بعنوان "نقص العلم والعمل" ص ۲۱۹-۲۲۱

"خلاف وقت جو ذرا بھی مخاطب کرتا ہے نہایت شاق ہوتا ہے جو خلوت کا وقت ظہر کے بعد سے مغرب تک ہے۔ یہی وقت کچھ پوچھنے پاچھنے یا سننے کا ہے۔ دوسرے اوقات میں کوئی تحریری پرچہ بھی پیش کرنا گراں ہوتا ہے۔ میرے اوقات ایسے گھرے ہوئے اور بندھے ہوئے ہیں کہ اگر پانچ منٹ کا بھی حرج ہو جاتا ہے تو دن بھر کے کاموں کا سلسلہ گڑبڑ ہو جاتا ہے۔ مغرب کے بعد یا عشاء کے بعد بعض لوگ سہ دری میں کام کرتے ہوئے دیکھ کر جا پہنچتے اور بیٹھ جاتے تو فوراً اٹھا دیتے کہ یہ وقت جلسہ کا نہیں ہے۔ میں نے خود سب باتوں کی رعایت کر کے ہر بات کے لیے وقت مقرر کر دیئے ہیں تا کہ کسی کو تنگی نہ ہو چنانچہ ذاکر شاغل کے لیے یہ کس قدر آسانی ہے کہ بعد عصر پرچہ دے کر جو کچھ چاہیں کہہ سن لیں اور اپنی تسلی کریں ورنہ اور جگہ مدت گزر جاتی ہے لیکن خلوت کا موقع نہیں ملتا۔ ایک صاحب نے قبل عشاء کچھ گفتگو شروع کی برافروختہ ہو کر فرمایا کہ یہ کیسی بے انصافی کی بات ہے کہ کسی وقت بھی آرام نہ لینے دیں۔ کوئی وقت تو ایسا دینا چاہیے کہ جس سے میں دماغ کو فارغ رکھ سکوں۔ کیا ہر وقت آپ لوگوں کی خدمت ہی میں رہوں؟ عقل نہیں انصاف نہیں رحم نہیں۔ کوئی لوہے کا بیر ڈھونڈ لو۔ لیکن وہ بھی سر اگھس جاوے گا۔ کسی کو میرا نصف کام بھی کرنا پڑے تو معلوم ہو۔"[1]

عرب ممالک سے کوئی خط عربی میں آتا اس کا جواب تو عربی میں دیدیتے لیکن اردو بولنے والے لوگوں میں سے اگر کوئی شخص عربی میں اظہار قابلیت کے لیے خط لکھتا تو مولانا جواب دیدیتے:

"مفید کا مستفید سے افضل ہونا لازم ہے اور یہاں معاملہ برعکس ہے کیونکہ میں ایسی عربی لکھنے پر قادر نہیں اس لیے تعلق رکھنا ہی بیکار ہے۔ دیکھئے خواہ مخواہ عربی لکھتے ہیں مقصود لیاقت کا اظہار ہے جو ناشی ہے جاہ سے۔ کچھتے

---

1. حسن العزیز: ملفوظ ۳۸۶، ص ۳۳۷۔۳۳۸

ہیں کہ اظہار قابلیت پر قدرہو گی۔ یہاں یہ قدر ہوئی ہے کہ لتاڑ پڑتی ہے۔ وہ عالم ہی کیا جو اپنے کو عالم سمجھے۔ ایک اور صاحب نے عربی میں خط لکھا تھا۔ میں نے لکھا کہ عربی میں خط لکھنے میں کیا مصلحت تھی۔ لکھا کہ اہل جنت کی زبان ہے۔ میں نے کہا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اگر یہاں پر آنا ہو تو کیا عربی میں گفتگو کرو گے۔ اس پر کہ یہ اہل جنت کی زبان ہے۔ پھر جواب نہیں آیا۔ تاویل کرتے ہوئے شرم بھی تو نہیں آتی۔ کیا لکھنے کے وقت یہی نیت تھی یا اظہار قابلیت مقصود۔ اپنے کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں یہاں یہ چالاکیاں چلنا مشکل ہیں۔ اللہ کا شکر ہے اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے فوراً ذہن میں اصل حقیقت آ جاتی ہے۔ چاہے لوگ ظاہر نہ کریں مگر نکلتی وہی بات ہے جو سمجھ میں آئی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ تمہارے اندر کبر ہے۔ اس کا علاج کرو اس وقت قبول نہیں کیا بلکہ اور برا مانا۔ پھر پانچ برس کے بعد خود اقرار کیا کہ تمہاری تشخیص بالکل صحیح تھی میرے اندر کبر کا مرض ہے۔"[1]

اگر کوئی شخص منی آرڈر کے ذریعہ رقم بھیجتا اور کوپن پر کوئی تفصیل نہ لکھتا بلکہ یہ لکھ دیتا کہ اس کے متعلق خط الگ بھیج رہا ہوں تو مولانا اس کو بہت ہی ناپسند کرتے چنانچہ فرماتے:

"محض خط کے بھروسے (منی آرڈر) کوپن میں کچھ نہ لکھنا بہت ناپسند ہے کیونکہ (اگر خط لکھ بھی دیا تو) بعض اوقات خط پہنچتا ہی نہیں اور اگر خط پہنچا بھی ہے تو اس وقت تک اس (رقم و کوپن) کو بے کار رکھنا اور خط کا انتظار رکھنا نہایت دشوار ہوتا ہے۔ خود کوپن میں ساری (ضروری) تفصیل آسانی سے آ سکتی ہے۔ دوسرے کی تکلیف کا ہر امر میں نہایت خیال رکھنا چاہیے۔"[2]

---

[1] آپ بیتی: ج ۲، ص ۲۱۸

[2] آداب المعاشرت ص ۲۰۳-۲۰۵

اگر کسی خاتون کا کوئی خط آتا اور اس کے شوہر کا دستخط نہ ہوتا تو واپس فرما دیتے۔ چنانچہ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا:

''اصلاح کے ماتحت کوئی عورت خط بھیجنا چاہے تو اپنے خاوند کے دستخط کرا کر بھیجے۔ اس میں بڑی حکمتیں اور بہت سے فتن کا سد باب ہے۔ بعض بیویوں نے لکھا کہ خاوند پردیس میں ہے میں نے لکھا کہ پردیس میں اس مضمون کو بھیج کر اس کے دستخط کرا کے منگا لو پھر میرے پاس بھیجو۔ بدون خاوند کے دستخط کرائے ہوئے میرے پاس خط نہ بھیجا جائے''۔[1]

نیز ایک خاتون کا خط آیا جس پر خاوند کے دستخط نہیں تھے تو آپ نے اس خط کو یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ:

''بلا شوہر کے دستخط کے عورت کے خط کا پڑھنا ایسا ہے جیسے بلا شوہر کے موجودگی کے اس کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں کرنا۔''[2]

اس طرح مولانا تھانویؒ مکاتبت میں بھی اپنے بنائے ہوئے اصول کی سختی کے ساتھ پابندی خود بھی کرتے اور طالبین سے بھی اس کی پابندی کراتے تھے اور یہ پابندیاں بھی طالبین کی اصلاح کا ذریعہ تھیں۔ وہ چند پابندیاں اگر اختصار کے ساتھ بیان کی جائیں تو یہ تھیں:

(الف) ایک خط میں مختلف النوع مضامین نہ لکھے جائیں یعنی مسائل فقیہ اور احوال و مسائل سلوک کا ایک ہی خط میں جمع کرنا آپ کو گوارا نہ تھا۔ ایک تو مختلف مضامین کے جواب دینے میں خلجان ہوتا ہے۔ دوسرے یہ اندازہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ اصل مقصود کس مضمون کا جواب حاصل کرنا ہے۔ بعض لوگوں نے اس

---

[1] الافاضات الیومیہ۔ ج ۷، ص ۳۲، ملفوظ ۳۰

[2] ایضاً: ج ۱۰، ص ۲۱۳، ملفوظ ۱۳۳

سلسلہ میں بوجہ ناداری اتنی کی درخواست کی کہ بار بار خط بھیجنے کے لیے حضور کے پاس پیسے نہیں تو مولانا نے انہیں لکھا:

''اول تو مواقع استثناء کو میں یاد کیسے رکھ سکتا ہوں دوسرے یہ کہ جب مستثنیٰ کرنا شروع کر دیا تو وہ قاعدہ ہی کیا رہے گا اور جس ضرورت و مصلحت سے وہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے وہ کب پوری ہوگی اس لیے یہ تو گوارا نہیں۔ لیکن اگر ناداری ہے تو اس غرض خاص کے لیے چندہ جمع کیا جائے اور اس میں میں بھی خوشی کے ساتھ شریک ہوں گا۔

چنانچہ مولانا تھانوی نے اس بارہ میں اصول تو نہ توڑا مگر ایسے لوگوں کی اس سلسلہ میں برابر مالی اعانت فرماتے رہے تاکہ بوجہ ناداری وہ محروم نہ رہیں۔

(ب) خط عبارت کے تصنع و تکلف سے پاک ہو کیونکہ اس طرح تلبیس کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے اور مکاتب کے مافی الضمیر کا اندازہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں ایسے خطوط سے زیادہ تر مقصود محض اظہار لیاقت ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات بلا ضرورت آپ کو عربی میں خط لکھ دیتے تھے۔ تو آپ جواب عربی میں لکھنے کی بجائے اردو میں ہی یہ تحریر فرما دیتے کہ:

''میں تو بے تکلف عربی عبارت لکھنے پر قادر نہیں اور آپ ماشاء اللہ قادر ہیں۔ اس لیے آپ مجھ سے اکمل ہوئے۔ لہٰذا اکمل کو ناقص سے رجوع نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کسی کامل سے رجوع کیجئے۔''

البتہ عربی ممالک سے جو خطوط عربی میں آتے تھے ان کا جواب آپ عربی میں ہی دیتے تھے کیونکہ وہ ان کی مادری زبان تھی۔ وہاں تصنع و تکلف کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

(ج) طالبین خطوط میں اشعار نہ لکھیں کیونکہ آپ اپنے بڑے کے سامنے اشعار پڑھنا یا اس کو اشعار پڑھنا یا اس کو اشعار لکھنا خلاف تہذیب و ادب سمجھتے تھے۔ لیکن

مغلوب الحال یا ہم عصر ہم مکتب مشرب حضرات کے لیے یہ پابندی نہ تھی۔

(د) زیادہ تعظیمی الفاظ بھی نہ لکھے جائیں کہ یہ بھی تکلف میں داخل ہے۔

ایک مرتبہ ایک ذی وجاہت وکیل نے لکھا کہ میں تو حضرت والا کے دربار کا ادنیٰ غلام ہوں۔ آپ نے اسے اس لطیف و جامع جواب میں آئندہ کے لیے ایسا نہ لکھنے کی تنبیہ فرمائی:

''ایسے الفاظ سے اگر مجھ میں کبر ہوا تو میرا مرض بڑھتا ہے اور اگر تواضع ہوئی تو تنگی ہوتی ہے بہرحال اس میں ضرر ہی ہے بدنی یا نفسانی۔''

اسی وکیل صاحب کے خط میں دوسرا فقرہ یہ تھا کہ افسوس میرا پہلا خط کو میں نے بڑے شوق سے لکھا تھا گم ہو گیا اور آپ کو نہیں ملا۔ یہ میری بدقسمتی ہے اس پر یہ تنبیہ تحریر فرمائی:

''مجھ کو مسلمان کے منہ سے بدقسمتی کا اقرار اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مسلمان تو بد قسمت ہوتا ہی نہیں۔ مثلاً اس واقعہ میں آپ کا خط گم ہوا آپ کو قلق ہوا اور اس پر آپ کو اجر ملا تو یہ خوش قسمتی ہوئی یا بدقسمتی البتہ جو معاصی اختیار یہ ہیں ان کو خسارہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔''

انہی وکیل صاحب نے یہ بھی لکھا کہ حضوری میں جناب عالی سے مرغوب ہوں اور غائبی میں کتابت سے قلم ترساں۔ اس پر آپ نے لکھا:

''ان خیالات کو دل میں نہ آنے دیجئے۔ بلا رعایت کسی خاص چیز قاعدہ وضابطہ کے بے تکلف جو دل میں آئے لکھیے۔ بس اتنا خیال رہے کہ ایک تو واقعہ صاف لکھا جائے۔ تکلف یا عبارت آرائی نہ ہو۔ دوسرے بلاضرورت طول نہ ہو۔ تیسرے ایک خط میں متعدد مضامین نہ ہوں۔ لیکن اگر ان میں ارتباط ہو تو وہ ایک ہی مضمون شمار ہوگا۔''

انگریزی روشنائی والے خطوط بھی آپ پسند نہ فرماتے تھے کیونکہ ان میں اسپرٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی ایسا خط نماز کے وقت جیب میں ہوتا تو آپ

نکال کر الگ رکھ لیتے تھے۔ حزیں ہوا ں گیلے ہاتھ ہونے کی وجہ سے ہاتھ پر اس کا رنگ چڑھ جاتا ہے اور پسینہ کی صورت میں جیب میں ایسے خط ہونے سے کپڑے داغدار ہو جاتے ہیں۔"[1]
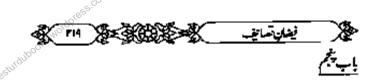
---

[1] سیرت اشرف ج دوم ص ۱۲۹ ـ ۱۲۵

باب پنجم

فیضانِ تصانیف

مولانا تھانویؒ کی بعض تصانیف خود اُن کی نظر میں

"اپنی کوئی سی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میرا سرمایہ نجات ہے۔ البتہ "حیات المسلمین" کے متعلق میرا غالب خیال یہی ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی۔ اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔"

[مولانا اشرف علی تھانوی]

*****

فصل اول

مولانا تھانویؒ کی بعض تصانیف خود اُن کی نظر میں

امام مالکؒ کے متعلق منقول ہے کہ جب انہوں نے موطا کی تالیف شروع کی تو دوسرے لوگوں نے بھی اس طرز پر موطا کو لکھنا شروع کیا اس پر بعض لوگوں نے آپ سے یہ عرض کیا کہ آپ اس قدر کیوں تکلیف گوارا فرماتے ہیں؟ دوسرے اشخاص بھی اسی طرح کی موطا تصنیف کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو دکھلاؤ۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق جب وہ تصانیف لائی گئیں تو آپ نے ان کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صرف خدا کے لیے کون سا امر واقع ہوا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ در حقیقت اب اُن لوگوں کی تصنیفات کا نام و نشان بھی معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ موطا امام مالکؒ موجود ہے اور قیامت تک علمائے اسلام کا سرمایہ اجتہاد رہے گی"۔[1]

اسی طرح مولانا تھانویؒ کی مجلس میں ایک بار اُن کی تصانیف کے متعلق مخالفین کی مخالفانہ کارروائیوں کا ذکر آیا تو اس وقت مولانا نے بہت ہی جوش کے ساتھ فرمایا:

"مخالفین سب اپنی اپنی کوششیں کر لیں۔ آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میری کتابیں ایسی پھیلیں گی کہ کسی کے روکے نہ رکیں گی"۔[2]

اور ایسا ہی ہوا کہ مولانا کی تصنیفات بہت ہی کثرت سے ساتھ شائع ہوئیں اور پھیلیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کام میں اخلاص اور للّٰہیت ہوتی ہے اس کو قبول عام حاصل ہوتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ بعض کتابیں بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن چونکہ

---

1. شاہ عبدالعزیز محدث بستان المحدثین اردو ترجمہ عبدالسمیع دیوبندی ص ۲۲۔ ۲۳، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی سن طباعت ۱۹۹۳ء
2. مآثر حکیم الامت صفحہ ۲۰۶

اخلاص کا جذبہ شامل ہوتا ہے اس لیے حیرت انگیز طور پر اس کی قدر دانی ہوتی ہے۔ چنانچہ دینی علوم کی درسگاہوں کے نصاب درس میں آج بھی بعض ایسی کتابیں مقبول و متداول ہیں جن کی مقبولیت کا راز اسی خلوص و للّٰہیت میں پوشیدہ ہے ورنہ بظاہر وہ کتابیں معمولی نظر آتی ہیں۔

یوں تو مولانا تھانوی کی تقریباً ایک ہزار سے زائد تصانیف ہیں اور ہر تصنیف اہم اور مفید ہے لیکن مولانا تھانوی خود بعض تصنیفات کو بہت ہی اہم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حیات المسلمین کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن اس کی تیاری میں ان کو بہت زیادہ مشقت برداشت کرنا پڑی اس لیے اپنی تمام تصنیفات میں صرف اس ایک تصنیف کو اپنے لیے سرمایہ نجات سمجھتے ہیں فرماتے ہیں

"حیات المسلمین لکھنے میں مجھ پر بڑا تعب ہوا ہے۔ مضامین کے انتخاب میں بھی اور ان کی تسہیل میں بھی۔ مجھے اپنے کسی عمل پر بھروسہ نہیں ہے مگر الحمد للہ اس عمل کی قدر ہے اور اسی کی امید ہے اور یہ اس قابل ہے کہ داخل درس کی جائے عربی طلباء کو اگر عار ہو تو اس کو عربی میں کرلیں۔"[۱]

نیز ایک موقع پر فرمایا:

"مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میرا سرمایہ نجات ہے۔ البتہ حیات المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال یہی ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی۔ اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں مگر لوگ اس کو اردو میں دیکھ کر بے وقعت سمجھتے ہیں اس کی قدر ان سے پوچھو کہ جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں۔ وہ دیکھیں گے کہ کون سا اشکال کہاں پر کس ذرا سے لفظ سے حل ہو گیا ہے اور پھر یہ کتاب گویا ایک فہرست ہے ان اعمال کی جن سے یقینی طور پر دنیا کی بھی فلاح حاصل ہوگی اور دین کی بھی۔

---

۱ جدید ملفوظات ج اول حصہ دوم ص ۱۸۰ ملفوظ ۲۱

میں نے اس کو بہت سوچ سوچ کر لکھا ہے اس کے لکھنے میں مجھ کو تعب ہوا ہے۔ میں اول اس کے مضامین لکھتا تھا پھر اس کو سہل کرتا تھا اس کے بعد دیکھتا تھا اگر کم سہل ہوئے پھر دوبارہ سہل کرتا تھا اور میں ہر ماہ اس کے دو(۲) ورق لکھا کرتا تھا اور دو(۲) ورق بھی بعض مرتبہ کئی کئی بار کے مسودہ میں لکھے جاتے تھے۔''[1]

نیز ایک مجلس میں فرمایا:

''میں نے مسلمانوں کے لئے کافی انتظام کر دیا ہے۔ فلاح دنیا کا بھی اور فلاح دین کا بھی یعنی رسالہ حیات المسلمین میں سب کچھ لکھ دیا ہے اگر اس پر عمل کریں انشاء اللہ دین و دنیا دونوں کی فلاح اس میں موجود ہے۔ فرمایا کہ ریل کے سفر میں ایک گنوار کو کہتے سنا تھا۔ بڑے ہی کام کی بات کہہ رہا تھا کہ نیک رہو ایک رہو۔ تو حیات المسلمین میں نیک ہونے کا راستہ بتلا دیا ہے اور صیانت المسلمین میں ایک ہونے کا راستہ بتلا دیا ہے۔ اب عمل کرنا یہ لوگوں کی ہمت پر ہے اور صورت اس کی بہت سہل ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر جگہ پر دس دس آدمی ہم خیال ہو کر پنچایت کی صورت بنا لیں اور کام شروع کر دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دس ہی آدمی کے ہم خیال ہو جانے سے ساری بستی پر اثر ہو گا۔ بس اتنا عمل کافی ہے پھر جو کام بھی جس سے لینا چاہیں گے کوئی انکار نہ کرے گا صیانت المسلمین کا حاصل یہی ہے۔ باقی جو مبلغ و واعظ ہیں ان کے بس کا یہ کام نہیں وہ تو صرف طریقہ بتلا سکتے ہیں اور ترغیب دے سکتے ہیں یہ انتظامی کام مقامی لوگوں کے کرنے کا ہے کہ وہ جماعتیں بنا کر کام کرتے رہیں ہیں اور مبلغ وقتاً فوقتاً پہنچ کر عام لوگوں کو نصائح کرتے رہیں۔ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں مسلمانوں کی حالت درست ہو سکتی

---

[1] مآثر حکیم الامت ص ۳۰۳

بے فلاح و بہبود کا سہرا ان کے سر بندھ سکتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کام
کرنے والے مخلص ہوں یہ نہ ہو کہ غیر مخلص اول ہی میں گھس جائیں ورنہ پھر
یہ ہوگا کہ صدر میں ہوں دوسرا کہے گا میں ہوں۔ اگر مخلص حضرات کام
کریں گے انشاء اللہ کامیابی ہو جائے گی۔ اس لیے کہ جتنی ضرورتیں اس
وقت مسلمانوں کو ہیں اس رسالہ میں سب ہیں۔ صرف عملی صورت میں کام
شروع کرنے کی ضرورت ہے، لیکن اگر مسلمان کچھ کرنا ہی نہ چاہیں تو اس کا
میرے پاس کیا علاج ہے۔[۱]

حقیقت یہ ہے کہ یہ تصنیف بہت ہی اہم اور مفید ہے۔ اس کی فہرست ہی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کی زندگی کے لیے کس قدر کارآمد ہے۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل مضامین پر مشتمل ہے:۔

۱۔ اسلام و ایمان کے بیان میں
۲۔ تحصیل و تعلیم علم دین
۳۔ قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا
۴۔ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنا
۵۔ اعتقاد تقدیر و توکل یعنی تقدیر پر یقین لانا اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا
۶۔ دعا مانگنا
۷۔ نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا
۸۔ سیرت نبوی ﷺ
۹۔ بھائی مسلمانوں کے حقوق کا خاص خیال رکھ کر ادا کرنا
۱۰۔ اپنی جان کے حقوق ادا کرنا
۱۱۔ نماز کی پابندی کرنا
۱۲۔ مسجد بنانا

۱۔ الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۰۱۔۲۰۲، ملفوظ ۲۳۹

۱۳ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

۱۴ مالداروں کو زکوٰۃ دینا

۱۵ علاوہ زکوٰۃ نیک کاموں میں خرچ کرنا

۱۶ روزے رکھنا

۱۷ حج کرنا

۱۸ قربانی کرنا

۱۹ آمدنی اور خرچ کا انتظام کرنا

۲۰ نکاح کرنا اور نسل بڑھانا

۲۱ دنیا سے دل نہ لگانا

۲۲ گناہوں سے بچنا

۲۳ صبر و شکر کرنا

۲۴ مشورے کے قابل امور میں مشورہ لینا

۲۵ امتیاز قومی یعنی اپنا لباس اپنی وضع اپنی بول چال اپنا برتاؤ وغیرہ۔“ ؎

تفسیر بیان القرآن میں مولانا تھانویؒ کا انداز یہ ہے کہ پہلے وہ قرآنی آیات کا ترجمہ بیان کرتے ہیں پھر مشکل الفاظ کی شرح اور نحوی ترکیب تحریر فرماتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی بتاتے ہیں کہ مختلف مفسروں نے کیا کیا تفسیر کی ہے پھر ان میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں جا بجا اہم تفسیری نکات بھی بیان کرتے جاتے ہیں نیز قرآن مجید کی آیات میں جو باہمی ربط ہے اس کی جانب بھی اشارہ فرماتے جاتے ہیں چنانچہ خود ہی اپنی تفسیر بیان القرآن کے متعلق فرماتے ہیں:

”اس کے تمام مضامین الہامی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو الفاظ و معانی الہام فرمائے بعینہ میں نے وہی لکھے بجز دو ایک مقام کے جن

؎ اشرف علی تھانوی، مینۃ المسلمین، ص ۱۶، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کی میں نے خاص تدقیق کر دی ہے۔ یہ تفسیر میں نے کامل شرح صدر کے ساتھ لکھی ہے۔ اس کی قدر تو ان لوگوں کو ہوگی جنہوں نے کم از کم بیس معتبر تفاسیر کا مطالعہ کیا ہو وہ دیکھیں گے کہ جو مقامات جہاں سخت اشکالات و اختلافات واقع ہوئے ہیں ان کا حل کیسی سہولت کے ساتھ توضیح کے اندر صرف چند الفاظ بڑھا دینے سے ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے۔

میں نے بیان القرآن میں یہ بھی التزام کیا ہے کہ تفسیر تو وہی لکھی جو میری سمجھ میں آئی لیکن جب تک اس کی تائید سلف صالحین کی تفاسیر سے نہیں ملی دل پر اطمینان نہیں ہوا اور جہاں اپنی تفسیر کی کوئی صریح تائید سلف سے باوجود تلاش کے نہیں ملی وہاں بھی لکھا میں نے اپنی ہی تفسیر کو لیکن اس کے آگے لکھ دیا کہ ھذا من المواھب"[1]

نیز فرمایا:

"تفسیر بیان القرآن کے بعض بعض مقامات کی تفسیر لکھنے سے قبل میں آدھ آدھ گھنٹہ ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا تب کہیں جا کر شرح صدر ہوا اور جن بعض مقامات کے متعلق پھر بھی شرح صدر نہ ہوا وہاں اس کا صاف اظہار کر دیا اور لکھ دیا کہ اگر اس سے بہتر تفسیر کہیں مل جائے تو اسی کو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ تفسیر میں دو مقامات ایسے ہیں ایک سورہ صافات میں اور ایک سورہ حشر میں۔"[2]

اسی طرح نشر الطیب (رسول اکرم ﷺ کی مقدس و متبرک سوانح عمری) کے متعلق فرمایا:

"جس گھر میں اس کا مطالعہ شوق و محبت سے کیا جائے گا ان شاء اللہ وہاں ہر طرح سے خیر و برکت ہوگی۔"[3]

نیز فرمایا:

"میں نے اس کتاب میں اس کی بھی رعایت کی ہے کہ اس میں غذا کے

---

۱ مآثر حکیم الامت ص ۳۰۰-۳۰۲

۲ ایضا ص ۳۰۲

ساتھ تفریح کا سامان بھی رکھا ہے یعنی میں نے اس میں اشعار بھی لکھے ہیں اور بہت کثرت سے ہیں۔ یعنی کتاب میں اکتالیس فصلیں ہیں ہر فصل کے اخیر میں اشعار لکھے ہیں اور نہایت لذیذ اشعار عربی کے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ لکھ دیا ہے، تو جس کا جی چاہے اس کتاب کو اپنے پاس رکھے کہ یہ انشاء اللہ اس کے لیے بہت مفید ہوگی۔۔۔ اس کتاب کے دو چار ورق روز پڑھ لیا کرو اگر خود پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے سن لیا کرو اور گھر میں روزانہ پڑھ کر سنایا کرو اور عمر بھر اسی طرح معمول رکھو۔“[1]

یہ تو ان کی اپنی چند مخصوص تصانیف کے متعلق رائے تھی لیکن اپنی تمام تصانیف کے متعلق یہ رائے تھی کہ:

”جو مجھ سے کوئی بیعت نہ ہو لیکن عقیدت کے ساتھ میری کتابیں لے کر کونے میں بیٹھ جائے تو انشاء اللہ واصل الی المقصود ہو جائے گا۔ اور جو طالب کسی بزرگ سے بھی مناسبت نہ رکھتا ہو اس کے لیے یہ مناسب ہے کہ کتاب و سنت پر عمل کرتا رہے اور اپنی اصلاح و ہدایت کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا رہے انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی واصل الی المقصود ہو جائے گا۔“[2]

---

[1] اشرف علی تھانوی، مولانا میلاد النبی ﷺ بعنوان ”النور“ ص ۲۹۲، ۱۳۵۲ھ، مطبوعہ مکتبہ شرقی لاہور، سنہ اشاعت یکم جنوری ۱۹۴۳ء

[2] مآثر حکیم الامت، صفحہ ۲۰۳

مولانا تھانویؒ کی تصانیف کی تفصیل

"مجھ سے کوئی بیعت نہ ہو لیکن عقیدت کے ساتھ میری کتابیں لے کر کونے میں بیٹھ جائے تو انشاء اللہ واصل الی المقصود ہو جائے گا"

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

فصل دوم

مولانا تھانویؒ کی تصانیف کی تفصیل

تفسیر، علوم القرآن

(۱) ترجمہ قرآن کریم	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
(۲) تفسیر بیان القرآن مکمل (۲ حصے)	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
(۳) خلاصہ بیان القرآن	ادارۃ القرآن کراچی
(۴) تسہیل بیان القرآن (۴ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
(۵) اشرف التفاسیر (تفسیری نکات کا مجموعہ) (۴ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
(۶) پارہ عم مترجم	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
(۷) تفسیر پارہ عم	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
(۸) سورہ یٰسین مترجم	ادارہ اسلامیات لاہور
(۹) جمال القرآن	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
(۱۰) تجوید القرآن	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
(۱۱) تنشیط الطبع فی اجراء السبع	راشد کمپنی دیوبند یوپی
(۱۲) الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان	مطبع تیہانی دہلی/مطبع قیومی کانپور
(۱۳) التوجیہ فی التعلق بالتشابہ	علمی پرنٹنگ پریس ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۳ء

کتاب	مطبع
(۱۴) الترقیق الخفی فی تحقیق الاذان الخفی	مطبع مجتبائی دہلی/مطبع قیومی کانپور
(۱۵) الترحیب اللطیف فی قصۃ الکلیم والخسیف	در مطبع مجتبا واقع دہلی ۱۳۳۴ھ
(۱۶) تقدیس القرآن المجید عن تدنیس القصاوید	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
(۱۷) رسالہ ملاحۃ البیان فی فصاحۃ القرآن	مطبع مجتبائی دہلی/مطبع قیومی کانپور

(۱۸) متشابہات القرآن فی تراویح رمضان

(۱۹) سبق الغایات فی نسق الآیات

(۲۰) رفع البناء فی نفع السماء

(۲۱) زیادات علی کتب الروایات

(۲۲) وتنابات لما فی اخر یارات

(۲۳) تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الآیات

(۲۴) احسن الاثاث فی النظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلث

(۲۵) تمہید الفرجات

(۲۶) آداب القرآن

(۲۷) یادگار حق القرآن

(۲۸) اصلاح ترجمۂ دہلوی

(۲۹) اصلاح ترجمہ حیرت

(۳۰) التقصیر فی التفسیر

(۳۱) رفع الخلاف فی حکم الاوقاف

(۳۲) دلائل القرآن علی مسائل النعمان

(۳۳) تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبارات

(۳۴) وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی (عربی)

(۳۵) تطہیر القرآن من صدور الصبیان

(۳۶) اشرف البیان لما فی علوم الحدیث والقرآن

(۳۷) العنوان فی آیتی سورۃ الامتحان

(۳۸) تمہید الفرش فی تحدید العرش

(۳۹) دفع الاعتساب عن آیۃ الاکتساب

(۴۰) نور الناظرین یعنی تقریرات متعلقہ جلالین شریف

(۴۱) القاء السکینہ فی تحقیق ابداء الزینہ

علوم حدیث

۱	اعلاء السنن (۲۱ جلد)	ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی
۲	المسک الذکی یعنی تقریر ترمذی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۳	الادراک والتوصل الی حقیقۃ الاشتراک والتوسل	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
۴	موخرۃ الظنون عن مقدمہ ابن خلدون	مطبع مجتبائی دہلی / مطبع قیومی کانپور
۵	انتخاب بخاری (۲ جلد)	ادارہ اسلامیات لاہور
۶	چہل حدیث	ادارۃ المعارف کراچی
۷	اشرف الکلام فی احادیث خیر الانام ﷺ	ادارہ اسلامیات لاہور
۸	جامع الآثار	
۹	تابع الآثار	
۱۰	الثواب الجلی	
۱۱	اطفاء الفتن ترجمہ احیاء السنن	
۱۲	حفظ الاربعین	
۱۳	فوائد موطا امام مالکؒ	

۱۴ تکمیل التعرف فی تسہیل التشرف

۱۵ ازالۃ اللوث بالعفۃ عن الشعث

۱۶ حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الانیقہ

۱۷ احیاء العلوم کا احیاء

۱۸ الاستدراک الحسن

عقائد

۱	تعلیم الدین	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
۲	فروع الایمان (ایمانی اعمال)	ادارۃ المعارف کراچی
۳	جزاء الاعمال (یعنی گناہوں کا بدلہ دنیا میں)	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
۴	مائۃ دروس (ایک سو اہم اسباق)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۵	احکام اسلام عقل کی نظر میں	دارالاشاعت کراچی
۶	اکسیر فی اثبات التقدیر	مہتمم کتب خانہ فرقانیہ عظیم اشاعت دیوبند
۸	مسئلہ تقدیر (اردو ترجمہ)	ادارہ اشرفیہ لاہور
۹	حفظ الایمان	مکتبہ اسعدیہ کراچی
۱۰	بسط البنان بکنز لعنوان	کتب خانہ مجیدیہ ملتان
۱۱	اسلام کے بنیادی احکام	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۲	شوق آخرت	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۳	شوق وطن	کتب خانہ مظہری کراچی
۱۴	احکام التجلی من العلی والعدلی	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۵	الروح الداعلی زادہ من مذہب تحقیق العقائد	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
۱۶	حفظ الایمان عن الزیغ والطغیان	دارالکتاب لاہور

۱۷. الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح

۱۸. تذئیل شرح عقائد

۱۹. شق الجیب فی حق الغیب

۲۰. الحکم الحقانی فی حزب الآغاخانی

۲۱. تغییر العنوان فی بعض عبارات حفظ الایمان

۲۲. الفتوح فیما یتعلق بالروح

۲۳. ظہور العدم بنور القدم

۲۴. الحق

۲۵. تدویر الفلک فی تطہیر المسلک

۲۶. طلوع البدر فی سطوع القدر

۲۷. النعیم فی الجحیم

۲۸. بسط البنان لکف اللسان عن کاتب حفظ الایمان

۲۹. الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح

فقہ و فتاویٰ

۱	بہشتی زیور مکمل (۱۱ حصے)	دارالاشاعت کراچی
۲	بہشتی زیور (مکمل مدلل)	مکتبہ مدنیہ لاہور
۳	مسائل بہشتی زیور	مکتبہ رحمانیہ لاہور
۴	بہشتی گوہر	کتب خانہ اشرفیہ کراچی
۵	بہشتی گوہر (مدلل)	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۶	بہشتی ثمر (اول دوم)	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
۷	اشرف الاحکام یعنی تتمہ امداد الفتاویٰ	ادارہ اسلامیات لاہور

نمبر	کتاب	ناشر
۸	فتاویٰ اشرفیہ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۹	احکام القرآن (اول تا پنجم)	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۱۰	ایضاً (ششم تا یازدہم)	ادارہ اشرف التحقیق جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور
۱۱	امداد الفتاویٰ مکمل (۶ جلد)	مکتبہ دارالعلوم کراچی
۱۲	دین کی باتیں	مکتبہ رشیدیہ کراچی
۱۳	تقلید واجتہاد	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۴	حیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ (عورتوں کا حق تنسیخ نکاح)	دار الاشاعت کراچی
۱۵	فتاویٰ میلاد مع طریقہ میلاد	مکتبہ قاسمیہ لاہور
۱۶	القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع	اشرف العلوم شعبہ دار الاشاعت دیوبند
۱۷	القول الصواب فی مسئلۃ الحجاب	مکتبہ اشرف العلوم دیوبند
۱۸	بہشتی جوہر	
۱۹	امداد الاحکام	
۲۰	تکمیل الفتاویٰ	
۲۱	حوادث الفتاویٰ	
۲۲	ترجیح الراجح	
۲۳	اکمل البیان فی بحث اللسان	
۲۴	الفضل الحرام فی فضل المحرم	
۲۵	مسائل اہل النظر	
۲۶	القول الدخیل	
۲۷	اعداد الجنۃ	
۲۸	تحقیق الحکم بالمسافح لمن لا یرید ادا المہر فی النکاح	

- تعدیل اہل العصر فی رویۃ تقابل القمر
- کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم
- زکوٰۃ العرض فی نبات الارض
- حق السماع
- التحقیق الغریب فی علم آلۃ تقریب الصوت البعید
- تصحیح العلم فی تقبیح الحلم
- تحقیق تعلیم انگریزی
- مسائل اہل الخلہ فی مسئلۃ الغلہ
- تحذیر الاخوان عن الربوا فی الہندوستان
- کشف الغطوہ عن وجہ الرشوہ
- الحق الصراح فی تحقیق اجرۃ النکاح
- رد التوحد فی طلاق ذات التعدد
- دفع الاشارہ الی منافع الاستخارہ
- المدار
- آداب الاخبار
- اخبار دینی
- رفع الارتیاب عن مسئلۃ ثبوت الانساب
- رافع الضنک عن منافع البنک
- افکار دینی
- ارسال الجنود الی ارسال الحدود
- تقلیل الحسرات فی تخفیف المنکرات

سلوک و تصوف

نمبر	کتاب	ناشر
۱	التکشف عن مہمات التصوف	کتب خانہ مظہری کراچی
۲	التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف (۴ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۳	تربیت السالک (۳ جلد)	دار الاشاعت کراچی
۴	اصلاحی نصاب (۱۰ رسائل کا مجموعہ)	دار الاشاعت کراچی
۵	کلید مثنوی معنوی شرح مثنوی مولانا روم (۲۴ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۶	مسائل مثنوی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۷	قصد السبیل الی المولی الجلیل	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند (یوپی)
۸	تسہیل قصد السبیل	کتب خانہ مجیدیہ ملتان
۹	نوادر النوادر	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۰	عرفان حافظ	نفیس اکیڈمی کراچی
۱۱	مسائل السلوک من کلام ملک الملوک (مسائل تصوف قرآن کی روشنی میں)	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۲	شریعت و طریقت	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۳	مقالات صوفیہ	دار الاشاعت کراچی
۱۴	جواہر حکیم الامت	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۱۵	معارف اشرفیہ (۸ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۶	اصول تصوف	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۷	تحفۃ الشیوخ	کتب خانہ مظہری کراچی
۱۸	تعمیر العشق من النفس	
۱۹	تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ	
۲۰	مثنوی زیر و بم (فارسی)	

- رونمائے مثنوی (منظوم)
- الاتحاد باصل الاصطفاء
- ملخص الانوار والتجلی
- رفع الشکوک ترجمہ مسائل السلوک
- اصلاح المزاج باصلح العلاج
- انوار الفکر فی آخر الظفر
- ارضی الاقوال فی عرض الاعمال
- تکمیل التصرف فی تسہیل التصرف
- دخول وخروج بر نزول وعروج
- النکت الدقیقہ
- انوار الوجود فی اطوار الشہود (عربی)
- التجلی العظیم فی احسن تقویم
- معارف العوارف (اول۔دوم)
- معارف المعارف
- التمیم فی التم
- الطم فی التم
- حق السماع
- التعریض علی صالح التعریض
- الارشاد الی مسلک الاستعداد
- شجرۃ المراد
- التخصص فی حکم الوسوسہ
- تخمیس بشکل جدول
- ترجمہ تنبیہ المغترین
- الدر المنضود

- رحمۃ للعالمین
- ترجمہ آداب العبودیت
- جزو اکبر
- الجلاء والشوق فی الرجاء والخوف
- حسن العلاج لسوء المزاج
- البصائر فی الدوائر
- رفع الضیق عن اہل الطریق
- شمس الفضائل لطمس الرذائل
- القول الفصل فی بعض آداب الوصل
- الاعتدال فی متابعۃ الرجال
- روح تصوف
- عبور البراری فی سرور الذراری
- تطہیر بعدم تواتر القدم
- عنوان التصوف
- مبادی التصوف
- شیخ ابن عربی کا مسلک
- آداب الشیخ والمرید

منطق

- تلخیص المرقات
- تسہیل المعانی
- تلخیص الہدایۃ
- درایۃ العصمۃ
- تلخیص الشریفیہ

- تلخیص المنار
- المدار
- تکمیل شرح عقائد
- عشرۂ طروس
- تیسیر المنطق
- تلخیص حواشی الحکمۃ

علم الکلام

- اشرف الجواب (کامل ۳ حصے) — مکتبہ اسعدیہ کراچی
- المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ (مکمل) — دارالاشاعت کراچی
- الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
- تعلیم الدین مع تکمیل الیقین
- قائد قادیان
- القول الفاصل بین الحق والباطل
- التادیب لمن لیس لہ فی العلم والادب نصیب
- ارسال الجنود الی ارسال الجنود
- تخفیف الثمرات فی تخفیف المطرات
- تقدیس المقدس عن تدنیس الملبس
- نہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک
- عمارۃ العالم بامارۃ الآدم
- بلوغ الغایۃ فی تحقیق خاتم الولایۃ
- حفظ الحدود الحقوق المحدود

۱۲۔ حقوق الاسلام — مکتبہ رشیدیہ کراچی
۱۳۔ اغلاط العوام (یعنی عوام کے غلط مسائل) — زمزم پبلشرز کراچی
۱۴۔ اصلاح الخیال — کتب خانہ جمیل لاہور
۱۵۔ حقوق العلم — ادارہ اسلامیات لاہور
۱۶۔ التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی
۱۷۔ ارشاد الہائم فی حقوق البہائم
۱۸۔ اخبار الروایہ
۱۹۔ شہادۃ الاقوام بصدق الاسلام
۲۰۔ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد
۲۱۔ سجادہ التثنی
۲۲۔ بناء القبہ علی بناء الجبہ
۲۳۔ الخطوب المذیبہ للقلوب المنیبہ
۲۴۔ الاستحضار للاحتضار مع تقلبات الاطوار
۲۵۔ شذرات الحکم
۲۶۔ وصل السبب فی فصل النسب
۲۷۔ البدائع

سیرت وسوانح

- نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ — تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
- شم الطیب — تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
- سیرت رسول اکرم ﷺ — تذکیہ نذر پبلشرز لاہور
- ذکر رسول ﷺ کمال الشفا — ادارہ ضیاء العلوم جامع مسجد دیوبند

- طریقہ مولد شریف — مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور
- کرامات صحابہ رضی اللہ عنہم — دار الاشاعت کراچی
- شان صحابہ رضی اللہ عنہم — ادارہ اسلامیات لاہور
- امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق — اسلامی کتب خانہ لاہور
- معارف الاکابر — ادارہ اسلامیات لاہور
- معارف امدادیہ — ادارہ اسلامیات لاہور
- معارف نانوتوی — دار الاشاعت کراچی
- معارف گنگوہی — ادارہ اسلامیات لاہور
- جمال الاولیاء — اسلامی کتب خانہ لاہور
- ارواح ثلاثہ ملحق حکایات اولیاء — مکتبہ رحمانیہ لاہور
- قصص الاولیاء ملحق نزہۃ البساتین — دار الاشاعت کراچی
- اسیر الروایات فی عجیب الحکایات — کتب خانہ امداد الغربا سہارنپور
- قصص الاکابر — مکتبہ اشرفیہ لاہور
- سیرت منصور حلاج — مکتبہ دار العلوم کراچی
- السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ — اسرار کریمی الہ آباد
- نقش نعل مبارک سرور کائنات ﷺ — صدیقی ٹرسٹ کراچی
- تعلیم الطالب مع شجرہ طیبہ چشتیہ صابریہ — صدیقی ٹرسٹ کراچی
- نیل الشفا بنعل المصطفیٰ ﷺ
- سماع و قوالی
- ذکر محمود
- یادگار روزبہ انوار حضرت خواجہ صاحب اجمیری
- خوان خلیل

- یاد یاراں
- لامع علامات الاولیاء یعنی تلخیص جامع کرامات الاولیاء
- ذکر محمود
- الترتیب اللطیف فی قصۃ الکلیم والخضر
- قصۂ سیدنا یوسف علیہ السلام
- احسن التفہیم لمقول سیدنا ابراہیم علیہ السلام
- تحصین دار العلوم عن تحریک انوار النجوم
- تحصین دار العلوم عن تحصین نار السموم
- تعریف الدرایات
- نفایات الحسیب حاشیہ روایات الطیب
- المغنی الامدادی مع الشرح الارشادی
- حکایات موعظت
- انوار المحسنین
- احکام التحلی من التحلی الاحمدی
- معارف حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ
- معارف حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ
- معارف حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ
- جواہرات یعقوبی
- معارف یعقوبی
- معارف شیخ مراد آبادیؒ
- معارف شیخ الہندؒ
- تنویر السراج فی لیلۃ المعراج

- کرامات امدادیہ
- کمالات امدادیہ
- علوم امدادیہ

دعاء - اذکار - عملیات - وظائف

۱	اعمال قرآنی	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
۲	قرآنی علاج	مکتبہ خلیل لاہور
۳	عملیات وتعویذات کے شرعی احکام	مکتبہ خلیل لاہور
۴	فضائل استغفار	ادارہ اسلامیات لاہور
۵	ایصال ثواب اور اس کے احکام ومسائل	ادارہ اسلامیات لاہور
۶	بیاض اشرفی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۷	عملیات خاص حضرت تھانوی	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۸	معمولات اشرفی	مکتبہ اشرفیہ لاہور
۹	اوراد رحمانی (عملیات اسماء حسنیٰ)	مکتبہ رشیدیہ کراچی
۱۰	مناجات مقبول (مترجم)	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
۱۱	مناجات مقبول (عربی)	دارالاشاعت کراچی
۱۲	حزب البحر مترجم (مشہور الہامی دعا)	کتب خانہ مظہری کراچی
۱۳	زاد السعید (مجموعہ درود شریف)	دارالاشاعت کراچی
۱۴	سال بھر کے مسنون اعمال	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۵	اشرفی تحفہ	ظفر منزل لاہور
۱۶	گلدستہ نماز	دارالفلاح ملتان

۱۷ مسائل نماز (مکمل) — ادارہ اسلامیات لاہور

۱۸ اپنی نمازیں درست کیجئے — ادارۃ المعارف کراچی

۱۹ خطبات الاحکام — تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

۲۰ مجموعہ خطبات ماثورہ — مکتبۃ العلم لاہور

۲۱ جمعہ کے احکام وفضائل — مکتبہ قاسم العلوم کراچی

۲۲ اوراد رحمانی واذکار سبحانی — کتب خانہ اعزازیہ دیوبند

۲۳ اسماء الحسنیٰ، درود شریف اور مسنون دعاؤں سے آپ کی مشکلات دور پریشانیوں کا حل — ادارۃ القاسم لاہور

۲۴ آثار تبیانی خواص فرقانی

۲۵ تحذیر اعداد العلی حکم الماء الجالبۃ

۲۶ العرس الصحیح فی تحقیق بعض اجزاء دوازدہ تسبیح

۲۷ قربات عند اللہ وصلوات الرسول

۲۸ علاج القحط والوباء

۲۹ اسراج طلب

۳۰ الاستبصار فی فضل الاستغفار

۳۱ زوال السنۃ عن اعمال السنۃ

۳۲ الطرائف والظرائف (اول تا سوم)

۳۳ التقی فی احکام الرقی

متفرقات

1. الساعات للطاعات
2. المنتخب من الخطب
3. صوائد العوائد فی زوائد الفوائد
4. المصحف المشہور فی فضائل اعانۃ المکروہ
5. الروضۃ الناظرۃ فی تحریکات الی ضرہ
6. الحکم الکبیر للعلی القدیر
7. تلقین العرائس فی تحسین مراتک
8. الکلم الطیب
9. التنبیہ والتحذیر لارتداد
10. جزل الکلام فی عزل الامام
11. تفسیری بشرح کلام نظیری
12. سبعہ سیارہ
13. لطائف للطائف
14. تلخیص الرکات
15. معتقد بانی کانگ
16. چار جوئے بہشت
17. بیت الدیان
18. باب الریان
19. عیش الحیات
20. بناء القبۃ علی بناء الجنۃ
21. الشراب السراب
22. تخفیف الاسماع بجر صیف نلاسجاع
23. لوح الالواح
24. احسن التفہیم لقول سیدنا ابراہیم ﷺ
25. المواہب
26. سرج الزیت علی منہاج البیت
27. کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم
28. صیانۃ المسلمین عن خیانۃ المسلمین
29. تعدیل التقویم
30. اسکات المکثر لآفات المسکر
31. تماثیل بالتصیر
32. اخبار رواۃ الحبوب عن آثار اہل التجدد
33. بیان وفود فی اعوان ابن مسعود
34. نسوخ بعض معتقدات ابن العوج
35. رسالہ نصب مسائل (فارسی)
36. داب المساجد علی آداب المساجد
37. تنبیہات وصیت
38. الکلم الدال علی تحکم الضالہ
39. نقل مشہ
40. العذر والنذر
41. غرائب الرغائب
42. ارق المنشور

- جمع الصکوک فی قمع الشکوک
- احقر کے مسلک کی شرح
- احکام الخلاف
- قند دیوبند
- معاملۃ المسلمین فی مجادلۃ غیر المسلمین
- حکایات الشکایات
- خطاب الندوہ
- ورجۃ الحسام فی اشاعت الاسلام
- نصح الاخوان فی صروف الزمان
- التورع عن فساد التوزیع
- رافع الضنک عن منافع البنک
- امثل الاقوال لافاضل الرجال
- الشکر والدعا علی النصر و بالنصر یوم اللقاء
- نصیحت نامہ بجواب وصیت نامہ
- تعلیم نسواں
- ثبات الستور لذوات الخدور
- الخبارات فی مھمات التفریق والخیارات
- حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج
- المرقومات للمظلومات
- رفاق المجتھدین للنظر فی وفاق المجتھدین
- کسوۃ النسوۃ
- خطاب مسلم لیگ
- رسالہ سوال و جواب متعلق جسم
- مثالی و روح اعظم و تجلی
- کثرۃ الازواج لصاحب المعراج
- حفاظت اسلام کا موثر طریق عمل
- حکیم اجمل خاں کے بیان پر تنقید و تبصرہ
- رفع الغلط لدفع الشطط
- اشعار الغیور بمانی اشعار ابن منصور
- العدل مع اہل العدول
- خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم
- صمم شارد الاہل فی دم شارد الاہل
- موخرۃ الظنون
- اصلاح المعتوہ فی تعریف الحرام والمکروہ
- القول الاجلی فی وقف جامع دہلی
- القول الاحکم فی تحقیق مالا یلزم
- اختلاف فی احکام الاختلاف
- توحید الحق
- راحۃ العبیر فی لائحۃ عالمگیر

فصل سوم

ملفوظات

نمبر	کتاب	ناشر
۱	ملفوظات حکیم الامتؒ (کامل ۳۲ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲	الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ (ملفوظات حکیم الامتؒ) (۱۰ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۳	حسن العزیز (ملفوظات حکیم الامتؒ) (۵ جلد)	مکتبہ تالیفات اشرفیہ سہارنپور
۴	ملفوظات، مقالات حکمت و مجادلات معدلت	ادارہ تالیفات اشرفیہ لاہور
۵	الکلام الحسن	ادارہ اسلامیات لاہور
۶	جدید ملفوظات (۳ جلد)	اشرف العلوم شعبہ دار العلوم کراچی
۷	ملفوظات کمالات اشرفیہ	کتب خانہ اشرفیہ کراچی
۸	جدید ملفوظات حکیم الامتؒ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۹	خیر الافادات (ملفوظات حضرت تھانویؒ)	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۰	مجالس حکیم الامتؒ	دار الاشاعت کراچی
۱۱	انفاس عیسیٰ (اول دوم)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۲	مولانا اشرف علی تھانوی کا علماء کرام سے خطاب	کتب خانہ مظہری کراچی
۱۳	جمیل الکلام و اسعد الابرار	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۴	مزید المجید	مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی
۱۵	ملفوظ الطہر خیر الافادات	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۶	الرفیق فی سواء الطریق (اول دوم)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۷	سفرنامہ لاہور و لکھنؤ، سفرنامہ حیدرآباد دکن	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

۱۸	ملفوظات اشرفیہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۹	ملفوظات برائے خواتین	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۰	نماز کے اہم مسائل	ادارہ اشرف التحقیق لاہور
۲۱	ملفوظات حضرت تھانوی	مکتبہ مسالک پبلشرز کراچی
۲۲	اصول تجارت	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۳	آئینہ تربیت (خلاصہ تربیت السالک)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۴	ترقی تعلیم و تہذیب (ملفوظات حکیم الامت)	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۵	مجالس حکمت و نکات باطن	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۶	جدید ملفوظات، ملفوظات، ملفوظات	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۷	مقالات حکمت (اول دوم)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۸	فیوض الخالق و کلمۃ الحق	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۹	معارف و مسائل رمضان	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۰	مقالات تصوف	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۱	فیوض الرحمٰن	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۳۲	اشرف الملفوظات فی مرض الموت	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۳	جواہر الحسن	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۴	آداب اسلام	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۵	تہذیب الاخلاق (کامل)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۶	اسلام کی تعلیمات اعتدال	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۷	عظمت صحابہؓ اور رد رفض	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۸	سفارش کی فضیلت	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر
۳۹	محبت رسول ﷺ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر

فصل چہارم

مکتوبات

نمبر شمار	کتاب کا نام	پبلشر
۱	مکتوبات اشرفیہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ کراچی
۲	تربیت النساء	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۳	اصلاح دل (مکتوبات اشرفیہ)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۴	مکاتیب حکیم الامت	ادارۃ المعارف کراچی
۵	اشرف المکتوبات	ادارۃ القرآن کراچی
۶	الرقیم الجلیل	ادارہ اشرف العلوم جامعہ اشرفیہ لاہور
۷	مکتوبات دیعہ ض یعقوبی	دارالاشاعت کراچی
۸	مکتوبات خیرت (اول دوم)	
۹	مکتوبات محبوب القلوب	
۱۰	مکتوبات امدادیہ مع صد فوائد	
۱۱	خطوط خوبی	
۱۲	خطاب ذالندوہ	
۱۳	المعلومات الرشدیہ علی الرقومات الامدادیہ	
۱۴	ضیاء الافہام من عموم بعض الاعلام	
۱۵	نعم المنادی فی تصحیح السابادی	
۱۶	ریاض الفوائد	
۱۷	ناظر البصر	

○○○

فصل پنجم

خطبات ومواعظ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۱	اقسام الربا (ربا کی قسمیں)	لکھنؤ	۲۴ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ
۲	قرب الحساب (حساب کی آمد)	مرادآباد	شعبان ۱۳۱۹ھ
۳	التعاون علی الخیر (نیک کام میں تعاون)	شاہی مسجد مرادآباد	شعبان ۱۳۱۹ھ
۴	یقظۃ النائم	چرتھاول	شعبان ۱۳۱۹ھ
۵	وعظ چرتھاول	چرتھاول	شعبان ۱۳۱۹ھ
۶	تطہیر رمضان (ماہ رمضان کے آداب و احکام)	مرادآباد	۲۱ شعبان ۱۳۱۹ھ
۷	نوافل الغضب (غصہ کی آتش)	تھانہ بھون	جمادی الثانی ۱۳۲۱ھ
۸	الفطر (روز عید فطر)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۹ رمضان ۱۳۲۱ھ
۹	ثمرات الخوف (خوف خدا کے ثمرات)	محلہ کوٹلہ میرٹھ	۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ
۱۰	مواعظ اشرفیہ (خشوع وخضوع پیدا کرنے کی تدبیر)	جامع مسجد کانپور	۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ
۱۱	حقوق القرآن (قرآن کے حقوق)	مدرسہ خادم العلوم میرٹھ	۱۳ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ
۱۲	مواعظ اشرفیہ (حصہ دوم)	میرٹھ	۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ
۱۳	الترقی (نیک کاموں میں ترقی دینے کے احکام)	جامع مسجد دہلی	۳۰ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ
۱۴	ذم المکروہات (ناپسندیدہ افعال کا بیان)	میرٹھ	جمادی الاول ۱۳۲۳ھ
۱۵	اکمال العدۃ (ایام رمضان کی تکمیل اور روزہ عید کے مسائل)	جامع مسجد کیرانہ	۲۳ رمضان ۱۳۲۳ھ
۱۶	تحقیق المعاصی (گناہوں کو سرسری سمجھنا)	رامپور منہیاران	۳ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۱۷	منازعۃ الہوی (خواہشاتِ نفس کی مخالفت)	میرٹھ	۲۳ رجب ۱۳۲۵ھ
۱۸	الاطمینان بالدنیا (صرف حصول دنیا پر راضی ہونا اور آخرت کی فکر نہ کرنا)	اجراڑہ ضلع میرٹھ	۱۴ رجب ۱۳۲۶ھ
۱۹	علاج الکبر (تکبر کا علاج)	تھانہ بھون	۲۳ صفر ۱۳۲۸ھ
۲۰	آداب المساجد (مسجد کے آداب)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۳ محرم ۱۳۲۹ھ
۲۱	مہمات الدعاء (حصہ اول) (دعا سے متعلق اہم امور)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲ صفر ۱۳۲۹ھ
۲۲	مہمات الدعاء (حصہ دوم) (دعا سے تغافل کے اسباب)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۶ صفر ۱۳۲۹ھ
۲۳	سیرۃ الصوفی (صوفی کا طریقہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۳ صفر ۱۳۲۹ھ
۲۴	حقوق المعاشرت (باہمی زندگی کے حقوق)	جامع مسجد تھانہ بھون	۸ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ
۲۵	اصلاح النساء (عورتوں کی اصلاح وتربیت)	قصبہ کاندھلہ	۲۰ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ
۲۶	الاخلاص (حصہ اول) (اخلاص کی حقیقت)	جامع مسجد تھانہ بھون	جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ
۲۷	الاخلاص (حصہ دوم) (اخلاص کی حقیقت)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۵ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ
۲۸	حیات طیبہ (پاکیزہ زندگی)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۵ رجب ۱۳۲۹ھ
۲۹	ذم الہوی (اتباع خواہش نفسانی کی برائی)	جامع مسجد تھانہ بھون	شعبان ۱۳۲۹ھ
۳۰	تسہیل الاصلاح (اصلاح کا آسان طریقہ)	جلال آباد	۱۱ شعبان ۱۳۲۹ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۳۱	احکام العشر الاخیر (آخر عشرہ کے احکام)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۶ رمضان ۱۳۴۹ھ
۳۲	اکمال الصوم والعید (رمضان اور عید کی تکمیل)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۸ رمضان ۱۳۴۹ھ
۳۳	فضل العمر (زندگی کی حفاظت و اہتمام)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۳ شوال ۱۳۴۹ھ
۳۴	تطہیر الاعضاء (اعضاء کی پاکی)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۰ شوال ۱۳۴۹ھ
۳۵	حق الاطاعة (حقیقی بیداری)	کاندھلہ	۲۱ شوال ۱۳۴۹ھ
۳۶	تقویم الزیغ (طریق نجات)	ہردوئی	۲۹ شوال ۱۳۴۹ھ
۳۷	ضرورة الاعتناء بالدین (پہلا وعظ) (اہتمام دین کی ضرورت)	مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد	۳ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ
۳۸	ضرورة العلم بالدین (دوسرا وعظ) (علم دین کو حاصل کرنے کی ضرورت و اہمیت)	مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد	۵ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ
۳۹	ضرورة العمل بالدین (تیسرا وعظ) (احکام دین پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت)	مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد	۷ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ
۴۰	الدین الخالص (اعمال دین میں اخلاص کی اہمیت)	چھائی محال کانپور	۹ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ
۴۱	طریق القرب (مقربیت کا طریقہ)	جامع مسجد قنوج	۱۰ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ
۴۲	فضائل العلم والخشیة (علم اور خوف کے فضائل)	بانس بریلی	۱۳ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ
۴۳	ترغیب الاضحیة (قربانی کی ترغیب)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۷ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۴۴	تکمیل الاسلام (اپنے اسلام کی تکمیل کیجئے)	مدرسہ حسن علی بندرگاہ کراچی	۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ
۴۵	ترک المعاصی (گناہوں کو چھوڑ نا)	کراچی گاڑی احاطہ	۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ
۴۶	ضرورۃ التوبہ (توبہ کی ضرورت و اہمیت)	خیر پور سندھ	۲۷ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ
۴۷	تفصیل التوبہ (توبہ کی تفصیل)	خیر پور سندھ	۲۸ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ
۴۸	تعظیم الشعائر (قربانی کے احکام)	جامع مسجد تھانہ بھون	۹ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ
۴۹	التصدی للغیر (دوسروں سے نصیحت حاصل کرنا)	جامع مسجد تھانہ بھون	۸ محرم ۱۳۳۰ھ
۵۰	نفی الحرج (دین میں تنگی نہیں وسعت ہے)	مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد	۱۹ محرم ۱۳۳۰ھ
۵۱	اصلاح النفس (نفس کی اصلاح)	جامع مسجد تھانہ بھون	۵ صفر ۱۳۳۰ھ
۵۲	تفاضل الاعمال (طاعات و معاصی)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۳ صفر ۱۳۳۰ھ
۵۳	الرضا بالدنیا (دنیا سے دل لگانا)	جلال آباد	۱۵ صفر ۱۳۳۰ھ
۵۴	ذکر الرسول ﷺ (رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ)	جامع مسجد کانپور	۷ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ
۵۵	الاتعاظ بالغیر (دوسروں سے نصیحت حاصل کرنا)	جلال آباد	۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ
۵۶	طلب العلم (علم کی طلب)	پھتہ گڑھی	۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ
۵۷	تادیب المصیبۃ (مصیبت سے سبق حاصل کرنا)	تھانہ بھون	۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ
۵۸	تجارت آخرت (آخرت کی کمائی)	سہارنپور	۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ
۵۹	حب العاجلہ (دنیا کی محبت)	جلسہ موتمر الانصار میرٹھ	۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

تاریخ ماہ و سال	مقام	عنوان وعظ	نمبر شمار
۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ	مدرسہ عربیہ دیوبند	اطاعت الاحکام مع تفصیل دارالحدیث تحریر الاقام (احکام الٰہی کی پیروی [illegible])	۶۰
۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ	تھانہ بھون	خواص الخشیہ (خوف حق کے خواص و آثار)	۶۱
۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ	مسجد نیل جھنجھانہ	ازالۃ الغفلہ (غفلت کا ذہاب)	۶۲
یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ	جھنجھانہ	ذکر الموت (مراقبہ موت)	۶۳
۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ	جامع مسجد تھانہ بھون	شرف المکالمہ (حق تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف)	۶۴
۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ	جامع مسجد تھانہ بھون	فصل الجاہلیہ (جاہلانہ رسمیں)	۶۵
۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ	جامع مسجد تھانہ بھون	اتقاء المجازفہ (بے تکی باتوں کی نحوست)	۶۶
۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ	قصبہ کاندھلہ	قطع التمنی (کلام الٰہی میں [illegible] سے احتراز)	۶۷
۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ	جامع مسجد تھانہ بھون	تیسیر الاصلاح (اصلاح کی آسانی)	۶۸
۳ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ	جامع مسجد تھانہ بھون	ترجیح المفسدہ علی المصلحہ ([illegible] مصلحت سے [illegible])	۶۹
۹ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ	خورجہ ضلع بلند شہر	ضرورۃ العلماء (علماء کی ضرورت)	۷۰
۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ	جامع مسجد کیرانہ	طریق النجاۃ (نجات کا طریقہ)	۷۱
۳ رجب ۱۳۳۰ھ	لکھنؤ	احکام المال (مال و دولت کے حقوق)	۷۲
۴ رجب ۱۳۳۰ھ	قصبہ گھکولی	آثار المحبۃ (اللہ سے محبت کی علامات)	۷۳
۵ رجب ۱۳۳۰ھ	مسجد تھانہ بھون	نسیان النفس (ترک [illegible])	۷۴
۱۱ رجب ۱۳۳۰ھ	مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون	تعلیم البیان (بیان کی تعلیم)	۷۵
۱۵ رجب ۱۳۳۰ھ	مدرسہ عربیہ دیوبند	الحل للعلماء (علماء کے لیے [illegible])	۷۶

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۷۷	فضل العلم والعمل (علم و عمل کی فضیلت)	مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور	۲۲ رجب ۱۳۳۰ھ
۷۸	اختیار الخلیل (نیک صحبت کی ضرورت)	لال مسجد گنگوہ	یکم شعبان ۱۳۳۰ھ
۷۹	شرط الایمان (دل سے احکام شرعیہ تسلیم کرنا اور اس میں تنگی نہ ہونا شرط ایمان ہے)	اہلیہ خانقاہ شاہ ابو المعالیؒ	۳ شعبان ۱۳۳۰ھ
۸۰	متاع الدنیا (دنیا کی حقیقت)	تھانہ بھون	۱۷ شعبان ۱۳۳۰ھ
۸۱	مضار المعصیہ (گناہ کا نقصان)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۸ شعبان ۱۳۳۰ھ
۸۲	نداء رمضان (رمضان کی پکار)	جامع مسجد تھانہ بھون	۹ رمضان ۱۳۳۰ھ
۸۳	شوق اللقاء (اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق)	جامع مسجد تھانہ بھون	شوال ۱۳۳۰ھ ۷ مئی ۱۹۱۲ء
۸۴	وحدۃ الحب (محبت الٰہی پیدا کرنے کا علم)	جامع مسجد تھانہ بھون	۸ شوال ۱۳۳۰ھ
۸۵	شعب الایمان (ایمان کے شعبے)	جلال آباد	۵ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ
۸۶	فوائد الصحبۃ (نیک صحبت کے فوائد)	کاندھلہ	۶ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ
۸۷	الشکر (ترغیب صبر و شکر)	تھانہ بھون	۸ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ
۸۸	مواساۃ المصابین (حصہ اول) (مصیبت زدوں کی غم خواری)	جامع مسجد تھانہ بھون	۴ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ
۸۹	مواساۃ المصابین (حصہ دوم) (مصیبت زدوں کی غم خواری)	جامع مسجد تھانہ بھون	۵ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ
۹۰	حقوق السراء والضراء (حقوق مصیبت و راحت)	جلسہ بلال امر سہارنپور	۶ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ
۹۱	حقوق البیت (گھر والوں کے حقوق)	غازی پور	۲۲ محرم ۱۳۳۱ھ
۹۲	تفصیل الدین (اجزائے دین کی تفصیل)	غازی پور	۲۳ محرم ۱۳۳۱ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۹۳	المال والجاہ (حقیقت عزت ومال)	انبہ آباد	۱۲ صفر ۱۳۳۱ھ
۹۴	تکمیل الانجاح (کامیابی کا راستہ)	قنوج	۱۶ صفر ۱۳۳۱ھ
۹۵	الانجماح (تکبر ونمود کی مذمت)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۸ صفر ۱۳۳۱ھ
۹۶	اجابۃ المجیب (ذکر خدا کا جامع)	لکھنؤ	۱۹ صفر ۱۳۳۱ھ
۹۷	کف الاذیٰ (ایذا رسانی سے احتراز)	مدرسہ مصباح العلوم بریلی	۲۲ صفر ۱۳۳۱ھ
۹۸	الفضل العظیم (علم دین کی فضیلت)	جھوٹی والی مسجد ریاست رام پور	۲۳ صفر ۱۳۳۱ھ
۹۹	اسباب الغفلۃ (غفلت کے اسباب)	مسجد پیر غیب مرادآباد	۲۵ صفر ۱۳۳۱ھ
۱۰۰	الاسراف (اسراف کی قباحت اور حدود)	سنبھل ضلع مرادآباد	۲۷ صفر ۱۳۳۱ھ
۱۰۱	ذم النسیان (غفلت کی برائی)	جامع مسجد تھانہ بھون	۷ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ
۱۰۲	اسباب الفتنۃ (فتنہ کے اسباب)	ضلع گڑگانواں	۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ
۱۰۳	النور (آداب معاشرت کی رعایت)	فیروزآباد مسجد ٹھیکریان	۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ
۱۰۴	التقویٰ (تقویٰ کی حقیقت)	فیروزآباد	۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ
۱۰۵	غوائل الغضب (غصہ کی آفتیں)	تھانہ بھون	جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ
۱۰۶	التعمیر (بیوہ عزری)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ
۱۰۷	التوکل (اعتماد علی اللہ پر بھروسہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۳ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ
۱۰۸	التوجہ (توجہ الی اللہ کی حقیقت)	جامع مسجد تھانہ بھون	۹ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ
۱۰۹	التفانی (دنیا کی بے ثباتی)	تھانہ بھون	۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ
۱۱۰	الباقی (دائمی تعلقات)	تھانہ بھون	یکم رجب ۱۳۳۱ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۱۱۱	العفۃ (پاک دامنی)	تھانہ بھون مکان مولانا تھانوی	۸ رجب ۱۳۳۱ھ
۱۱۲	العزۃ (عزت کی حقیقت اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ)	جلال آباد	۱۰ رجب ۱۳۳۱ھ
۱۱۳	الوقت (وقت کے حقوق)	تھانہ بھون	۱۴ رجب ۱۳۳۱ھ
۱۱۴	الحشر (حشر کے احکام)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۹ رجب ۱۳۳۱ھ
۱۱۵	شعبان (فضائل شب برأت)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۳ شعبان ۱۳۳۱ھ
۱۱۶	الصوم (روزہ کی فضیلت)	نکوڑ ضلع سہارنپور	۱۴ شعبان ۱۳۳۱ھ
۱۱۷	الحشر	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۹ رمضان ۱۳۳۱ھ
۱۱۸	الحج (تحقیق حج)	جامع مسجد تھانہ بھون	۳ شوال ۱۳۳۱ھ
۱۱۹	الذکر (ذکر الٰہی کی حقیقت)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۷ شوال ۱۳۳۱ھ
۱۲۰	الصبر (صبر کے معنی)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۴ شوال ۱۳۳۱ھ
۱۲۱	الخلط (ملے جلے اعمال)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ
۱۲۲	السوال (دینی مسائل پوچھنے کے آداب)	بعد وتخانہ حضرت مولانا	۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ
۱۲۳	الضحایا (قربانیاں)	جامع مسجد تھانہ بھون	۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ
۱۲۴	حفظ اللسان (زبان کی حفاظت)	چرتھاول ضلع مظفرنگر	۱۳۳۱ھ
۱۲۵	الظلم (ظلم کی تعریف)	جلال آباد	۲۰ محرم ۱۳۳۲ھ
۱۲۶	المجاہدہ (مجاہدہ کی حقیقت)	مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور	۲ صفر ۱۳۳۲ھ
۱۲۷	النجاح (حقیقی کامیابی)	تھانہ بھون	۶ صفر ۱۳۳۲ھ
۱۲۸	الاستغفار (استغفار کی حقیقت)	جامع مسجد سہارنپور	۱۱ صفر ۱۳۳۲ھ
۱۲۹	الغضب (غصہ اور اس کا علاج)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۵ صفر ۱۳۳۲ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۱۳۰	الطہور	جامع مسجد تھانہ بھون	۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
۱۳۱	مظاہر الاحوال	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ
۱۳۲	الاتفاق (اتفاق کی حقیقت)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
۱۳۳	الاسرور (حقیقی خوشی)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
۱۳۴	الدنیا (حب دنیا کی ذمت)	تھانہ بھون	۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
۱۳۵	الخیانت (خیانت کی تعریف)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
۱۳۶	الحضور لامور الصدور (حضور ﷺ کے نور کی برکت)	جامع مسجد تھانہ بھون	۷ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ
۱۳۷	السوق لاہل الشوق	شاہی مسجد مراد آباد	۲۲ شعبان ۱۳۳۲ھ
۱۳۸	التہذیب (۱) (اصلاح نفس کا طریقہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۹ شعبان ۱۳۳۲ھ
۱۳۹	التہذیب (۲) (اصلاح نفس کا طریقہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۷ رمضان ۱۳۳۲ھ
۱۴۰	التہذیب (۳) (اصلاح نفس کا طریقہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۴ رمضان ۱۳۳۲ھ
۱۴۱	التہذیب (۴) (اصلاح نفس کا طریقہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۱ رمضان ۱۳۳۲ھ
۱۴۲	التہذیب (۵) (اصلاح نفس کا طریقہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۸ رمضان ۱۳۳۲ھ
۱۴۳	التہذیب (۶) (اصلاح نفس کا طریقہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۶ شوال ۱۳۳۲ھ
۱۴۴	المباح (جائز کام)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ
۱۴۵	التبشیر (خوشخبری)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ
۱۴۶	دعاء (دعا کی حقیقت)	میرٹھ	۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ
۱۴۷	نور الصدور (سینوں کا نور)	مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون	رمضان ۱۳۳۳ھ
۱۴۸	روح الصیام (روزہ کی روح)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲ رمضان ۱۳۳۳ھ
۱۴۹	روح القیام (تراویح کی روح)	جامع مسجد تھانہ بھون	۹ رمضان ۱۳۳۳ھ
۱۵۰	روح الجوار (اعتکاف کی روح)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۶ رمضان ۱۳۳۳ھ
۱۵۱	روح الافطار (حقیقی افطار)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۳ رمضان ۱۳۳۳ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۱۵۲	روح الارواح (قربانی کی حقیقت)	جامع مسجد تھانہ بھون	۵ شوال ۱۳۳۳ھ
۱۵۳	روح العج والثج (حج وقربانی کی روح)	جامع مسجد تھانہ بھون	۸ شوال ۱۳۳۳ھ
۱۵۴	علاج الحرص (حرص کا علاج)	تھانہ بھون	۹ شوال ۱۳۳۳ھ
۱۵۵	احسان الاسلام (اسلام کی خوبی)	جامع مسجد کانپور	۱۰ محرم ۱۳۳۴ھ
۱۵۶	دواء الضیق (تنگی کا علاج)	کانپور	۱۲ محرم ۱۳۳۴ھ
۱۵۷	اسباب الفضائل	جامع مسجد دیوبند	۹ صفر ۱۳۳۴ھ
۱۵۸	راحت القلوب (دلوں کا سکون)	جامع مسجد جلال آباد	۲۳ صفر ۱۳۳۴ھ
۱۵۹	جلاء القلوب (تزکیہ قلوب)	میرٹھ	۳ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ
۱۶۰	حیات المحدوب	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ
۱۶۱	راس الربیعین (ربیع الاول اور ربیع الثانی کے احکام)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ
۱۶۲	الحبور لنور الصدور (حضور اکرم ﷺ کے تبرکات)	جامع مسجد تھانہ بھون	۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ
۱۶۳	رجاء الغیوب ملقب بہ صبح امید (خداوند قدوس سے امید رحمت رکھنے کے صحیح معنی ومفہوم)	کاندھلہ ضلع میرٹھ	۳ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ
۱۶۴	دواء العیوب ملقب بہ شام خورشید	صدر بازار میرٹھ	۴ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ
۱۶۵	رفع الموانع (موانع طریق اوران کا ازالہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ
۱۶۶	الخضوع (عاجزی کی حقیقت)	قصبہ کاندھلہ	۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ
۱۶۷	الضرورۃ (دنیا وآخرت کی چاہت کی حد)	جامع مسجد مرادآباد	۵ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۱۸۴	منازعۃ الہویٰ (خواہشات نفس سے احتراز)	میرٹھ	۲۳ رجب ۱۳۳۵ھ
۱۸۵	تفصیل الذکر (ذکر کی حقیقت اور اس کی اقسام)	میرٹھ	۲۵ رجب ۱۳۳۵ھ
۱۸۶	مظاہر الاموال (مال کی حقیقت)	مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور	شعبان ۱۳۳۵ھ
۱۸۷	علو العباد	مدرسہ عبدالرب دہلی	۱۹ شعبان ۱۳۳۵ھ
۱۸۸	عود العید (احکام عید)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۹ رمضان ۱۳۳۵ھ
۱۸۹	سلوۃ الحزین (فضائل صبر)	جلال آباد	۲۱ شوال ۱۳۳۵ھ
۱۹۰	اعانۃ النافع (نفع رساں کی مدد)	تھانہ بھون	۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ
۱۹۱	سنت ابراہیم (قربانی کی حقیقت)	جامع مسجد کیرانہ ضلع مظفرنگر	۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ
۱۹۲	عود العید (عید کی مہک)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ
۱۹۳	تاسیس البنیان	کاندھلہ	۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ
۱۹۴	مفتاح الخیر (بھلائی کی چابی)	جلال آباد	۳ محرم ۱۳۳۶ھ
۱۹۵	تحریم الحرام (ممنوعات محرم)	کاندھلہ	۸ محرم ۱۳۳۶ھ
۱۹۶	الظاہر (اعمال ظاہری کی حقیقت)	اوذیرہ شاہ عبدالجلیل صاحب الہ آباد	۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ
۱۹۷	الباطن (اعمال باطنی کی حقیقت)	مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد	۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ
۱۹۸	الکاف (گناہوں سے رکنے کا طریقہ)	کالپی	۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ
۱۹۹	اول الاعمال (توبہ اول الاعمال ہے)	کوٹھی فیاض محمد کانپور	۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ
۲۰۰	آخر الاعمال	جامع مسجد کانپور	۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۲۰۱	اصل العبادۃ (عبادت کی حقیقت)	جامع مسجد کیرانہ	۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ
۲۰۲	مظاہر الاحوال (حال کی تعریف اور طریقہ تحصیل)	جامع مسجد سہارنپور	جمادی الاول ۱۳۳۶ھ
۲۰۳	الاعتصام بحبل اللہ (اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو)	مظفرنگر	۱۲ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ
۲۰۴	مظاہر الاقوال (اقوال کی حقیقت)	جامع مسجد سہارنپور	۱۰ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ
۲۰۵	انوار السراج (حضور اکرم ﷺ کے انوار)	تھانہ بھون	۲۰ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ
۲۰۶	شکر المثنوی (کلمات تشکر بموقع شرح مثنوی)	مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون	۳ شعبان ۱۳۳۶ھ
۲۰۷	شعبان فی الشعبان (ماہ شعبان کے احکام)	تھانہ بھون	۵ شعبان ۱۳۳۶ھ
۲۰۸	شب مبارک (مبارک رات)	تھانہ بھون	۱۳ شعبان ۱۳۳۶ھ
۲۰۹	السوق لاہل الشوق (ترغیب علم و احوال دوزخ و جنت)	شاہی مسجد مرادآباد	۲۲ شعبان ۱۳۳۶ھ
۲۱۰	ثلاث رمضان (رمضان کی تین مباحث)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۰ رمضان ۱۳۳۶ھ
۲۱۱	العتق من النیران فی رمضان (رمضان میں جہنم سے رہائی)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۵ رمضان ۱۳۳۶ھ
۲۱۲	السوال فی شوال (ماہ شوال میں ایک سوال)	جامع مسجد تھانہ بھون	۹ شوال ۱۳۳۶ھ
۲۱۳	نشر الرحمۃ (رحمت عام)	عیدگاہ تھانہ بھون	۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ
۲۱۴	شکر العطاء (انعامات خداوندی پر شکر)	جامع مسجد تھانہ بھون	۷ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ
۲۱۵	الشریعۃ (شریعت کی حقیقت)	پٹکاپور کانپور	۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ
۲۱۶	تکمیل الاجر (نیکی کا حصول)	کیرانہ	۲۶ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۲۱۷	الجلاء للابتلاء (مصائب کے اسباب علاج اور ان کے فوائد)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۶ محرم ۱۳۳۷ھ
۲۱۸	طریق القلندر (درویش کا راستہ)	درگاہ قلندر صاحب پانی پت	۲۵ صفر ۱۳۳۷ھ
۲۱۹	کساء النساء (عورتوں کا لباس)	درگاہ پانی پت	۲۷ صفر ۱۳۳۷ھ
۲۲۰	الامتحان (آزمائش)	جامع مسجد کانپور	یکم ربیع الاول ۱۳۳۷ھ
۲۲۱	خیر الاثاث للاناث (عورتوں کے لیے بہترین اسباب)	کانپور	۲ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ
۲۲۲	خیر المال للرجال (مردوں کے لئے بہترین دولت)	جامع مسجد کانپور	۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ
۲۲۳	المریح فی الریح (رہن سہن کا طریقہ)	جامع مسجد کانپور	۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ
۲۲۴	العاقلات الغافلات (بھولی بھالی عورتیں)	گورکھپور	۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ
۲۲۵	شکر النعمۃ (انعامات الٰہی کا شکریہ)	جامع مسجد تھانہ بھون	۷ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ
۲۲۶	الصلوٰۃ (نماز کی اہمیت و افادیت)	مسجد ٹیلہ لکھنؤ	۱۱ رجب ۱۳۳۷ھ
۲۲۷	الحیوٰۃ (حقیقی زندگی)	کاکوری	۱۲ رجب ۱۳۳۷ھ
۲۲۸	احکام المال (مال کے احکام)	کاکوری	۱۳ رجب ۱۳۳۷ھ
۲۲۹	احکام الجاہ (اقتدار کے احکام)	بارہ بنکی	۱۵ رجب ۱۳۳۷ھ
۲۳۰	الھویٰ والھدیٰ (ہوائے نفسانی و ہدایت ربانی کا بیان)	الہ آباد	۲۵ رجب ۱۳۳۷ھ
۲۳۱	اصلاح الیتامیٰ (یتیموں کی اصلاح)	یتیم خانہ کانپور	۵ شعبان ۱۳۳۷ھ
۲۳۲	دار السعود (خوش قسمتوں کا گھر)	گڑھی منڈا ضلع مظفر نگر	۱۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۲۳۳	العبد الربانی (اللہ والا بننے کا طریقہ)	مدرسہ عبدالرب دہلی	۱۹ شعبان ۱۳۳۷ھ
۲۳۴	رجاء اللقاء (اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید)	کیرانہ	۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ
۲۳۵	الحج المبرور (حج مقبول کا طریقہ)	بمبئی	۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ
۲۳۶	ملۃ ابراہیم	سورتی جامع مسجد رنگون	۹ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ
۲۳۷	الصوم (روزہ کی فضیلت)	ننگوڑ ضلع سہارنپور	۱۳ شعبان ۱۳۳۸ھ
۲۳۸	رمضان فی رمضان (رمضان المبارک کے انوار و برکات)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۳ شعبان ۱۳۳۸ھ
۲۳۹	تجدید الامثال بتجدید الاعمال	تھانہ بھون	شوال ۱۳۳۸ھ
۲۴۰	تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال (احوال کی تبدیلی اعمال کی تبدیلی کا ذریعہ ہے)	تھانہ بھون	شوال ۱۳۳۸ھ
۲۴۱	شرائط الطاعۃ (عبادت گزاری کی شرطیں)	جامع مسجد کیرانہ	۲ شوال ۱۳۳۸ھ
۲۴۲	آثار المرابع	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ
۲۴۳	تحقیق الشکر (شکر کی حقیقت کہ وہ صرف زبان سے ہی ادا نہیں ہوتا)	تھانہ بھون	۲۴ محرم ۱۳۳۹ھ
۲۴۴	حقوق المعاشرت (معاشرت کے حقوق)	تھانہ بھون	۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ
۲۴۵	ارضاء الحق (حصہ اول)	جامع مسجد تھانہ بھون	۷ جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ
۲۴۶	الشریعت (شریعت کی حقیقت)	کانپور	۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ
۲۴۷	المراقبہ	تھانہ بھون	۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ
۲۴۸	کوثر العلوم (زیادتی علم کے فوائد کثیرہ)	مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور	۷ محرم ۱۳۴۰ھ
۲۴۹	التخویف بمراقبۃ الموت	تھانہ بھون	۲۴ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۲۵۰	الاستقامت (استقامت کی ضرورت اور اس کی حقیقت)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۵ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ
۲۵۱	عمل الشکر (شکر کا طریقہ)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۲ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ
۲۵۲	ترک مالا یعنی (بے کار کاموں سے احتراز)	میرٹھ	۱۹ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ
۲۵۳	تعمیم التعلیم (تعلیم کو عام اور وسیع کرنا چاہیے)	سروٹ ضلع مظفر نگر	۲۱ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ
۲۵۴	الصبر والصلوٰۃ (صبر ونماز کی حقیقت)	سروٹ ضلع مظفر نگر	۲۲ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ
۲۵۵	البصیر بالبشیر	بکھرا ضلع اعظم گڑھ	۲۶ رجب ۱۳۴۰ھ
۲۵۶	اجابۃ الداعی (رسول اللہ ﷺ کا کہنا ماننا)	بکھرا ضلع اعظم گڑھ	۲۶ رجب ۱۳۴۰ھ
۲۵۷	الباب لاولی الالباب (عقل مندوں کے لیے راہ ہدایت)	سرائے میر ضلع اعظم گڑھ	یکم شعبان ۱۳۴۰ھ
۲۵۸	حرمات الحدود (احکام شرعیہ میں حدود کی رعایت)	جامع مسجد جونپور	۸ شعبان ۱۳۴۰ھ
۲۵۹	ترجیح الآخرۃ (آخرت کی فضیلت)	الہ آباد	۱۰ شعبان ۱۳۴۰ھ
۲۶۰	تعظیم العلم مع تقسیم العلم (علم دین کی ضرورت اور اس کی اقسام)	مدرسہ مولوی عبدالرب دہلی	۱۷ شعبان ۱۳۴۰ھ
۲۶۱	تقلیل الطعام بصورۃ الصیام (رمضان میں کھانے میں کمی کی صورت)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	رمضان ۱۳۴۰ھ
۲۶۲	تقلیل المنام بصورۃ القیام (تراویح کی وجہ سے کم سونا)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	رمضان ۱۳۴۰ھ
۲۶۳	تقلیل الکلام (رمضان میں فضول گفتگو میں کمی کی صورت)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۲۱ رمضان ۱۳۴۰ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۲۶۴	تفضیل الاختلاط مع اللئام (رمضان میں فضول ملاقاتوں سے احتراز)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۲۱ رمضان ۱۳۳۰ھ
۲۶۵	تحصیل المرام فی صورۃ حج بیت الحرام (حج بیت اللہ کے ذریعے مرام کا حصول)	جامع مسجد تھانہ بھون	۵ شوال ۱۳۳۰ھ
۲۶۶	الاسلام الحقیقی (اسلام کی تعریف اور اس کی حقیقت)	سروٹ ضلع مظفر نگر	۱۱ شوال ۱۳۳۰ھ
۲۶۷	الصالحون (نیک بننے کا طریقہ)	جامع مسجد خورجہ ضلع بلند شہر	۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ
۲۶۸	تکمیل الانعام فی صورۃ ذبح الانعام (قربانی کمال عبادت ہے)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ
۲۶۹	الکمال فی الدین (للرجال) (مردوں کے لیے دین میں درجہ کمال)	دہلی	۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ
۲۷۰	الکمال فی الدین (للنساء) (عورتوں کے لیے دین میں درجہ کمال)	دہلی	۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ
۲۷۱	التعمیم لتعلیم القرآن الکریم (تعلیم قرآن کی تکمیل)	پانی پت	۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ
۲۷۲	تخریب الدنیا (دنیا میں مثل مسافر کے قیام)	تھانہ بھون	۲۳ محرم ۱۳۳۱ھ
۲۷۳	الفضل العظیم (علم دین کی فضیلت و ضرورت)	ریاست رامپور	۲۳ صفر ۱۳۳۱ھ
۲۷۴	درجات الاسلام (اسلام کے درجات)	جامع مسجد میرٹھ	۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ
۲۷۵	الاقتصاد والاقتصار (اصلاح کرنے کا طریقہ)	مظفر نگر	۸ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۲۷۶	آثار الحوبہ فی اسرار التوبہ (گناہ کے نقصانات اور توبہ کے فوائد)	تھانہ بھون	یکم جمادی الاول ۱۳۳۱ھ
۲۷۷	نقد اللبیب فی عقد الحبیب (شادی کی رسموں کی زیاتی)	پولیس لین کوٹہ	۷ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ
۲۷۸	شرط التذکیر (علم و عمل کے حصول کا طریقہ)	راجپورہ ریاست پٹیالہ	۱۴ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ
۲۷۹	شفاء العی (مرض جہالت کا علاج)	انبالہ	۱۷ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ
۲۸۰	المودۃ الرحمانیہ (ایمان اور عمل صالح کا ثمرہ محبت الٰہی ہے)	جلال آباد	۲۵ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ
۲۸۱	ادب الطریق (آداب سلوک)	قصبہ گوالا رشاہ پور	جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ
۲۸۲	الباقی (دائمی انعامات)	تھانہ بھون	یکم رجب ۱۳۳۱ھ
۲۸۳	زکوٰۃ النفس (نفس کی زکوٰۃ)	تھانہ بھون	۱۵ رجب ۱۳۳۱ھ
۲۸۴	دواء الغفلۃ (غفلت کا علاج)	خورجہ ضلع بلند شہر	۱۸ رجب ۱۳۳۱ھ
۲۸۵	ضرورت التبلیغ (دعوت تبلیغ کی ضرورت)	کانپور	۲۰ رجب ۱۳۳۱ھ
۲۸۶	اشرف العلوم (فضائل علم دین)	مدرسہ اشرف العلوم کانپور	۲۲ رجب ۱۳۳۱ھ
۲۸۷	الصلاح والاصلاح (اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی فکر)	اشرف منزل کانپور	۳۰ رجب ۱۳۳۱ھ
۲۸۸	الدعوۃ الی اللہ (آداب تبلیغ)	یتیم خانہ اسلامیہ کانپور	یکم شعبان ۱۳۳۱ھ
۲۸۹	الیسر مع العسر (تنگی کے بعد فراخی)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۱ شعبان ۱۳۳۱ھ
۲۹۰	العلم والخشیۃ (فضیلت علم اور خشیت خداوندی)	مدرسہ عبدالرب دہلی	۲۰ شعبان ۱۳۳۱ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۲۹۱	الصیام (رمضان میں شب بیداری کی فضیلت)	جامع مسجد تھانہ بھون	ماہ رمضان ۱۳۳۱ھ
۲۹۲	اتمام الصیام بلا الفرام (حصہ اول)	جامع مسجد تھانہ بھون	۲۳ رمضان ۱۳۳۱ھ
۲۹۳	التواصی بالحق (تبلیغ حقائد)	مظفر نگر	۵ شوال ۱۳۳۱ھ
۲۹۴	التواصی بالصبر (تبلیغ اعمال)	مظفر نگر	۷ شوال ۱۳۳۱ھ
۲۹۵	نمی من الاسلام (اسلام کی خوبیاں)	پیجولی ضلع میرٹھ	۱۰ شوال ۱۳۳۱ھ
۲۹۶	الاتمام لنعمۃ الاسلام (حصہ اول) (سب سے بڑی نعمت اسلام ہے)	ریواڑی	۲۰ شوال ۱۳۳۱ھ
۲۹۷	الاتمام لنعمۃ الاسلام (حصہ دوم) (سب سے بڑی نعمت اسلام ہے)	نارنول	۲۲ شوال ۱۳۳۱ھ
۲۹۸	الاتمام لنعمۃ الاسلام (حصہ سوم) (سب سے بڑی نعمت اسلام ہے)	ریاست الور	۲۳ شوال ۱۳۳۱ھ
۲۹۹	انفاق المحبوب (پسندیدہ چیز صدقہ)	تھانہ بھون	۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ
۳۰۰	بالاوفرق (بھائی چارہ)	جلال آباد	۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ
۳۰۱	ارضاء الحق (زبان کی حفاظت)	تھانہ بھون	۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ
۳۰۲	آداب التبلیغ (تبلیغ کے آداب)	دارالعلوم دیوبند	۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ
۳۰۳	العبادہ (حقیقت عبادت)	حیدرآباد دکن	۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ
۳۰۴	آثار العبادہ (ثمرات عبادت)	حیدرآباد دکن	۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ
۳۰۵	اسرار العبادہ (عبادت کی حقیقت)	حیدرآباد دکن	۴ محرم ۱۳۳۲ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۳۰۶	حقیقۃ الصبر (مصیبت پر صبر کی حقیقت)	تھانہ بھون	۲۲ محرم ۱۳۳۲ھ
۳۰۷	ما علیہ الصبر (صبر کے مواقع)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۲۶ محرم ۱۳۳۲ھ
۳۰۸	ایواء الیتامیٰ (یتیموں کی دیکھ بھال)	یتیم خانہ دہلی	۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
۳۰۹	الہدیٰ والمغفرہ (ہدایت و مغفرت)	سروٹ ضلع مظفر نگر	۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ
۳۱۰	وعظ میرٹھ	میرٹھ	۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ
۳۱۱	الرفع والوضع (حقیقت معراج)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۹ رجب ۱۳۳۲ھ
۳۱۲	الاسعاد والابعاد (نیک بختی و بدبختی)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۳ شعبان ۱۳۳۲ھ
۳۱۳	الدنیا والآخرہ (دنیا و آخرت کی حقیقت)	قصاب پورہ دہلی	۱۸ شعبان ۱۳۳۲ھ
۳۱۴	العبرۃ بذبح البقرہ (قربانی کی حقیقت)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ
۳۱۵	الاکرمیہ بالاعملیہ والاعالمیہ	تھانہ بھون	۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ
۳۱۶	مراقبۃ الارض (مراقبہ موت)	تھانہ بھون	۶ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ
۳۱۷	خیر الارشاد فی حقوق العباد (حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اہتمام)	جلال آباد	۲۳ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ
۳۱۸	الوصل والفصل	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۳ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ
۳۱۹	المعرق والرحیق للحریق والغریق (سالکین کی دو پسندیدہ کیفیتیں)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۲ رجب ۱۳۳۳ھ
۳۲۰	اجر الصیام (حصہ دوم) (روزہ کا فائدہ)	تھانہ بھون	۱۷ رمضان ۱۳۳۳ھ
۳۲۱	علاج الحرص (حرص کا علاج)	تھانہ بھون	۹ شوال ۱۳۳۳ھ
۳۲۲	اصلاح ذات البین (باہمی تعلقات کی درستگی)	جلال آباد	۳ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ و سال
۳۳۶	الدوام علی الاسلام (احکام اسلام پر ثابت قدمی)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۶ شوال ۱۳۳۵ھ
۳۳۷	جمال الجلیل (اللہ تعالیٰ کی رحمتیں)	بدولت خانہ مولانا تھانویؒ	۲۱ شوال ۱۳۳۵ھ
۳۳۸	ہم الآخرۃ (آخرت کی فکر)	بدولت خانہ مولانا تھانویؒ	۵ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ
۳۳۹	الرحیل الی الخلیل	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ
۳۴۰	سبیل السعید (نیک راہ)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۳ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ
۳۴۱	احتیاج علماء (علماء کی بیوی)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۳ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ
۳۴۲	الاجر الجلیل فی الصبر الجلیل	تھانہ بھون	۲۳ شعبان ۱۳۳۶ھ
۳۴۳	التحصیل والتسہیل مع التکمیل والتعدیل (احکام شریعت کی پابندی اور سہولت سے بجا لانے کا طریقہ)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۲۳ رمضان ۱۳۳۶ھ
۳۴۴	الارتیاب والاغتیاب (بدگمانی اور غیبت)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۳ شوال ۱۳۳۶ھ
۳۴۵	الاصابۃ فی معنی الاجابۃ (قبولیت دعا کی حقیقت)	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۸ شوال ۱۳۳۶ھ
۳۴۶	انفاق المحبوب لارضاء المطلوب (رضاء الٰہی کے لیے اپنی پسندیدہ اشیاء کو خیرات کرو)	مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون	۲۰ شوال ۱۳۳۶ھ
۳۴۷	الفصل والانفصال فی الفعل والانفعال (افعال اختیاریہ و غیر اختیاریہ کے احکام)	تھانہ بھون	۲۲ شوال ۱۳۳۶ھ
۳۴۸	ارضاء الحق (حصہ دوم) (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا طریقہ)	امداد العلوم تھانہ بھون	۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ
۳۴۹	الغالب للطالب	تھانہ بھون	۲۶ محرم ۱۳۳۷ھ
۳۵۰	التزاحم فی التراحم	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	۱۱ صفر ۱۳۳۷ھ

نمبر شمار	عنوان وعظ	مقام	تاریخ مع ماہ وسال
۳۶۵	شکر السوانح (کلمات تشکر بموقع تالیف اشرف السوانح)	تھانہ بھون	ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ
۳۶۶	احسان التدبیر (قرآن تدبیری)	جامع مسجد تھانہ بھون	۱۹ رجب ۱۳۵۷ھ
۳۶۷	تذکیر الآخرۃ (قرأت فی رمضان)	جلسہ موتمر الانصار میرٹھ	۱۷ اپریل ۱۹۱۲ء
۳۶۸	رعایۃ الامت وبراءۃ الملت	جلسہ موتمر الانصار میرٹھ	۱۶ اپریل ۱۹۱۲ء

نمبر	عنوان	نمبر	عنوان
۳۶۹	تحریر الحکمت	۳۸۶	الشعبان
۳۷۰	اعانۃ التقوی	۳۸۷	نظام الحدیث
۳۷۱	تجدید امثال بعد زوال الکمال	۳۸۸	احدی الحسنین
۳۷۲	تحدید امثال	۳۸۹	الفقر
۳۷۳	جمال یوسف	۳۹۰	الہوی والہدی
۳۷۴	الاخوان	۳۹۱	برکت النکاح
۳۷۵	روزہ مبارک	۳۹۲	الدعوی
۳۷۶	الارادہ	۳۹۳	الحق
۳۷۷	ایفاء العہد	۳۹۳	آداب العزت
۳۷۸	الولایت		
۳۷۹	السکن	۳۹۶	العوائق الفاسدہ
۳۸۰	الکسبات	۳۹۷	حفظ الحدود
۳۸۱	الحاجات	۳۹۸	تحریر العید
۳۸۲	الجلال والجمال	۳۹۹	اتقان الحجۃ فی الفتاوی

فصل ششم

مولانا تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ سے منتخب مضامین کے مجموعے بالترتیب حروف تہجی

الف

نمبر شمار	نام کتاب	پبلشر
۱	اصلاح اعمال	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲	اصلاح ظواہر	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۳	اصلاح باطن	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۴	اصلاح النساء	مشتاق بک کارنر لاہور
۵	اصلاحی ارشادات	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۶	اصلاح نفس کا آسان طریقہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۷	آداب انسانیت	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۸	آداب تقریر و تصنیف	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۹	اشرفی بکھرے موتی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۰	اشرف المواعظ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۱	اشرف العملیات	مکتبہ رحمانیہ لاہور
۱۲	اشرف الامثال	ادارہ تالیفات اشرفیہ لندن آباد بہاولنگر
۱۳	اشرف اللطائف	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

نمبر شمار	نام کتاب	پبلشر
۱۴	اشرف انصاب	مکتبہ اشرفیہ (گولی مار) کراچی
۱۵	اشرف المقالات (۳ جلد)	مجلس صیانت المسلمین لاہور
۱۶	اشرف الاشعار	ادارہ غفوریہ شاہ فیصل کالونی کراچی
۱۷	اشرف الحکایات	ادارہ غفوریہ شاہ فیصل کالونی کراچی
۱۸	احکام طلاق ونظام شرعی عدالت	الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور
۱۹	احکام شریعت میں مصالح کی تلاش	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۰	احکام المسجد	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۱	احکام زکوٰۃ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۲	اسلام اور عقلیات	ادارہ اسلامیات لاہور
۲۳	اسلام کی تعلیمات اعتدال	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد بہاولنگر
۲۴	اسلام میں جمہوریت کا تصور	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۵	اسلام اور ترقی	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۶	اسلام سب کی ضرورت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۷	اسلام کے آداب معاشرت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۸	اسلامی تہذیب اور آداب زندگی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۹	اسلامی تہذیب	مکی دار الکتاب اردو بازار لاہور
۳۰	اسلامی دولہا واسلامی دلہن	دار الفلاح ملتان
۳۱	اسلامی شادی	دار الاشاعت کراچی
۳۲	اسلام میں پردہ کی حقیقت	مکتبہ خلیل لاہور
۳۳	اسلامی عقائد کی تفصیل	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۳۴	اسلام اور سیاست	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

نمبر شمار	نام کتاب	ناشر
۳۵	اسلامی زندگی کے چار اصول	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۳۶	اپنی جان کے حقوق ادا کرو	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۳۷	اسراف اور اس کا علاج	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۳۸	اسماء ربانی (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام)	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۳۹	اللہ تعالیٰ کا مہینہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۴۰	اعمال کا بدلہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۴۱	اعمال و عبادات	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۴۲	احادیث شریف	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۴۳	ارشادات حکیم الامت	مکتبہ نور مظہری کراچی
۴۴	الفاظ قرآن	جاوید پبلشرز لاہور
۴۵	اشرف عجوبہ مع خرابیہ ذبابات	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۴۶	القول البدیع	اشرف العلوم دیوبند ضلع سہارنپور
۴۷	التلخیصات العشر	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۴۸	ایمان افروز باتیں	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۴۹	آرام وطیفہ کا کام	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۵۰	ارتداد کے زمانے میں اسلام کی تبلیغ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۵۱	آیات حکمت	
۵۲	التشاء	
۵۳	اخلاق ذمیمہ اور ان کا علاج	
۵۴	وصل الوصول	

نمبر شمار	نام کتاب	ناشر
۵۵	اشرف الصلوات	
۵٦	اشرف البیان فی علوم الحدیث والقرآن	
۵۷	اشرف المسائل من المواعظ والرسائل	
۵۸	اشرف الآداب	

ب - پ - ت

نمبر شمار	نام کتاب	ناشر
۵۹	بدعت کی حقیقت اور اس کے احکام ومسائل	ادارہ اسلامیات لاہور
٦٠	برکات رمضان	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
٦١	بہترین جہیز	صدیقی ٹرسٹ کراچی
٦٢	بصائر حکیم الامت	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
٦٣	بے پردہ جنتی خواتین	ادارہ نشر العارف ملتان
٦٣	پردے کے شرعی احکام	ادارہ اسلامیات لاہور
٦۵	پیری مریدی کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
٦٦	تجدید تعلیم وتبلیغ	ادارہ اسلامیات لاہور
٦۷	تجدید تصوف وسلوک	ادارہ اسلامیات لاہور
٦۸	تجدید معاشیات	ادارہ اسلامیات لاہور
٦۹	تسہیل شرح حیات المسلمین	دار الاشاعت کراچی
۷٠	تدبیر وتقدیر	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۷١	تحسین جمع مواعظ	ادارہ اسلامیات لاہور
۷٢	تسلیم ورضا	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۷٣	تحفۃ العلماء (٢ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

۷۴	تحفۃ النساء (تحفہ شادی)	دارالاشاعت کراچی
۷۵	تحفہ زوجین	دارالاشاعت کراچی
۷۶	تحفہ رمضان المبارک	دارالاشاعت کراچی
۷۷	تاریخ اسلام کی خواتین	دارالاشاعت کراچی
۷۸	تسہیل المواعظ (۲ جلد)	مکتبہ رحمانیہ لاہور
۷۹	تدبیر وتوکل	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۸۰	تہذیب الاخلاق (کامل)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد بہاولنگر
۸۱	تہذیب انسانیت	حاجی امداد اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ
۸۲	توبہ اور اس کی ضروریات	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۸۳	ترویج اور اسکے احکام ومسائل	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۸۴	تلخیص مواعظ اشرفیہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۸۵	تعویذات، دم، فال اور شگون	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۸۶	تحقیق مسئلہ حجاب	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۸۷	تجوید قرآن شریف	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۸۸	تیمم اور مسح کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۸۹	تربیت اولاد	عمر پبلی کیشنز لاہور
۹۰	تلخیص درس قرآن	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۹۱	تسہیل شدہ تعلیم الدین	دارالاشاعت کراچی
۹۲	تسہیل شوق وطن	ادارہ اسلامیات لاہور
۹۳	تلخیص بیان القرآن	
۹۴	تسہیل نشر الطیب	

۹۵	تفسیر المواعظ	
	ج ۔ چ ۔ ح ۔ خ	
۹۶	جامع المجددین	ادارہ اسلامیات لاہور
۹۷	جہاد	کتب خانہ امدادیہ کراچی نمبر ۱۹
۹۸	جزاوسزا	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۹۹	جلاء القلوب و اشرف العلوم	جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور
۱۰۰	جمعہ کے احکام و فضائل	مکتبہ قاسم العلوم کراچی
۱۰۱	جواہر اشرفیہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۰۲	جمال القرآن (جدید)	مکتبہ رشیدیہ کراچی
۱۰۳	جواہرات سیرت (۲ جلد)	مکتبہ الحسن لاہور
۱۰۴	چندہ کے شرعی احکام	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۰۵	حکیم الامتؒ کے حیرت انگیز واقعات	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۰۶	حضرت حکیم الامتؒ کا حضرات علماء، طلباء، صوفیا، مفتی صاحبان اور سالکین سے خطاب	ادارہ تالیفات الاشرفیہ ہارون آباد بہاولنگر
۱۰۷	حقیقت عبادت	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۰۸	حقیقت تصوف و تقویٰ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۰۹	حقیقت مال و جاہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۱۰	حقانیت اسلام	مکتبہ اشرفیہ لاہور

نمبر	نام کتاب	ناشر
۱۱۱	حقوق الزوجین	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۱۲	حقوق وفرائض	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۱۳	حدود وقیود	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۱۴	حضرات صحابہ کرام کے واقعات	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۱۵	حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات	دارالاشاعت کراچی
۱۱۶	حضرت تھانوی کے ۳۲ مواعظ کا انگریزی ترجمہ	جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور
۱۱۷	حلال مال طلب کرنے کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۱۸	حقیقت توبہ و مواعظات	
۱۱۹	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے نصائح	
۱۲۰	خطبات حکیم الامت تھانوی (۳۰۰ سے زائد خطبات ۳۲ جلد)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۲۱	خدا اور رسول ﷺ سے محبت	مجلس صیانۃ المسلمین لاہور
۱۲۲	خیرالاعمال	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۲۳	خوابوں کی شرعی حقیقت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۲۴	خرید وفروخت کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۲۵	خلافت راشدہ	ادارہ اشرف التحقیق لاہور
۱۲۶	خطبات میلاد النبی (ﷺ)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۲۷	خلاصہ سوانح اشرفیہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر

د ـ ذ ـ ر ـ ز

نمبر	نام کتاب	ناشر
۱۲۸	دینی دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

۱۲۹	دینی مسائل	رابعہ بک ہاؤس لاہور
۱۳۰	دین و دنیا	مکتبہ اشرفیہ لاہور
۱۳۱	دین کا سیکھنا اور سکھانا ہر مسلمان کا فرض ہے	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۳۲	دین میں نئی باتیں پیدا کرنا	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۳۳	دنیا و آخرت	ادارہ اسلامیات لاہور
۱۳۴	دعا کی اہمیت	مجلس صیانۃ المسلمین لاہور
۱۳۵	دم تعویذ اور فال کی شرعی حیثیت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۳۶	دستور العمل	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۳۷	دو چیزوں پر جنت کی ضمانت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۳۸	داڑھی منڈوانا گناہ کبیرہ ہے	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۳۹	دوائے دل	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۴۰	دعوت و تبلیغ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۴۱	درسی بہشتی زیور	شمع بک ایجنسی لاہور
۱۴۲	دعوات عبدیت (۵ جلدیں)	مکتبہ تھانوی کراچی
۱۴۳	ذکر و فکر	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۴۴	ذکر الرسول ﷺ	ادارہ ضیاء العلوم جامع مسجد دیوبند
۱۴۵	ذخیرہ شرعی معلومات	احمد اکیڈمی لاہور
۱۴۶	رسول اللہ ﷺ کی ۸۰ سنتیں	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۴۷	رحمت دو عالم ﷺ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۴۸	رسائل حکیم الامت حضرت تھانویؒ (۱۲ رسائل)	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۴۹	رسالہ حقیقت تصوف	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۵۰	راہ نجات	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

۱۵۱	رشوت اور اکل حلال	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۵۲	روحانی تحفہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۵۳	رمضان المبارک مجاہدہ کا مہینہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۵۴	روزے کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۵۵	رزق مقدر اور برکت رزق کے شرعی نسخے	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۵۶	زکوٰۃ کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۵۷	سلوک کامل	ادارہ اسلامیات لاہور

س ــ ش ــ ص ــ ض

۱۵۸	سنت ابراہیم علیہ السلام (حج وقربانی)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۵۹	سلوک وتصوف کی حقیقت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۶۰	سبق آموز مزاحیہ حکایات	ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون آبادی بہاولنگر
۱۶۱	سرور کائنات ﷺ کے حقوق امت پر	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۶۲	سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۶۳	سودی لین دین	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۶۴	سکون قلب	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۶۵	شرح اسماء الحسنٰی (خواص وثمرات)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۶۶	شمائل نبوی ﷺ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۶۷	شادی بیاہ کی رسوم	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۶۸	شب قدر اور اس کے فضائل واحکام	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۶۹	صبر	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۷۰	صدقۃ الفطر قربانی اور عقیقہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی

۱۷۱	ضروری مسائل	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۷۲	صحافت اور اس کی شرعی حدود	ادارہ اسلامیات لاہور

ط۔۔ع۔۔غ۔۔ف

۱۷۳	طلاق اور خلع کا بیان اور مسائل	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۷۴	عام فہم منتخب ـــ ایک ہزار احادیث	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۷۵	علاج بالقرآن	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۷۶	عظمت صحابہؓ کا تعارف	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۷۷	عیب جوئی	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۷۸	عورتوں کے لیے اصلاح کا آسان طریقہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۷۹	عدت اور سوگ کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۸۰	عاشورہ اور تعزیہ کی شرعی حیثیت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۸۱	عقائد و تصدیقات	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۸۲	عروس المواعظ	
۱۸۳	عشرۂ اعتکاف اور شب قدر	منشورات منصورہ لاہور
۱۸۴	غلط مسئلے ۱۲۵ (اغلاط العوام)	عمر پبلی کیشنز لاہور
۱۸۵	فضائل علم	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۸۶	فضائل علم و عمل	مکتبہ اشرفیہ لاہور
۱۸۷	فضائل صبر و شکر	مکتبہ اشرفیہ لاہور
۱۸۸	فضائل صوم و صلوٰۃ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۸۹	فکر آخرت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۹۰	فاتحہ یعنی ایصال ثواب کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی

نمبر	نام کتاب	ناشر
۱۹۱	فہرست عنوانات (خطبات حکیم الامت)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۹۲	فہرست مواعظ حکیم الامت	جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور
۱۹۳	فہرست تالیف حکیم الامت	مکتبہ دار العلوم کراچی
۱۹۴	فیضان حافظ	
۱۹۵	فکر اصلاح باطن اور اس کا طریقہ	
	ق ک م	
۱۹۶	قیامت کا احوال	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۹۷	گناہوں سے دنیا میں کیا نقصان پہنچتا ہے	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۱۹۸	معارف حکیم الامت	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۹۹	مآثر حکیم الامت	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۰۰	مطالبہ چندہ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۰۱	مصائب اور ان کا علاج	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۰۲	موت و حیات	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۰۳	مطالبہ گناہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۰۴	محاسن اسلام	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۰۵	مواعظ میلاد النبی ﷺ	مکتبہ اشرفیہ لاہور
۲۰۶	مواعظ حسنہ	دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی
۲۰۷	مواعظ اشرفیہ (۱۱ جلدیں)	مکتبہ اشرفیہ کراچی
۲۰۸	مواعظ حکیم الامت مع عنوانات و حواشی (سلسلہ تبلیغ نمبر ۱ تا ۱۹۵)	جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور ادارہ اشرف التحقیق
۲۰۹	مواعظ التبلیغ	مکتبہ ضیاء العلوم دیوبند
۲۱۰	مواعظ ثلاثہ	کتب خانہ مظہری کراچی

۲۱۱	مرآۃ المواعظ	درجمال پرنٹنگ ورکس دہلی
۲۱۲	مستورات کے خصوصی مسائل	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۱۳	ماہ عید	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۱۴	ماہ رمضان کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۱۵	معلمین قرآن پاک کے لیے ضروری نصائح	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۱۶	مزاج نبوی ﷺ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۱۷	معروف غلط مسائل (اول دوم)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد بہاولنگر
۲۱۸	مقالات تصوف	ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد بہاولنگر
۲۱۹	مریض اور مسافر کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۲۰	منت اور قسم کھانا	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۲۱	مال و دولت کی اہمیت اور اس کے شرعی احکام	دارالفلاح ملتان
۲۲۲	مقام صحابہؓ	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۲۳	مسنون دعائیں	دارالفلاح ملتان
۲۲۴	مبارک مجموعہ وظائف مع پنج سورہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۲۵	ملخص بیان القرآن	

ن ۔ و ۔ ہ

۲۲۶	نظام شریعت	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۲۷	نماز کی پابندی کرنا	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۲۸	نماز کی فضیلت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۲۹	نماز میں وساوس کا علاج	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۳۰	نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۳۱	نیک صحبت کی اہمیت اور اس کی ضرورت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
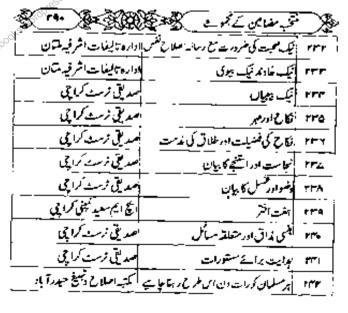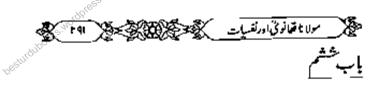
۲۳۲	نیک صحبت کی ضرورت مع رسالہ اصلاح نفس	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۳۳	نیک خاوند نیک بیوی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۳۴	نیک بیبیاں	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۳۵	نکاح اور مہر	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۳۶	نکاح کی فضیلت اور طلاق کی مذمت	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۳۷	نجاست اور استنجے کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۳۸	وضو اور غسل کا بیان	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۳۹	ہشت اختر	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۴۰	ہنسی مذاق اور متعلقہ مسائل	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۴۱	ہدایت برائے مستورات	صدیقی ٹرسٹ کراچی
۲۴۲	ہر مسلمان کو رات دن اس طرح رہنا چاہیے	مکتبہ اصلاح و تبلیغ حیدرآباد

باب ششم

مولانا تھانویؒ اور نفسیات

باب ششم

مولانا تھانویؒ اور نفسیات

گزشتہ اوراق میں مولانا تھانویؒ کے طریقہ اصلاح کی چند نمایاں خصوصیات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہی نمایاں خصوصیات بنیادی حیثیت بھی رکھتے ہیں مثلاً ان کے یہ اصول کہ:

- محبت عقلی کو محبت طبعی پر غالب کرنا چاہیے
- اختیاری پر عمل کرنا چاہیے اور غیر اختیاری کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے
- وسوسہ غیر اختیاری ہے
- نہ اتنا خوف کھائے کہ اپنی جان دیدے اور نہ اتنی امید کہ گناہ پر دلیر ہو جائے
- اصلاح اعمال کے لیے بیعت کا ضروری یا شرط نہ ہونا
- بیعت کرنے میں جن امور کا لحاظ رکھتے تھے
- ادب اور تعظیم کا طریقہ اور ان دونوں میں فرق
- مولانا اپنی مجلس میں کن کن آداب کو اہمیت دیتے تھے
- فیض مناسبت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے
- مناسبت پیدا کرنے کے لیے صحبت کا ضروری ہونا
- مکاتبت کے اصول و آداب
- اپنی تصانیف کے متعلق خود مولانا کی اپنی رائے اور طالبین کو ان تصانیف کے مطالعہ کی تاکید۔

مولانا تھانویؒ کے ان نظریات اور طریقہ ہائے علاج میں ماہرین نفسیات کے لیے بہت زیادہ دلچسپی کا سامان موجود ہے کیونکہ ماہرین نفسیات ذہنی امراض سے بحث کرتے ہیں، امراض کی تشخیص کرتے ہیں پھر علاج کرتے ہیں۔ اسی طرح مولانا تھانویؒ

بھی لوگوں کے ذہنی امراض کی تشخیص کرتے ہیں اور علاج تجویز کرتے ہیں۔

ایک مستقل علم ہونے کی حیثیت سے گو علم نفسیات کی عمر زیادہ نہیں ہے لیکن اس کم عمری کے باوجود اس علم نے مغرب میں برگ و بار پھیلائے ہیں اور وہاں کے ماہرین نفسیات نے اس علم میں بہت ہی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

انہوں نے پہلے تو مفروضے قائم کیے پھر تجربات کی کسوٹی پر پرکھا اور ان تجربات پر اپنے نظریات کی بنیاد رکھی اور پھر علاج تجویز کیا۔

ذیل میں ان چند ماہرین نفسیات کے نظریات اور طریقہ ہائے علاج درج کیے جاتے ہیں جنہوں نے مغرب میں اپنے نظریات و افکار کی بناء پر شہرت پائی اور مفید خدمات انجام دیں۔

لیکن اس سے پہلے چند باتوں کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

❶ اول یہ کہ اس بحث سے مقصود یہ نہیں ہے کہ مولانا تھانویؒ کے طریقہ ہائے اصلاح کی تائید میں ان ماہرین نفسیات کے نظریات کو پیش کیا جائے کیونکہ جو طریقہ کتاب و سنت سے مستفاد ہو اور ان پر مبنی ہو اس کو کسی انسانی نظریہ کی تائید کی ضرورت نہیں۔ دینی حمیت اس امر کو گوارا نہیں کرتی کہ قرآن و سنت کی تائید میں انسانی افکار و نظریات کو پیش کیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت میں بیان کردہ حقائق اپنی صداقت کے لیے انسانی نظریات و افکار کے محتاج نہیں بلکہ جب کوئی نظریہ قرآن و سنت کے مطابق ہوگا تو یہ اس نظریہ کے صحیح ہونے کا ثبوت بن جائے گا' لیکن اگر کوئی نظریہ قرآن و سنت سے متصادم ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے اس لئے کہ انسانی علوم محدود اور تجربات پر مبنی ہوتے ہیں جن میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں اس بناء پر ان پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برخلاف وہ معلومات اور حقائق جو قرآن و سنت سے مستنبط ہیں وہ بڑی حد تک کامل اور قابل اعتماد ہوتے ہیں۔

❷ دوسرے یہ کہ نفسیات کی علمی اور فنی تعریف جو مختلف ماہرین نفسیات نے کی

ہے وہ نہ تو جامع ہے اور نہ مانع ہے اور ان کی تعریفوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور ان تعریفات پر یہ مثال صادق آتی ہے کہ چند نابینا حضرات نے ہاتھی کی حقیقت معلوم کرنی چاہی تو انھوں نے ہاتھ سے ٹٹول کر اس طرح حقیقت معلوم کی کہ کسی کا ہاتھ سونڈ پر اور کسی کا ہاتھ اس کے کان پر اور کسی کا ہاتھ اس کے پاؤں پر پڑا تو سبھوں نے الگ الگ ہاتھی کا تصور قائم کر لیا۔ لیکن ان تعریفات میں ان کے اختلاف کے باوجود ایک قدر مشترک ان میں یہ ہے کہ نفسیات ذہنی کردار کا علم ہے یا یہ کہ نفسیات ذہنی امراض ذہنی احوال کے علم کا نام ہے۔

چنانچہ جس طرح علم طب میں جسم کے احوال سے بحث ہوتی ہے اور جسمانی مرض کی تشخیص کی جاتی ہے پھر اس کا علاج کیا جاتا ہے اسی طرح نفسیات میں پہلے تو ذہن کے امراض کی تشخیص کی جاتی ہے جسے (Psychology) کہتے ہیں پھر مرض کی تشخیص کے بعد جو علاج کیا جاتا ہے اُسے (Psychotherapy) یعنی طب نفسی کہتے ہیں۔

علم نفسیات کے متعلق راقم الحروف کا مطالعہ انتہائی محدود ہے چنانچہ ان ابتدائی معلومات کی روشنی میں ذیل میں چند نفسیاتی طریقہ ہائے علاج کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1 ذہنی یا کرداری طریقہ علاج

نفسیاتی طریقہ ہائے علاج میں ایک طریقہ ذہنی یا کرداری طریقہ (MENTAL OR BEHAVIOURIAL METHODOLOGIES) ہے۔ اس طریقہ کے تحت معالج اپنے مریض کی علامات کا علاج مریض کے ادراک، سوچ اور کردار میں تبدیلی پیدا کر کے کرتا ہے۔ یعنی معالج اپنے مریض کو سوچنے اور عمل کرنے کے ایسے طریقے بتاتا ہے جن کو اپنا کر مریض اپنی علامات سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ مریض کی صحت کا دارومدار اس امر پر ہوتا ہے کہ وہ معالج کے بتائے ہوئے سوچ اور اعمال کے طریقوں پر کس حد تک کاربند ہوتا ہے۔ اگر مریض یہ طریقے زیادہ سے زیادہ

بتاتا ہے تو وہ جلد سے جلد اپنی علامات سے نجات پا لیتا ہے اور اگر وہ ان راستوں پر چلنے میں پس و پیش کرتا ہے تو پھر وہ اپنی بیماری سے نجات نہیں پا سکتا۔ ذہنی اور کرداری طریقہ ہائے علاج میں معالج ایک استاد، رہبر اور مرشد کا سا کردار ادا کرتا ہے اور مریض معالج کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے ایک شاگرد اور مرید جیسے کردار سرانجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ان طریقوں میں علاج کی خاطر مریض کو زیادہ کوشش اور محنت کرنا پڑتی ہے اس لحاظ سے معالج کا رول ایک ثانوی کردار کا سا ہوتا ہے۔"[1]

۲ تحلیل نفسی

ذہنی اور کرداری طریقہ ہائے علاج میں تحلیل نفسی یا تجزیہ نفسی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ یہ طریقہ علاج ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ (SIGMUND FREUD 1856ء-1939ء) نے ایجاد کیا تھا۔

فرائڈ کا خیال تھا کہ نفسیاتی علامات اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ انسان کے ذہن کا ایک مخفی حصہ اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ وہ ایک فرد کے ذہن اور جسم پر حاوی ہو جاتا ہے اور بیماری کی مختلف علامات اس مخفی ذہن کے غلبے کی علامات ہیں۔ ذہن کے اس حصے کو فرائڈ لاشعور (UNCONSCIOUS) کا نام دیتا ہے۔

فرائیڈ کا خیال تھا کہ لاشعور ایک فرد کی دبی ہوئی جنسی اور تخریبی خواہشات کا مجموعہ ہوتا ہے اور فرد کی غیر شعوری جنسی اور تخریبی خواہشات اس فرد کی نفسیاتی بیماری کا ذمہ دار ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرائیڈ کے خیال کے مطابق اگر ان لاشعوری خواہشات کو شعور میں لے آیا جائے تو فرد ان خواہشات کی مناسب تسکین بھی کر سکے گا اور ان پر قابو بھی پا سکے گا۔ چنانچہ ذہن کے لاشعوری حصے کو شعور میں لانے کے لیے فرائیڈ نے کئی طریقہ ہائے اعمال وضع کیے جن میں اہم طریقہ آزاد تلازم خیال (FREE ASSOCIATION) کا طریقہ تھا۔

آزاد تلازم کے طریقے کے تحت معالج اپنے مریض کو آرام دہ کاؤچ پر لٹا دیتا

[1] محمد یاسین، ناصر رضا، روحانی ذخیرہ نفسیات دینی، ص ۱۹۵، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، سال طبع ندارد

ہے۔ خود اس کے سر کے پیچھے بیٹھ جاتا ہے تاکہ مریض بلا جھجک بات چیت کر سکے کمرے میں مریض اور معالج کے علاوہ اور کوئی تیسرا فرد نہیں ہوتا۔ معالج مریض سے کہتا کہ جو بھی اس کے ذہن میں آئے بلا تامل اور برملا اس کا اظہار گفتگو کے ذریعے کر دے۔ ذہن میں آنے والے خیال بیان کرتا جائے، خواہ آنے والے خیال کی نوعیت خطرناک، غیر اخلاقی اور بے سروپا ہی کیوں نہ ہو۔ آزاد تلازم کے دوران معالج کم سے کم بولتا ہے لیکن مختلف ذرائع سے مریض کی باتوں کا ریکارڈ لیتا رہتا ہے۔

تحلیل نفسی کے طریقہ سے الجھنوں کا سُراغ لگایا جا سکتا ہے فرائیڈ نے اس سلسلہ میں بہت کام کیا ہے۔ اس طریقے میں ماہر نفسیات مریض سے اس کی زندگی کے حالات پوچھتا ہے اور ساتھ ہی اس کے متعلقین سے اس کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے ماضی کے واقعات میں الجھنوں کا سُراغ مل جاتا ہے۔"[1]

تحلیل نفسی کے طریقے کی مثال اس حکایت سے بھی دی جا سکتی ہے جو مولانا رومی رحمہ اللہ نے اپنی مثنوی کے شروع ہی میں ذکر کی ہے وہ یہ ہے:

"ایک بادشاہ اپنے مقربین کے ساتھ شکار کے لیے نکلا۔ شکار کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک حسین وجمیل لونڈی پر پڑی۔ بادشاہ اس لونڈی کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ چنانچہ زر کثیر دے کر اس لونڈی کو خرید لیا۔ لیکن اس کے خریدنے کے بعد وہ لونڈی بیمار ہو گئی۔ بادشاہ نے ہر جگہ سے طبیبوں کو بلا کر اس کا علاج کرایا لیکن وہ شفایاب نہ ہو سکی۔ اس مایوسی کے عالم میں بادشاہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو غیب سے ایک طبیب نمودار ہوا۔ بادشاہ نے پہلے تو اس طبیب سے بیمار اور مرض کا حال بیان کیا پھر مریضہ کے پاس لے گیا۔ طبیب نے مریضہ کے چہرے کا رنگ اور قارورہ دیکھا اس کے علامات اور اسباب سنے۔ طبیب نے مرض تاڑ لیا اس کے بعد بادشاہ سے کہا کہ اس گھر کو خالی کر دے اور اپنے بیگانے سب کو یہاں سے ہٹا دے۔

---

[1] نفسیات: ص ۲۸۹ تا ۲۸۷

دروازہ پر بھی کوئی کان نہ لگائے تاکہ میں مریضہ سے کچھ باتیں پوچھ سکوں۔ جب مکان بالکل خالی ہو گیا اور وہاں طبیب اور مریضہ کے سوا کوئی نہ رہا تو طبیب نے مریضہ سے نرمی کے ساتھ پوچھنا شروع کیا کہ ہر شہر والے کا علاج جداگانہ ہوتا ہے۔ اس لیے بتاؤ کہ تمہارا شہر کہاں ہے؟ اس شہر میں تمہارا رشتہ دار کون ہے؟ اپنایت اور تعلق کس سے ہے؟ طبیب نے مریضہ کے نبض پر ہاتھ رکھا اور مریضہ سے گزشتہ حالات کے بارے میں پوچھتا رہا۔ مریضہ طبیب کو کھل کر راز کی باتیں بتاتی رہی۔ ادھر طبیب اس کا قصہ سنتا رہا ادھر نبض کی طرف بھی پوری طرح متوجہ تھا اور یہ جاننے کی کوششیں کر رہا تھا کہ کس نام پر اس کی نبض پھڑکتی ہے۔ پہلے تو مریضہ نے اپنے شہر کے دوستوں کا ذکر کیا اس کے بعد دوسرے شہروں کا نام لیا۔ پھر طبیب نے پوچھا کہ جب تم اپنے شہر سے نکلی تھیں تو زیادہ کس شہر میں رہی تھیں۔ اس نے ایک شہر کا نام لیا پھر آگے بڑھ گئی نہ تو اس کے چہرے کا رنگ بدلا اور نہ اس کی نبض ہی میں تغیر ہوا۔ اس نے ایک ایک شہر کا اور وہاں کے آقاؤں کے نام بتائے۔ مقام اور خوراک کا ذکر کیا لیکن اس کی رگ نہیں پھڑکی اور نہ چہرے کا رنگ متغیر ہوا۔ یہاں تک کہ طبیب نے سمرقند کے بارے میں پوچھا تو اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے پھر اس نے بتایا کہ مجھے ایک تاجر وہاں لایا تو ایک مالدار سنار نے مجھے خرید لیا۔ چھ ماہ تک اس سنار نے مجھے اپنے پاس رکھا پھر مجھے بیچ دیا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو اس کی نبض پھڑکنے لگی اور اس کا سرخ چہرہ زرد پڑ گیا کیونکہ اس سمرقندی سنار سے اسے عشق ہو گیا تھا جس سے جدا ہو گئی تھی۔

جب طبیب نے مریضہ کا یہ راز پا لیا اور اس مرض کا سبب معلوم کر لیا تو پوچھا کہ اس کا راستہ اور کوچہ کونسا ہے؟ مریضہ نے بتایا کہ راستہ سر پل ہے اور

کوچہ غاتفر ہے۔ طبیب نے مریضہ کو تسلی دی اور کہا کہ اب تو مرض سے نجات پا گئی۔ لیکن خبردار! اب اس راز کو کسی اور پر ظاہر نہ کرنا۔ پھر طبیب نے بادشاہ کو بتایا کہ لونڈی سمرقند کے فلاں سنار کے عشق میں مبتلا ہے۔ اس لیے اس سنار کو دربار میں بلا کر اس لونڈی کو اس سنار کے حوالے کر دیا جائے۔
چنانچہ اس سنار کو سمرقند سے بلایا گیا اور جب مریضہ کی اس سے ملاقات ہو گئی تو وہ تندرست ہو گئی"۔[1]

ویسے یہ حکایت یہیں پر تمام نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے آگے کچھ اور بھی ہے۔ صرف بقدر ضرورت پر اکتفاء کیا گیا۔

اسی طرح مولانا تھانویؒ کے اس طریقہ کار کو تحلیل نفسی یا اس کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ مولانا براہ راست مخاطبت کی صورت میں یا مکاتبت کی حالت میں مخاطب اور مکتوب الیہ سے بہت ہی کثرت کے ساتھ سوال کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ صحیح جواب دے دیتا ہے۔ سوال کی اس کثرت سے ایک تو طالب اصلاح کے ذہن وفکر کا حال معلوم ہوتا ہے اور اس کے امراض معلوم ہو جاتے ہیں دوسرے یہ کہ مریض خود بھی اپنے ادراک، سوچ اور کردار میں تبدیلی پیدا کر کے علاج کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ مولانا تھانویؒ طالبین اصلاح کو اول تو اصلاح کا مقصد اور اس کی غرض وغایت بتاتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ خود طالب اصلاح سے براہ راست سوال وجواب کے ذریعے یا خط وکتابت کے ذریعے صحیح مقصد اور غرض وغایت متعین کراتے ہیں پھر اس کے بعد کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مریض کو اس کا اصل مرض بھی بتا دیتے ہیں اور کبھی مرض ظاہر کیے بغیر اس کا علاج کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں اس کا بھی خاص اہتمام کرتے ہیں کہ مریض کا حال سوائے طبیب اور مریض کے کسی کو معلوم نہ ہو اور یہ راز میں رہے۔ لیکن اس علاج کے دوران مریض کو تسلی بھی دیتے جاتے ہیں کہ تمہارا مرض ناقابل علاج نہیں، ہمیشہ پر امید رکھتے ہیں اور مایوس نہیں ہونے دیتے۔ اس طرح

---

[1] مولانا جلال الدین رومیؒ: مثنوی مولوی معنوی، ص ۹ تا ۱۲، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سال طبع ۱۹۵۳ء

مریض کو معالج پر مکمل اعتماد پیدا ہو جاتا ہے اور مریض اپنے معالج کے مشورے کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ شفایاب ہو جاتا ہے۔

مولانا تھانویؒ جس طرح مریض کا اعتماد حاصل کرکے اور اس کے حالات پوچھ پوچھ کر مرض معلوم کر لیتے ہیں پھر اس کو مرض سے نجات دلاتے ہیں ان کی تفصیل تو بہت طویل ہے لیکن صرف ایک واقعہ نمونہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے جو مولانا نے خود بیان کیا ہے:

"ایک لڑکے کو اس کے باپ اور چچا وغیرہ چند اشخاص میرے پاس لے کر آئے اور اس کی شکایت کی کہ اس نے ایک بازاری عورت سے تعلق پیدا کر لیا ہے اور ساری جائیداد کو تباہ کیے ڈالتا ہے۔ اس کو سمجھا دیجئے۔ میں نے بجائے اس کے کہ اس کے باپ اور چچا وغیرہ کے سامنے اس کو کچھ نصیحت کروں یہ کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد کے اندر لے گیا اور تنہائی میں بیٹھ کر اور اس کا ہمدرد اور ہمراز بن کر اس سے کہا کہ میاں یہ لوگ کیا جانیں کہ کسی کے دل کو کیا لگی ہوئی ہے۔ بس اب تم مجھے صاف صاف بتا دو کہ تم کو ایسی کیا مجبوری ہے کہ نہ تو تم کو اپنی عزت آبرو کا خیال ہے اور نہ اپنی جائیداد کی تباہی کی پرواہ ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اس کے باپ اور چچا وغیرہ بھی مسجد میں آ کر سننے لگے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ میں نے انہیں ڈانٹا کہ یہ کیا واہیات حرکت ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ اب میں جانوں اور یہ جانیں تمہیں بیچ میں دخل دینے سے کیا مطلب؟ چنانچہ وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ اس سے اس لڑکے کے دل میں میری اور بھی جگہ ہو گئی اور میری طرف سے اس کو پورا اطمینان ہو گیا کہ یہ تو واقعی میرا خیر خواہ اور ہمدرد ہے۔ جب اس کے باپ اور چچا وغیرہ میرے ڈانٹنے پر مسجد سے اٹھ کر چلے گئے تو میں نے اس لڑکے سے پھر وہی سوال کیا کہ آخر تمہیں اس سے ایسی شدید محبت کیوں ہے مجھے اب تم صاف

صاف بتادو۔ اس نے کہا کہ اصل سچی بات یہ ہے کہ پہلے تو مجھے اس سے واقعی محبت تھی لیکن اب تو محض نباہنا ہی نباہنا رہ گیا ہے کیونکہ ایک بار پیران کلیر شریف میں اس نے حضرت مخدوم صاحبؒ کے مزار پر مجھ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ میں ہمیشہ اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھوں گا اور اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، ہم دونوں کو دیکھ کر وہاں کا ایک مجاور بھی آ گیا اور اس نے خاص طریقہ سے ہم دونوں سے عہد لیا کہ کبھی ایک دوسرے سے منہ نہ موڑیں گے۔ اب مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں نے اس سے قطع تعلق کیا تو میرے اوپر ضرور کوئی وبال آئے گا کیونکہ میں ایک بزرگ کے مزار پر عہد کر چکا ہوں کہ ہمیشہ اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھوں گا۔

میں نے اس لڑکے کی تقریر سن کر اس سے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم مجھے اپنا خیر خواہ بھی سمجھتے ہو یا نہیں؟ اس نے کہا بے شک۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا بھی سمجھتے ہو یا نہیں؟ اس نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ آپ ہی سچے نہ ہوں گے تو اور کون سچا ہوگا۔ پھر میں نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم اس عہد کو نہ توڑو گے تب تو وبال آئے گا اور اگر توڑ دو گے تو اس کی وجہ سے ہرگز کسی قسم کا وبال نہ آئے گا۔ ایسے عہد کا توڑنا ہی واجب ہے۔ البتہ چونکہ عہد کر لینے سے قسم ہوگئی اس لیے قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا سو وہ کوئی ایسی بات نہیں آسانی کے ساتھ دیا جا سکتا ہے۔ اس پر اس نے کہا: جی مجھے تو بس یہی ڈر تھا کہ کہیں میرے اوپر وبال نہ آ جائے اور اسی ڈر سے میں اسے نباہ بھی رہا تھا ورنہ اب محبت تو مجھ کو اس سے کچھ رہی نہیں۔ جب آپ اطمینان دلاتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دینے سے مجھ پر کوئی وبال نہ آئے گا تو میں بس اس کو چھوڑ ہی دوں گا لیکن آپ مجھ کو صرف ایک بار اور اس کے پاس جانے کی اجازت دے دیجئے تاکہ میں اس کو اطلاع تو کر

آؤں کہ بس اب مجھ کو تجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اجازت اسی لیے چاہتا ہوں کہ اس کو میرا انتظار تو نہ رہے۔ کیونکہ اس کو انتظار میں رکھنا ایک قسم کی بے مروتی ہے نہ معلوم بیچاری کب تک میرے انتظار میں رہے۔

میں نے بمصلحت اجازت دے دی لیکن یہ کہہ دیا کہ دیکھو صرف اطلاع ہی کر کے چلے آنا خبردار جو کچھ گڑبڑ کی۔ اس کا اس نے وعدہ کیا اور اطمینان دلایا۔ جب باپ اور چچا کے سامنے گفتگو ہوئی اور ان کو علم ہوا کہ اس نے ایک مرتبہ اور جانے کی اجازت لے لی ہے تو وہ کہنے لگے کہ ابھی یہ اس کی بدمعاشی ہے یہ وہاں کا آنا جانا نہ چھوڑے گا۔ میں نے انہیں ڈانٹ دیا کہ چپ رہو تم کیا جانو ہمیں ان پر اطمینان ہے۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ میاں جو زیور وغیرہ تم نے اس کو دیا ہے وہ بھی لیتے آنا۔ لیکن اس نے کہا کہ ابھی اب تو جو دے دیا سو دے دیا اب دی ہوئی چیز کا کیا لینا مجھے تو یہ بے مروتی معلوم ہوتی ہے۔ اس پر میں نے اصرار نہیں کیا۔ پھر وہ لوگ رخصت ہو گئے پھر کچھ دن بعد اس کا باپ پانچ روپے لے کر آیا اور کہا کہ مدرسہ میں ان روپیوں کی مٹھائی بانٹ دیجئے۔ الحمدللہ! آپ کی برکت سے میرے لڑکے نے اس بازاری عورت سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور جیسا کہ اس نے آپ سے وعدہ کیا تھا بس ایک بار تو اس کے پاس قطع تعلق کی اطلاع کرنے گیا پھر نہیں گیا۔[1]

انفرادی نفسیات (INDIVIDUAL PSYCHOLOGY)

اس طریقہ علاج کا بانی الفریڈ ایڈلر [ALFRED ADLER] 1870-1937ء تھا۔ اس نے اپنا علیحدہ نظریہ شخصیت پیش کیا جس کا نام انفرادی نفسیات رکھا۔

ایڈلر (Adler) کا خیال تھا کہ دراصل سب سے اہم نفسیاتی محرک انسان کا

---

[1] اشرف السوانح۔ ج ۲، ص ۳۶-۳۴

احساس کمتری (FEELING OF INFERIORITY) ہے۔ اور اسی احساس کمتری سے نجات حاصل کرنے کے لیے انسان تگ و دو کرتا رہتا ہے اور ایک فرد کا احساس کمتری ہی اس شخص میں دوسروں پر سبقت لے جانے یا زیر کرنے کی خواہش کو جنم دیتا ہے۔ دوسروں کو زیر کرنا یا سبقت حاصل کرنا ہی انسانی تاریخ کا پنہاں محرک ہے۔ جہاں احساس کمتری دوسروں کو زیر کرنے کی خواہش کا باعث بنتا ہے وہاں پر فرد میں معاشرتی دلچسپی کا محرک بھی قدرتی طور پر موجود ہوتا ہے۔ ہر شخص کا انفرادی احساس کمتری اور اس کی معاشرتی دلچسپی کا عنصر اس کی زندگی کا ایک مخصوص انداز پیدا کرتا ہے۔ اور زندگی کا یہی مخصوص انداز اس کے احساس کمتری اور معاشرتی دلچسپی کا آئینہ دار ہے۔ ایڈلر (ADLER) کے خیال میں نفسیاتی بیماری اس وقت پیدا ہوتی ہے جب احساس کمتری اور معاشرتی دلچسپی میں ٹکراؤ پیدا ہو جائے۔ چنانچہ انفرادی نفسیات پر مبنی طریقہ علاج میں معالج کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ مریض کے احساس کمتری کی بنیاد کو سمجھا اور جانچا جائے۔ پھر مریض کی معاشرتی دلچسپی کا جائزہ لیا جائے اور پھر ان دونوں عناصر میں پائے جانے والے تصادم اور ٹکراؤ کو ختم کیا جائے۔

یہ طریقہ علاج، معالج اور مریض میں آمنے سامنے گفتگو اور بحث و مباحثہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس گفتگو کے ذریعے معالج مریض کے احساس کمتری کو سمجھنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے وہ مریض کے احساس کمتری کو سمجھنے میں کامیاب ہوتا ہے اسی کے ذریعہ وہ مریض کی معاشرتی دلچسپی کے مختلف پہلوؤں کا اندازہ لگاتا ہے اور پھر بحث کے ذریعے وہ مریض کو ان میں پائے جانے والے تصادم کو کم یا ختم کرنے پر قائل کر کے مریض کا علاج کرتا ہے۔ چنانچہ ایڈلر (ADLER) نے اس بات کا اہتمام کیا کہ اپنے نفسیاتی مریضوں کو دوسرے لوگوں کے ساتھ اہتمام برتنے اور دوسروں میں ضم ہو جانے اور ان کی امداد کرنے پر متوجہ کرے اور جب نفسیاتی مریض یہ کام کرے گا تو الفریڈ ایڈلر کے خیال کے مطابق وہ اپنے مرض سے شفایاب ہو جائے گا۔

اس طریقۂ علاج میں معالج کی توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ اپنے نفسیاتی مریضوں کو سماج کے افراد کے ساتھ مربوط کرنے کا اہتمام کرے۔ سماج کے دوسرے افراد کے ساتھ گھل مل جانے کی تلقین کرے جس کی وجہ سے فرد انسانی سماج کے ساتھ اپنا تعلق محسوس کرنے لگے۔ اپنے آپ کو سماج کا نفع بخش اور مفید فرد سمجھے گا پھر اس کے بعد اس کے اندر خود اعتمادی اور خوش نصیبی کا احساس پیدا ہوگا۔"[1]

مولانا تھانویؒ نے کتاب ''حیات المسلمین'' لکھ کر اس کا اہتمام کیا کہ فرد کو معاشرتی امور سے اس طرح دلچسپی پیدا ہو جائے کہ ایک طرف معاشرہ سے فائدہ حاصل کرے تو دوسری طرف معاشرہ کو اپنی ذات سے اس طرح فائدہ پہنچائے کہ اس کے حقوق ادا کرے اس طرح وہ اپنی افادیت اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوگا بلکہ یہ احساس جنم ہی نہیں لے گا۔

مولانا تھانویؒ کو اس کتاب کو لکھنے میں بہت زیادہ مشقت اور محنت کرنی پڑی۔ اس کتاب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میرا سرمایۂ نجات ہے۔ البتہ حیات المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال یہی ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔

مولانا نے اس تصنیف میں پہلے تو یہ بتایا کہ حقیقی زندگی دنیا اور آخرت میں صرف اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کا حق اور حصہ ہے اور خدا کے نافرمان اور باغی حقیقی حیات سے دونوں جگہ محروم ہیں اور باغیوں اور نافرمانوں کو جو دنیا کی ظاہری اور چند روزہ حیات میں اسباب آسائش و آرائش دیے جاتے ہیں وہ سامان راحت تو ہیں لیکن حقیقت راحت نہیں کیونکہ سامان راحت اور چیز ہے اور راحت اور شے ہے۔ سامان تو بازار سے خریدا جا سکتا ہے مگر راحت نہ کسی بازار میں ملتی ہے نہ کسی قیمت پر خریدی جا سکتی ہے۔ مسلمانوں کو راحت حاصل ہوگی یا صلاح و فلاح میسر ہوگا تو صرف رسول اللہ ﷺ کے

---

[1] نفسیات ص ۱۹۲-۱۹۳

اتباع کے ذریعے ہی میسر ہوگا۔ اس لیے مسلمانوں کے تمام مصائب و مشکلات کے حل کی کوئی تدبیر ہے تو صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو اطاعت کے ذریعے استوار کریں کیونکہ اطاعت ہی سے نصرت خداوندی آتی ہے اور احکام شرعیہ پر عمل کو ہی دینوی واخروی صلاح وفلاح اور ترقی میں دخل ہے۔

پھر اس کتاب کو ۲۵ عنوانات پر تقسیم کیا ہے اور ہر عنوان کو "روح" کا نام دیا ہے۔ مولانا تھانوی ہر طالب اصلاح کو اس کتاب کے پڑھنے کی تاکید اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے پر زور دیتے ہیں۔ اس طرح فرد احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی بجائے اپنے آپ کو معاشرہ کا ایک اہم اور مفید شہری محسوس کرنے لگتا ہے اور معاشرتی امور میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

۴ انسانیت پسند نفسیات (HUMNISTIC PSYCHOLOGY)

اس نظریہ نفسیات اور اس پر مبنی طریقہ کار کا بانی ابراہام ماسلو (ABRAHAM MASLOW) 1908-1970ء تھا۔ ابراہام ماسلو کے نفسیاتی طریق علاج (Psychotherapy) اور مولانا تھانوی کے طریق اصلاح میں جزوی مناسبت پائی جاتی ہے۔ جبکہ بنیادی طور پر تشخیص مرض اور طریق علاج واصلاح کی راہیں مختلف ہیں ماسلو کے نظریات اور تجربات کا زیادہ تر کام ذہنی طور پر بیمار نہیں بلکہ صحتمند لوگوں کے ساتھ تجربات پر مبنی ہے اس لیے ماہرین نفسیات ابراہام ماسلو کے طریقہ علاج (Method of Psychological treatment) کو تکمیل ذات (Self Actualization) کا طریقہ کار کہنا پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کہ خود ماسلو نے جب اپنے نظریہ کی تشریح کی تو تکمیل ذات کی تسکین ہی کو اصل مسئلہ قرار دیا۔

ابراہام ماسلو کا خیال تھا کہ انسان کی چند بنیادی ضروریات ہوتی ہیں۔ اکثر انسان ان میں سے اکثر بنیادی ضرویات کی تسکین حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو

جاتے ہیں۔ لیکن ان ضروریات میں ایک ضرورت ایسی بھی ہوتی ہے جس کی تکمیل مشکل ہو جاتی ہے۔ اس ضرورت کو ماسلو نے تکمیل ذات کا نام دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تکمیل ذات کی ضرورت پوری نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنی زندگی سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہی تکمیل ذات کی تسکین نہ کر سکنا ایک فرد کی زندگی میں خلا پیدا کرتا ہے اور یوں وہ فرد وہ سب کچھ نہیں کر پاتا جو کہ وہ کر نے یا کر گزرنے کی سکت اور صلاحیت رکھتا ہے۔ ماسلو کے خیال کے مطابق تکمیل ذات کی طرف عملی قدم نہ لینے کی کچھ وجوہات ہوتی ہیں جو بہرحال فرد کی اپنی ذات ہی کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس میں اول وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک فرد بری نامناسب ذہنی اور جسمانی عزت ذات کا شکار ہو کر اپنی طرف اور اپنی زندگی کے اعلیٰ مشن کی تکمیل کی طرف سستی اور کاہلی کا رویہ اپنائے رکھتا ہے۔ دوسری وجہ سے اس شخص کی کمزوری یا جسمانی بیماری ہو سکتی۔ جو اس فرد کو اس کی تکمیل سے باز رکھتی ہے۔ تیسری وجہ اس فرد کا بے جا خوف ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ اپنی زندگی کے مشن سے پوری ایمانداری نہیں برتتا۔ چوتھی وجہ یہ ہوتی ہے کہ فرد کو تکمیل ذات کے طریقوں کے لیے صحیح رہنمائی حاصل نہیں ہوتی اور یوں اس کی یہ لاعلمی اس کو اس کی ذات کے نصب العین کو حاصل کرنے کے آڑے آتی ہے۔

ماسلو (Maslo) کا طریقہ علاج یہ ہے کہ معالج بات چیت اور بحث کے ذریعے ایک فرد کو اس کی تکمیل ذات کی راہ میں حائل شدہ رکاوٹوں سے آگاہ کرے اور چونکہ یہ رکاوٹیں فرد کی خود ساختہ رکاوٹیں ہی ہیں، اس لیے اس امر کو سمجھ کر ان رکاوٹوں کو ختم کرے۔ اس طرح وہ شخص اپنے خوف، کاہلی، بری عزت ذات اور شخصی کمزوری پر قابو پا کر تکمیل ذات کر سکے گا اور پہلے سے بہت بہتر طور پر تخلیقی فرد بن سکے گا۔[1]

مولانا تھانوی اور ماسلو کے طریق علاج میں مماثلت اور مناسبت کا پہلو صرف یہ ہے کہ مولانا تھانوی بھی ایک ذہنی معالج کی طرح سب سے پہلے مریض سے بات چیت

[1] نفسیات، ص ۸۰۱۔۸۰۲

اخلاص اور ہمدردانہ اسلوب گفتگو کے ذریعہ مریض سے مانوسیت اور بے تکلفی بڑھاتے ہیں اور مریض کو اپنے اعتماد میں لے کر تعلق اور مناسبت پیدا کرتے ہیں جس سے مریض اور طالب اصلاح کے تمام فکری رجحانات، میلانات اور شخصی کمزوریوں کا علم ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح تشخیص امراض اور علاج و معالجہ کا طریقہ آسان ہو جاتا ہے اور مولانا اپنے شفقت روحانیت سے مریض کا دل موہ لیتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ اگرچہ اصلاح اعمال یا علاج کے لیے بیعت کو شرط اور ضروری قرار نہیں دیتے ہیں لیکن چونکہ طالب اصلاح کو اپنے مصلح سے اسی قسم کا تعلق ہوتا ہے جس قسم کا تعلق مریض کو معالج کے ساتھ ہوتا ہے اور جب تک مریض اور معالج میں مناسبت نہ ہو علاج ناممکن ہے۔ اسی طرح مولانا تھانویؒ کے نزدیک اصلاح کے لیے گو بیعت شرط نہیں لیکن مناسبت ضروری ہے اور مناسبت پیدا کرنے کے لئے صحبت ضروری ہے۔ مولانا پہلے تو مجالس صحبت میں پھر خط و کتابت کے ذریعے طالب اصلاح کو مختلف پیرایہ میں ذہن نشین کراتے ہیں کہ آدمی کو ذہنی پریشانی اس سبب سے لاحق ہوتی ہے کہ وہ غیر اختیاری باتوں کے پیچھے پڑتا ہے اور ان کے حاصل نہ ہو سکنے کے سبب وہ پریشان ہونے لگتا ہے اور اس کو اتنا خوف دامن گیر ہو جاتا ہے کہ مایوس ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ خودکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مولانا اپنی تعلیمات کے ذریعے بے جا خوف سے نجات دلا کر پُر امید بنا دیتے ہیں لیکن اتنی پُر امیدی بھی نہیں کہ بالکل بے باک اور بد عملی پر جری اور دلیر ہو جائے۔ اس طرح طالب اصلاح کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اس کی تکمیل ذات کی راہ میں اس کی جو خود ساختہ رکاوٹیں ہوتیں ہیں وہ دور ہو جاتیں ہیں۔

مولانا تھانویؒ کے طریقہ اصلاح میں بعض ماہرین نفسیات کے نظریات و طریقہ ہائے علاج سے بعض مشابہتوں یا مطابقتوں کی یہ چند مثالیں ذکر کی گئیں۔ ورنہ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ مولانا کے تمام طریقوں کا الگ الگ جدید علم نفسیات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے، لیکن اول تو یہ اس مقالہ کا موضوع نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس سے صحیح طور پر وہی حضرات عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو علم نفسیات میں مہارت رکھتے ہوں اور اس علم کے دائرہ مباحث سے پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ لیکن اس موقع پر یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جدید علم نفسیات نے مادی نقطہ نظر اختیار کیا ہے کیونکہ جدید علم نفسیات کی رائے میں محسوسات کا علم ہی وہ اساس ہے جس پر سائنسی علوم کی بنیاد ہے۔ جدید ماہرین نفسیات نے اس علم کو نہیں چھیڑا ہے جو وحی والہام کے ذریعے انسان کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان حضرات نے اپنے کو پابند کر لیا کہ وہ ان ہی نفسیاتی مظاہر پر تحقیق کریں گے جن کا مشاہدہ کرنا یا قیاس کرنا یا تجرباتی بحث وتحقیق کے دائرے میں لانا ممکن ہو سکتا ہو۔ رہے وہ نفسیاتی روحانی مظاہر جن کا مشاہدہ کرنا یا جنہیں تجرباتی بحث وتحقیق سے جانچنا ممکن نہ ہو انہیں ان لوگوں نے علم النفس کے دائرہ بحث سے الگ کر رکھا ہے۔[۱]

ویسے اب مسلم اسکالرز نے نفسیات کا اسلام کی روشنی میں بھی مطالعہ شروع کر دیا ہے اور پاکستان میں بھی اس کا آغاز ہو چکا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سید اظہر علی رضوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل اور دیگر حضرات نے اس میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور پاکستان کی بعض جامعات میں بھی یہ مضمون شروع ہو چکا ہے۔ بعض اچھی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں اور تحقیقی مقالات بھی لکھے گئے ہیں۔

اب ذیل میں چند مغربی ماہرین نفسیات کے نام مع عرصہ حیات ذکر کیے جاتے ہیں جنہوں نے علم نفسیات میں مغرب میں بہت شہرت پائی۔

i WILHELM WUNDT (1832 - 1920)[۲] ولہلم ونٹ

ii SIGMUND FREUD (1856 - 1939)[۳] سگمنڈ فرائڈ

۱۔ ڈاکٹر محمد [illegible]، حکیم الامت حضرت تھانوی ﷫ اور علم النفس ص ۲۲۳ مطبوعہ فیصل ناشران وتاجران کتب [illegible]

۲۔ نفسیات ص ۱۳

۳۔ ایضاً ص ۹۶۔

III. C.G. JUNG (1875ء - 1961ء)[1] — گستاف یونگ

IV. ALFRED ADLER (1870ء - 1937ء)[2] — الفریڈ ایڈلر

V. KAREN HORNEY (1885ء - 1952ء)[3] — کیرین ہورنی

VI. WILHELM REICH (1897ء - 1957ء)[4] — ولہلم رائخ

VII. ABRAHAM MASLOW (1908ء - 1970ء)[5] — ابراہام ماسلو

VIII. FREDERICK PERLS (1893ء - 1970ء)[6] — فیریڈرک پیرلز

IX. J.L. MORENO (1892ء - 1974ء)[7] — جے ایل مورینو

ان ماہرین نفسیات کے سنین وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں مولانا تھانویؒ کا زمانہ بھی انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے۔ ان کی ولادت ۱۸۶۳ء میں اور وفات ۱۹۴۳ء میں ہوئی ہے اس طرح مغربی ماہرین نفسیات اور مولانا تھانویؒ تقریباً ہم عصر ہیں لیکن اس معاصرت کی وجہ سے یہ گمان کر لینا صحیح نہ ہوگا کہ مولانا تھانویؒ نے ان ماہرین نفسیات سے کسی معنی میں اکتساب یا اخذ کیا ہوگا کیونکہ اول تو مولانا کے مزاج اور طرز معاشرت وطرز فکر کے باعث یہ امر بعید ہے دوسرے یہ کہ ماہرین نفسیات کے نظریات وطریقہ علاج اور مولانا تھانویؒ کے افکار وطریقہ ہائے علاج میں یہ فرق واضح ہے کہ ان ماہرین نفسیات نے الگ الگ ایک ایک نظریہ قائم کیا اور اس کے مطابق علاج کیا۔ لیکن مولانا تھانویؒ کا طریقہ ایک جامع اور کثیر الجہتی حیثیت کا حامل ہے۔ مولانا تھانویؒ نے تھانہ

---

۱ نفسیات: ص ۷۹۰

۲ ایضاً: ص ۷۹۲

۳ ایضاً: ص ۷۹۳

۴ ایضاً: ص ۷۹۷

۵ ایضاً: ص ۸۰۱

۶ ایضاً: ص ۸۱۷

۷ ایضاً: ص ۸۱۹

یوں کے ایک گوشہ میں سب سے الگ تھلگ اپنے تجربات کی روشنی میں ہزاروں ذہنی مریضوں کا علاج کیا اور طالبین اصلاح کی اصلاح کی اور جدید علم نفسیات کی علمی اور فنی اصطلاحات کے استعمال کے بغیر انہوں نے یہ کارنامہ دین کے فطری اور عملی اصولوں کے مطابق انجام دیا۔ مولانا تھانوی خود بھی فرماتے تھے کہ اصلاح و تربیت کے طریقے ہم نے اپنے تجربات کی روشنی میں اختیار کیے ہیں۔ گویا آپ نے دوسروں کے تجربات سے اس معاملے میں استفادہ حاصل نہیں کیا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○
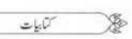
کتابیات

(BIBLIOGRAPHY)

مآخذ و مراجع

نمبر شمار	اسماء مؤلفین	اسماء کتب	مطبوعہ و سنہ طباعت
		﴿الف﴾	
۱	اشرف علی تھانوی مولانا	الافاضات الیومیہ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲	ایضاً	اشرف الجواب	مکتبہ نعمانیہ دیوبند ضلع سہارنپور
۳	ایضاً	اصلاحی نصاب	دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۰ء
۴	ایضاً	اصلاح الرسوم	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۵	ایضاً	الافاضات الیومیہ	ادارہ اشرفیہ پاکستان مرزا قلیچ بیگ روڈ کراچی
۶	ایضاً	آداب المعاشرت	مکتبہ مدینہ لاہور
۷	ایضاً	آداب انسانیت	مکتبہ اشرفیہ لاہور ۱۴۱۱ھ
۸	ایضاً	آداب زندگی	دارالاشاعت کراچی
۹	ایضاً	بہشتی زیور	مکتبہ مدینہ لاہور ۱۹۸۲ء
۱۰	ایضاً	بوادر النوادر	ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۵ء
۱۱	ایضاً	تعلیم الدین	تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۲	ایضاً	تربیت السالک	دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۸ء
۱۳	ایضاً	تسہیل المواعظ	کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور ۱۳۳۵ھ
۱۴	ایضاً	جدید ملفوظات	اشرف العلوم شعبہ دار العلوم کراچی

نمبر شمار	اسماء مؤلفین	اسماء کتب	مطبوعہ وسنہ طباعت
۱۵	اشرف علی تھانوی ۔ مولانا	تحفۂ زوجین	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۰۲ھ
۱۶	ایضاً	حیات المسلمین	تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی
۱۷	ایضاً	حقوق و فرائض	مکتبہ اشرفیہ لاہور ۱۹۹۰ء
۱۸	ایضاً	حقوق الزوجین	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۱۹	ایضاً	حقیقت عبادت	مکتبہ اشرفیہ لاہور ۱۹۹۲ء
۲۰	ایضاً	دعوات عبدیت	مکتبہ تھانوی کراچی
۲۱	ایضاً	دنیا و آخرت	ادارہ اسلامیات لاہور ۱۴۰۶ھ
۲۲	ایضاً	راہ نجات	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۲۳	ایضاً	سنت ابراہیم (عید الاضحی)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۱۳ھ
۲۴	ایضاً	علم و عمل	مکتبہ اشرفیہ لاہور ۱۴۰۷ھ
۲۵	ایضاً	مسائل السلوک	ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۰ء
۲۶	ایضاً	مواعظ حسنہ	دینی بک ڈپو اردو بازار دہلی ۱۹۹۳ء
۲۷	ایضاً	ملفوظات مقالات حکمت و مجادلات معدلت	ادارہ تالیفات اشرفیہ لاہور ۱۹۷۷ء
۲۸	ایضاً	مواعظ میلاد النبی ﷺ	مکتبہ الاشرفیہ لاہور ۱۹۹۲ء
۲۹	ایضاً	آداب معاشرت	ایضاً
۳۰	ایضاً	آ [illegible]	مکتبہ تھانوی کراچی نومبر ۱۹۵۵ء
۳۱	ایضاً	آثار الربح	مکتبہ تھانوی کراچی دسمبر ۱۹۵۴ء
۳۲	ایضاً	اسلام الحقیقی	مکتبہ تھانوی کراچی دسمبر ۱۹۵۹ء
۳۳	ایضاً	التحمید والتوحید	مکتبہ تھانوی کراچی جون ۱۹۵۵ء
۳۴	ایضاً	الوصل والفصل	مکتبہ تھانوی کراچی اکتوبر ۱۹۵۳ء

نمبر شمار	اسماء مولفین	اسماء کتب	مطبوعہ و سن طباعت
۳۵	اشرف علی تھانوی مولانا	دستور سہارنپور	مکتبہ تھانوی کراچی ستمبر ۱۹۵۶ء
۳۶	ایضاً	طریق القلندر	مکتبہ تھانوی کراچی نومبر ۱۹۶۰ء
۳۷	ایضاً	مظاہر الاقوال	مکتبہ تھانوی کراچی اگست ۱۹۵۸ء
۳۸	ابو حامد محمد امام الغزالی	کیمیائے سعادت	حاجی ملک دین اینڈ سنز لاہور
۳۹	ابو الحسن علی ندوی سید	تاریخ دعوت وعزیمت	مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء
۴۰	ابن المنظور الافریقی، محمد بن مکرم	لسان العرب	قاہرہ ۱۳۰۰ھ
۴۱	(الشیخ) اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی	کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۸ء
۴۲	اسماعیل گودھروی	برھان الہی (ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۴۳	ایچ بی خان	برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار	قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء
۴۴	ایضاً	علماء دیوبند اور ہندوستانی سیاست	ایضاً
۴۵	(الدکتور) ای فینسک	مفتاح کنوز السنۃ	مرکز النشر فی مکتب الاعلام الاسلامی ۱۴۰۴ھ
۴۶	اقتدار احمد نعیمی مفتی	العطایا الاحمدیہ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۵۵ء
۴۷	اشتیاق حسین قریشی ڈاکٹر	علماء ان پالیٹکس	معارف لمیٹڈ کراچی

نمبر شمار	اسماء مؤلفین	اسماء کتب	مطبوعہ وسن طباعت
	﴿ب﴾		
۴۸	بطرس البستانی المعلم	محیط المحیط	بیروت، لبنان
	﴿ج﴾		
۴۹	جلال الدین رومی مولانا	مثنوی مولوی معنوی	نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۵۳ء
۵۰	جلال الدین دوانی ملا صاحب	اخلاق جلالی	ایم فرقان علی ایجنٹ لاہور
	﴿ح﴾		
۵۱	حمیرہ ہاشمی ناصرہ فاروق وغیرہ	نفسیات	شیخ غلام علی ایجنٹ لاہور
	﴿خ﴾		
۵۲	خیر محمد جالندھری مولانا	خیر الافادات	ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۲ء
۵۳	خلیل احمد مہاجر المدنی	بذل المجہود فی شرح ابی داؤد	جید برقی پریس دہلی
۵۴	خلیق احمد نظامی	شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات	علی گڑھ ۱۹۵۰ء
	﴿ز﴾		
۵۵	زوار حسین سید	عمدۃ السلوک	ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۵۹ء
	﴿س﴾		
۵۶	سلیمان بن اشعث السجستانی	سنن ابوداؤد	حمص۔ سوریا ۱۹۸۸ء
۵۷	سید محمد میاں مولانا	علماء ہند کا شاندار ماضی	کتب خانہ فخریہ امروہہ گیٹ مرادآباد یوپی

نمبر شمار	اسماء مؤلفین	اسماء کتب	مطبوعہ وسنہ طباعت
۵۸	سعید احمد اکبرآبادی مولانا	علماء ہند کا سیاسی موقف	مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان
	﴿ش﴾		
۵۹	شبلی نعمانی علامہ	الفاروق	صدیقیہ پریس کراچی ۱۹۵۸ء
۶۰	شمس الحق العظیم آبادی	عون المعبود شرح سنن ابوداؤد	دارالفکر بیروت ۱۹۷۹
۶۱	شاہ ولی اللہ	حجۃ اللہ البالغہ	کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۳ء
۶۲	ایضاً	التفہیمات الالہیہ	اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۸ء
۶۳	ایضاً	فیوض الحرمین	محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی
۶۴	شاہ عبدالعزیز محدث	بستان المحدثین	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۹۳ء
۶۵	شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی	مکتوبات امام ربانی	رؤف اکیڈمی ذیلدار روڈ لاہور
۶۶	شیخ محمد مصطفی المراغی	تفسیر المراغی	مطبعۃ الازہر ۱۳۵۶ء
	﴿ع﴾		
۶۷	علی اکبر دہخدا	لغت نامہ دہخدا	تہران ۱۳۵۳ھ
۶۸	علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	کنز العمال	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۵ء
۶۹	عبدالرشید ارشد	بیس بڑے مسلمان	مکتبہ رشیدیہ لاہور

نمبر شمار	اسماء مؤلفین	اسماء کتب	مطبوعہ وسن طباعت
۷۰	عبید اللہ مبارکپوری	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	مکتبہ السلفیہ سرگودھا پاکستان
۷۱	عبدالرؤف المناوی	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر ۱۹۳۸ء
۷۲	علی بن سلطان محمد القاری	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	مکتبہ امدادیہ ملتان
۷۳	عبدالحی عارفی ڈاکٹر	مآثر حکیم الامت	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۷۴	ایضاً	افادات عارفی	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۰۹ھ
۷۵	ایضاً	فہرست تالیفات حکیم الامت	مکتبہ دارالعلوم کراچی رمضان ۱۴۰۷ھ
۷۶	عزیز الحسن مجذوب خواجہ	اشرف السوانح	سلطانیہ برقی پریس لکھنؤ ۱۳۵۶ھ
۷۷	ایضاً	خاتمۃ السوانح	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۷۸	ایضاً	حسن العزیز	ایضاً
۷۹	عبدالماجد دریا آبادی	نقوش و تاثرات (حکیم الامت)	مکتبۃ العلوم الشرعیہ ۱۹۷۶ء
۸۰	عبدالرحمن خان منشی	سیرت اشرف	شیخ اکیڈمی لاہور ۱۹۷۷ء
۸۱	عبدالمجید بچھراونی	مزید المجید	مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون
۸۲	عبدالباری ندوی	جامع المجددین	مکتبہ تجدید دین لکھنؤ ۱۹۵۵ء

نمبر شمار	اسماء مؤلفین	اسماء کتب	مطبوعہ و سنہ طباعت
۸۳	عبدالحی اللکھنوی	مجموع الفتاوی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۳ء
	(غ)		
۸۴	غلام محمد صاحب ڈاکٹر	حیات اشرف	مکتبہ تھانوی کراچی
	(ق)		
۸۵	قیام الدین حسینی مولانا	تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہؓ	ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات ضلع جہلم ۱۹۹۶ء
	(م)		
۸۶	محی الدین ابی زکریا بن شرف نووی	ریاض الصالحین	قرآن محل کراچی
۸۷	محمد بن اسماعیل بخاری	بخاری شریف	دار النشر بیروت
۸۸	محمد بن عبداللہ	مشکوٰۃ شریف	مکتبہ رحمانیہ لاہور
۸۹	محمد سلیمان سلمان منصور پوری قاضی	رحمۃ للعالمین ﷺ	الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۱۹۹۱ء
۹۰	محمد شفیع دیوبندی مفتی	مجالس حکیم الامت	دار الاشاعت کراچی ۱۳۹۶ء
۹۱	ایضاً	مقدمہ حیات المسلمین	مکتبہ مظہری کراچی
۹۲	محمد زکریا صاحب مدنی	آپ بیتی	مکتبہ مدینہ لاہور
۹۳	محمد عیسیٰ الہ آبادی	انفاس عیسیٰ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۸۹ء
۹۴	ایضاً	کمالات اشرفیہ	مکتبہ تھانوی کراچی

نمبر شمار	اسماء مؤلفین	اسماء کتب	مطبوعہ وسن طباعت
۹۵	محمد یوسف حکیم محمد مصطفیٰ حکیم	حسن العزیز	مکتبہ تالیفات اشرفیہ سہارنپور ۱۳۸۵ھ
۹۶	مصلح الدین سعدی شیرازی شیخ	بوستاں	قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی
۹۷	محمد منظور نعمانی	تذکرہ مجدد الف ثانی	دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۷ء
۹۸	محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی	تاج العروس	بوارق ۱۳۰۰ھ
۹۹	محمد عبد الحلیم بن عبد الرحیم چشتی	التعلیقات الحرجاۃ لحسن مطالع المرقاۃ فی شرح المشکوٰۃ	مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۸۶ھ
۱۰۰	محسن بن یحییٰ الترحتی	الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی مجموعہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار	دار الرشاد احمد ریلس، دیوبند
۱۰۱	مناظر احسن گیلانی مولانا	پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم	مکتبہ رحمانیہ لاہور
۱۰۲	محمد بن عیسیٰ الترمذی	سنن الترمذی	مطبعہ البابی الحلبی القاہرہ ۱۳۹۵ھ
۱۰۳	مسلم بن حجاج قشیری	مسلم شریف	دار المعرفۃ بیروت
۱۰۴	معین الدین عقیل ڈاکٹر	مسلمانوں کی جدوجہد آزادی	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

نمبر شمار	اسماء مؤلفین	اسماء کتب	مطبوعہ وسنِ طباعت
۱۰۵	محمد عبدالحق	تالیفات اشرفیہ	مرزوبی پریس جلد ۲ لکھنؤ ۱۳۵۳ھ
۱۰۶	محمد الحسنی	پیام محمد و اقتصاد	مجلس نشریات اسلام کراچی
۱۰۷	محمد اکبر شاہ بخاری حافظ	تذکرہ اولیائے دیوبند	مکتبہ رحمانیہ لاہور
۱۰۸	محمد عثمان نجاتی ڈاکٹر	حدیث نبوی ﷺ اور علم النفس	الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور
۱۰۹	محمد ظفر اقبال مولانا	سیرت امیر معاویہ ؓ اور ان کے دلچسپ واقعات	بیت العلوم لاہور
		و	
۱۱۰	وکیل احمد شیروانی مفتی	مجالس صحبت علیمہ	جامعہ اشرفیہ لاہور
		"رسائل و جرائد"	
۱۱۱	اشرف علی تھانوی مولانا	رسالہ "الابقاء"	مکتبہ تھانوی کراچی ۱۹۵۵ء
۱۱۲	ایضاً	رسالہ "الحیاۃ"	انوار احمدی الہ آباد ۱۳۴۷ھ
۱۱۳	محمود احمد ظفر حکیم	رسالہ "الحسن"	جامعہ اشرفیہ لاہور اکتوبر ۱۹۸۷ء

Sources: English Works

S.No.	Name of the Author	Book	Publisher and the year of Publication
114	Dr. Azhar Ali Rizvi	Muslim tradition in psychotherapy and modern trends	First edition Institute of Islamic culture Lahore 1980
115	Dr. Fazal Muhammed	A study of Shah Waliullah	Maktaba Rashidia, Shah Alam Market, Lahore 1972
116	H.A.R. Gibb and J.H.Kramers.	Shorter Encyclopaedia of Islam	South Asian Publisher. Karachi 1981.
117	Karl Brockelman	Geschiste der Arabischen Literature	Leiden 1933.
118	Ishtiaq Hussain Qurashi	Ulema in Politics.	Ma'aref Ltd, Karachi